مسلمانوں کا نظم مملکت

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

[illegible] کتاب الاحکام السلطانیہ کا اردو ترجمہ

مترجم

مولوی علیم اللہ صدیقی [illegible]

دارالاشاعت

مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی ۱

PDF By : Meer Zaheer Abass Rustmani

Cell NO : +92 307 2128068 - +92 308 3502081

مسلمانوں کا نظمِ مملکت

ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن ایم اے۔ پی ایچ، ڈی۔ ڈی لٹ (لندن)

پروفیسر تاریخ اسلام فواد اوّل یونیورسٹی (قاہرہ)

و

UNREGISTERED VERSION

پروفیسر علی ابراہیم حسن ایم اے

www.avs4you.com

کی

محققانہ کتاب "النظم الاسلامیۃ" کا ترجمہ

مترجم

مولوی علیم اللہ صاحب صدیقی فاضل دیوبند بی اے جامعہ

ناشر

دار الاشاعت

مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی

تعداد اشاعت : ایکہزار

طباعت شکیل پرنٹنگ پریس، آرام باغ، کراچی

قیمت :

باہتمام : محمد رضی عثمانی

UNREGISTERED VERSION

www.avs4you.com

ملنے کے پتے

دارالاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی نمبر ۱

مکتبہ دارالعلوم ڈاک خانہ دارالعلوم کراچی ۱۴

ادارۃ المعارف ڈاک خانہ دارالعلوم کراچی ۱۴

ادارہ اسلامیات ۔ ۱۹۰ ۔ انارکلی لاہور

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ
دیباچہ طبع اوّل	۹
دیباچہ طبع ثانی	۱۱
ترجمہ کے متعلق چند ضروری باتیں	۱۲
مقدمہ	۱۴
باب اوّل	
سیاسی نظام	۱۹
(ا) خلافت	
(۱) تاسیس خلافت	[illegible]
آنحضرت کی حکومت	۲۰
"خلافت" کا مفہوم	۲۰
"خلیفہ" سے مراد	۲۱
خلیفہ کے القاب	۲۲
قرآن اور نظام حکومت	۲۳
خلیفہ کی صفات؟	۲۴
خلافت کا حق۔ مختلف جماعتوں کے نظریے	۲۴
"خلافت" فقہا، فلاسفہ اور اہل اخلاق کے زاویۂ نگاہ سے۔	۲۹
(ب) خلافت راشدہ	۳۲
بیعت سقیفہ	۳۲

مضمون	صفحہ
بیعت عمرؓ	۳۶
واقعہ شوریٰ اور بیعت عثمانؓ	۳۹
بیعت علیؓ	۴۵
خلافت راشدہ کے طریقہ انتخاب پر ایک تنقیدی نظر	۴۶
(ج) خلافت بنی امیہ	
[illegible]	[illegible]
خلافت امویہ کی امتیازی خصوصیات	۴۹
یزید کی ولی عہدی	۵۱
معاویۂ ثانی	۵۵
مروان بن حکم کا انتخاب	۵۵
عبدالملک بن مروان	۵۶
ولید و سلیمان	۵۶
عمر بن عبدالعزیزؒ	۵۶
خلافت بنی امیہ کا خاتمہ	۵۸
(د) خلافت عباسیہ۔ دور عروج	
خلفائے عباسیہ	۶۰
خلافت عباسیہ کی امتیازی خصوصیات	۶۳
ولی عہدی	۶۵
خلافت عباسیہ (عہد زوال)	

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

(اول) واثق باللہ کی وفات سے بنو بویہ کے تسلط تک	٦٧
متوکل	٦٧
منتصر اور معتز	٦٧
مہتدی	٦٨
معتمد اور معتضد	٦٩
مکتفی باللہ	٦٩
مقتدر	٧٠
قاہر	٧٢
امارت عظمیٰ ...	٧٣
راضی	[illegible]
متقی	٧٤
مستکفی	٧٥
امارت عظمیٰ کے لیے کشمکش اور اس کا اثر	٧٥
(دوم) خلافت عباسیہ عہد آل بویہ میں	٧٨
عراق کے سلاطین آل بویہ	٧٩
مطیع اور طائع	٧٩
قادر اور قائم	٨٣
(سوم) خلافت عباسیہ سلجوقیوں کے دور اقتدار میں	٨٥
عراق کے سلاطین سلجوق	٨٥
بساسیری کی شورش	٨٦
عباسی خلفاء کی حالت	٨٦
سلجوقیوں کا عباسی خلفاء سے برتاؤ	٨٧

عباسی خلفاء کا دوبارہ اثر و اقتدار	٨٩
مقتدی اور مسترشد	٨٩
راشد اور مقتفی	٩١
خلفاء عباسیہ اور مذہبی اجارہ داری	٩٣
(چہارم) خلافت عباسیہ کا آخری دور	٩٥
عالم اسلام کی حالت	٩٥
دولت خوارزم	٩٥
تاتار	٩٧
بغداد میں خلافت عباسیہ کا زوال	٩٨
[illegible]	٩٨
سقوط بغداد	١٠٠
[illegible]	١٠٢
بغداد تاتاریوں کی تسخیر کے بعد	١٠٢
متعدد خلافتوں کا قیام	١٠٤
(ا) خلافت فاطمیہ	١٠٦
خلفاء فاطمیہ	١٠٦
بلاد مغرب میں قیام حکومت	١٠٦
تسخیر مصر کا قصد	١٠٨
معز الدین	١٠٩
عزیز باللہ	١١١
حاکم بامر اللہ	١١٢
ظاہر اور مستنصر	١١٣

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

نزاریہ اور مستعلیہ ۱۱۳
آمر باحکام اللہ ۱۱۴
حافظ ۱۱۴
خلافتِ فاطمیہ کا زوال ۱۱۵
خلافتِ فاطمیہ پر ایک طائرانہ نگاہ ۱۱۶
(ب) مملوکوں کے عہد میں ۱۱۷
خلافت عباسیہ کا احیاء
ظاہر بیبرس اور خلافت ۱۱۷
خلافت بیبرس کے بعد ۱۲۰
(ج) سلاطین عثمانیہ اور خلافت ۱۲۳
خلیفہ متوکل اور سلطان سلیم اول ۱۲۳
خلافت عثمانیہ اور مور[illegible]
خلافت عثمانیہ کا زوال ۱۳۱

۲- وزارت ۱۳۳

(ا) عہد رسالت، خلافتِ راشدہ اور دور بنی اُمیہ میں۔ ۱۳۳
(ب) وزارت، عباسیہ کے دور عروج میں ۱۳۴
ابو ایوب موریانی ۱۳۷
ربیع بن یونس ۱۳۷
یحییٰ بن خالد برمکی ۱۳۸
جعفر بن یحییٰ برمکی ۱۳۸
وزارت کی قسمیں ۱۴۰
تنفیذ (شاہی پیشکاری) ۱۴۰
تفویض (وزارتِ عظمیٰ) ۱۴۰
(ج) وزارت، عباسیہ کے دورِ زوال میں ۱۴۳
ابنِ خاقان ۱۴۳
علی بن عیسیٰ ۱۴۳
حامد بن عباس ۱۴۵
ابن مقلہ ۱۴۵
وزارت کے اقتدار کا خاتمہ ۱۴۶
وزارت سلجوقیوں کے عہد میں ۱۴۹
(د) وزارت مصر میں ۱۵۲
[illegible] ۱۵۲
یعقوب بن کلس ۱۵۴
وزارت [illegible] اور مستنصر کے عہد ۱۵۶
میں افضل بن بدر جمالی ۱۵۷
وزارت، مملوکوں کے عہد میں ۱۵۹
وزراء کی تنخواہیں ۱۶۰

۳- کتابت (محکمۂ امورِ خارجہ) ۱۶۱

کاتب (فارن سکریٹری) ۱۶۱
کتابت، خلافتِ راشدہ میں ۱۶۱
بنی اُمیہ اور بنی عباس کے عہد میں ۱۶۲
طولونیوں کے عہد میں ۱۶۳
فاطمیوں کے عہد میں ۱۶۴
مملوکوں کے عہد میں ۱۶۵

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

۴۔ حجابت

حجابت، خلافت راشدہ اور بنی امیہ میں	۱۶۷
عہد عباسیہ میں	۱۶۸
اندلس میں	۱۶۹
مصر میں	۱۷۰

باب ۲ دوم

نظام حکومت

نظم و نسق

[illegible]	
عہد رسالت کا نظام حکومت	۱۷۳
شہری نظام خلافت راشدہ [illegible]	
مسجد کی حیثیت	۱۷۸
گورنروں کے اختیارات و فرائض	۱۷۹
(ج) عہد بنی اُمیہ کا شہری نظام	۱۸۰
(د) عہد عباسیہ کا ملکی نظام	۱۸۲
(ہ) مصر کا نظام حکومت	۱۸۵
حضرت عمرو بن عاص سے خلافت فاطمیہ تک	۱۸۵
عہد فاطمیہ میں	۱۸۷
مملوکوں کے عہد میں	۱۸۹

۲۔ دفاتر

(ا) دفاتر، خلافتِ راشدہ میں	۱۹۲
(ب) دفاتر عہد بنی اُمیہ میں	۱۹۲
دیوان خاتم	۱۹۳
دیوانِ طراز	۱۹۴
دفتری زبان کی تبدیلی	۱۹۵
سکہ کی اصلاح	۱۹۶
(ج) دفاتر، عہد عباسیہ میں	۱۹۷

۳۔ فوج

جہاد اور اس کا مقصد	۲۰۰
(ا) فوج آنحضرت، خلافتِ راشدہ اور	۲۰۱
بنی اُمیہ کے زمانہ میں	۲۰۴
[illegible] عباس میں	۲۰۸
فوج کے اسلحہ	۲۰۹
فوج کی [illegible]	۲۱۱
(ج) مصر کی فوج عہد طولون اور اخشیدیہ میں	۲۱۴
عہد فاطمیہ	۲۱۵
ایوبیوں اور مملوکوں کا عہد	۲۱۶
فوج عثمانیوں کے عہد میں	۲۲۰

۴۔ بحری نظام

مسلمان اور بحری نظام	۲۲۱
بحری بیڑے کا اقتدار	۲۲۴
مصر کا بحری نظام	۲۲۵

۵۔ ڈاک کا نظام

	۲۲۹
عہد بنی اُمیہ میں ڈاک کا نظام	۲۲۹

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

عہد عباسیہ میں ڈاک کا نظام ۲۳۰
مصر میں ڈاک کا نظام ۲۳۲

۶۔ پولس کا نظام

خلافت راشدہ، بنی اُمیہ اور بنی عباس میں پولس ۲۳۴
مصر میں پولس کا نظام ۲۳۵

باب سوم

نظام مالیات

(ا) مسلمانوں کا نظام مالیات تاریخی نقطۂ نظر سے ۲۳۸
[illegible]
خراج ۲۳۸
دیوان خراج
نظام محاسبہ ۲۴۰
نظام جاگیرداری ۲۴۰
(ب) جزیہ ۲۴۲
(ج) زکوٰۃ ۲۴۴
(د) فئے ۲۴۵
(ہ) غنیمت ۲۴۵
عشر (۱/۱۰) یا چنگی ۲۴۶
عہد بنی اُمیہ ۲۴۶
عہد عباسیہ ۲۴۷
بنی اُمیہ اور بنی عباس کے دور میں ۲۴۸
بیت المال کے مصارف ۲۵۲
۲۔ مصر کا نظام مالیات عربوں کی تسخیر سے عہد طولون تک ۲۵۶
نظام مالیات طولون اور اخشیدیوں کے دور میں ۲۶۳
فاطمیوں کے عہد میں ۲۶۶
مملوکوں کے عہد میں ۲۷۰

باب چہارم

نظام عدالت

۲۷۵
۱۔ عدالت
[illegible] ۲۷۶
ب۔ عہد رسالت میں ۲۷۷
[illegible] راشدہ میں ۲۷۹
د۔ عہد بنی اُمیہ میں ۲۸۱
ھ۔ عباسیوں کے دور عروج میں ۲۸۲
ائمہ مذاہب کا دور ۲۸۴
و۔ عباسیوں کے دور انحطاط میں ۲۸۶
ز۔ نظام عدالت مصر میں ۲۸۷
۱۔ عربوں کی تسخیر سے عہد فاطمی تک ۲۸۷
۲۔ فاطمیوں اور ایوبیوں کا عہد ۲۹۳
۳۔ مملوکوں کے عہد میں قاضیوں ۲۹۶
کی تنخواہیں ۲۹۷
۲۔ عدالت عظمیٰ ۲۹۹
۳۔ عدالت احتساب ۳۰۱

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

باب پنجم

غلامی کا نظام	۳۰۳
۱۔ غلامی، یونانیوں، رومیوں اور یہودیوں میں	۳۰۴
غلامی عہد جاہلیت میں	۳۰۶
غلامی اسلام میں	۳۰۸
اسلام اور غلامی	۳۰۹
مکاتبت	۳۱۱
تدبیر	۳۱۲
غلاموں سے مسلمانوں کا برتاؤ	۳۱۳
موالی	۳۱۵
مصر اور غلام	۳۲۰
اسپین میں غلاموں کی حیثیت	۳۲۱
ماخذ	۳۲۲

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

دیباچہ

اسلام اور مسلمانوں کے نظامِ اجتماعی کے مختلف شعبوں پر مفید اور معیاری لٹریچر شائع کرنا ندوۃ المصنفین کے مقاصد میں ایک اہم مقصد ہے۔

اس مقصد کی بنیاد پر اب تک جو کتابیں اشاعت پذیر ہو چکی ہیں ان میں اسلام میں غلامی کی حقیقت، اسلام کا نظامِ حکومت اور اسلام کا اقتصادی نظام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں لیکن ان تینوں کتابوں میں جیسا کہ ان کے نام سے ظاہر ہے متعلقہ مسائل پر اسلام کا زاویۂ نظر واضح کیا گیا ہے۔ یہ براہِ راست اہلِ اسلام کے نظمِ حکمرانی کی عملی تاریخ پیش نہیں کرتیں۔ زیرِ نظر کتاب کا تعلق مسلمانوں کے نظامِ حکومت و سیاست کے عملی نقشوں سے ہے۔

[illegible] ظاہر ہے کہ [illegible] تاریخ کا نہایت ہی معرکہ خیز باب ہے۔ ضرورت تھی کہ ایسے وسیع اور اہم تر موضوع پر کوئی ایسی کتاب ترتیب دی جائے جو قالبِ وقت کی ضرورتوں اور تقاضوں کے مطابق ہو اور جسے اس دور کی تمام مہذب اور ترقی یافتہ مملکتوں کے نظامِ عمل اور طریقِ کار کے پہلو بہ پہلو بے تکلف رکھا جا سکے۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

مصر کے مشہور فاضل اور علومِ قدیم و جدید کے بالغ نظر عالم ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کو اس ضرورت کا بروقت احساس ہوا۔ آپ نے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور حق یہ ہے کہ تحقیق کا حق ادا کر دیا۔ موصوف کی تالیف "النظم الاسلامیہ" مصر سے شائع ہوئی اور اب ندوۃ المصنفین سے اس کا اُردو ایڈیشن نکل رہا ہے۔

مترجم کتاب مولوی علیم اللہ صاحب صدیقی فاضل دیوبند کی نظرِ انتخاب کی داد دینی چاہیئے کہ انہوں نے ایسی مفید، جامع، منضبط اور تحقیقی کتاب ترجمہ کے لئے منتخب کی، اور قابلیت و محنت سے اصل کی تمام خوبیوں اور خصوصیتوں کو قائم رکھنے کی کوشش کی۔

شکر ہے کہ اس مشکل وقت میں مہینوں کی جانکاہی کے بعد کتاب طباعت کے مرحلوں سے گزر کر قدردانوں تک پہنچ رہی ہے۔

آخر میں یہ ظاہر کر دینا بھی ضروری ہے کہ مشاغل کی کثرت نے اگرچہ مجھے پورے مسودے کے مطالعہ کا موقع نہیں دیا پھر بھی کوشش کی ہے کہ کوئی اہم باب نظر ڈالنے سے رہ نہ جائے۔

دورانِ مطالعہ میں کچھ ایسا محسوس ہُوا کہ بعض حقائق کی تعبیر میں فاضل مؤلف کا قلم احتیاط کی حدود سے قدرے متجاوز ہو گیا ہے اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ وُہ ہمارے اس دینی اور فقہی ماحول کے اندازِ تعبیر کے پابند نہیں ہو سکتے تھے جس کے دائرے میں بیان و تعبیر کی تقدیس کو نہ صرف خاص اہمیت دی جاتی ہے بلکہ اس کی زبردست نگرانی بھی کی جاتی ہے۔

طرزِ تعبیر کی ان خفیف لغزشوں کو نظر انداز کر دینے کے بعد پورے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کے آئینِ جہاں بانی کے تمام ضروری شعبوں سے متعلق اس قدر صاف، روشن، حقائق بہ داماں اور جامع کتاب ہمارے لٹریچر میں موجود نہ تھی اور اس میں شبہ کی مطلق گنجائش نہیں رہ گئی [illegible] ہے۔

UNREGISTERED VERSION

عتیق الرحمٰن عثمانی

www.avs4you.com

ناظم ندوۃ المصنفین

۷، رمضان المبارک ۶۶ھ مطابق ۲۶، جولائی ۴۷ء

*****

طبع دوم

"مسلمانوں کا نظم مملکت" پہلی دفعہ اگست ۱۹۴۷ء کے آخر میں ایسے وقت میں طبع ہوئی تھی کہ دہلی اور اُس کی تہذیب ۴۷ء کے انقلاب خونیں کے لپیٹ میں آچکی تھی اور اس طوفان میں، "ندوۃ المصنّفین" کی بساط بھی اُلٹ گئی تھی، بربادی کے بعد جب ادارے کا دفتر قرول باغ کے بجائے جامع مسجد میں قائم کیا گیا تو اس کے وجود اور نشاۃ ثانیہ میں جن چیزوں سے مدد ملی۔ اُن میں اس کتاب کا اسٹاک بھی تھا، کیونکہ حُسنِ اتفاق سے اس وقت تک کتاب پریس ہی میں تھی ورنہ لاکھوں روپے کے ذخیرے کے ساتھ اس کی تمام کاپیوں کی تباہی بھی یقینی تھی۔

گیارہ سال کے بعد اب اس کا دوسرا ایڈیشن پیش کیا جا رہا ہے۔ جس میں دوسری چیزوں [illegible]

UNREGISTERED VERSION

[illegible] بعض نہایت شدید قسم کی غلطیاں رہ گئی تھیں، اس ایڈیشن کی کتابت ہمارے ہیڈ کاتب اور مشہور خطاط

www.avs4you.com

جناب منشی عبدالقیوم خان صاحب نے کی ہے۔ انہوں نے کتابت کی خوشنمائی کے اہتمام کیساتھ ان فاحش اغلاط کی نشاندہی کا بھی اہتمام کیا اور اس طرح کتاب بہت سی غلطیوں سے پاک ہو گئی۔

"نظم مملکت" اپنی اہمیت و ضرورت اور ترتیب وغیرہ کی دل پذیری کے لحاظ سے اس لائق ہے کہ اس کی اشاعت زیادہ سے زیادہ ہو، مگر بحالتِ موجودہ اس کی توقع نہیں، تاہم ایک وضع ہے جس کو آخر وقت تک نباہنے کی کوشش کی جائے گی۔

عتیق الرحمٰن

۳۰ر جولائی ۱۹۵۸ء

ترجمہ کے متعلق چند ضروری باتیں

۱۔ ترجمہ کے وقت بنیادی خیال یہ رہا کہ ایک زبان دوسری زبان سے بنی نہیں ہے، اس لئے لفظ کی جگہ لفظ رکھ دینے سے صحیح مفہوم کا ادا ہونا ضروری نہیں ہے۔

۲۔ ترجمہ کی جگہ اسے تالیف کہنا زیادہ صحیح ہوگا۔ نظرثانی کے وقت میرے پیش نظر مصنف کی دوسری کتاب "تاریخ الاسلام السیاسی" (قاہرہ ۱۹۳۵ء)، علامہ احمد امین کی "فجر الاسلام" اور "ضحی الاسلام" اور سید امیر علی صاحب کی "اسپرٹ آف اسلام" اور "اے شارٹ ہسٹری آف دی سیراسنز" رہی ہیں اور میں نے ترجمہ میں ترمیم و اضافہ کیا ہے اسی لئے [illegible] متعدد جگہ عبارتیں اصل سے مختلف دکھائی دیں گی۔

۳۔ مکرر اور غیر ضروری [illegible] کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ جہاں جہاں ایسا کیا گیا، وہاں ایسا کرنا ضروری تھا۔

۴۔ بعض جگہ مصنف نے مصر کو اتنا نمایاں کر دیا ہے کہ پورے باب میں اعتدال قائم نہ رہا، مثلاً نظام مالیات کا باب، میں نے وہاں مصر کے جزوی اور مقامی حالات کو حذف کر دیا ہے۔ ان واقعات سے اُردو داں طبقہ کو کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی۔ دوسری طرف اس کی وجہ سے پورے باب میں ایک توازن قائم ہو گیا، ایسا بہت کم کرنا پڑا کیونکہ مصنف نے توازن کا خیال رکھا ہے۔

۵۔ مقدمہ مصنف کا ترجمہ پوری کتاب کا ترجمہ کرنے کے بعد کیا ہے، پوری کتاب کا خاکہ میرے ذہن میں تھا، اسی کے ماتحت اس میں ترمیم کر دی ہے۔ آخری پیراگراف کی ترتیب بھی بدلی ہُوئی ہے، بحری نظام کے بارے میں جو عبارت تھی اُسے مقدمہ سے حذف کر دیا گیا۔ ایک تو وُہ مقدمہ میں بے محل نظر آئی دوسرے اردو میں "عربوں کی جہانبانی" وغیرہ کے بعد اس کی اہمیت اتنی نہیں تھی کہ اُسے نمایاں کیا جائے۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

۶۔ اصل کتاب میں جو تاریخی خامیاں تھیں، انہیں نہایت تحقیق کے بعد درست کر دیا گیا ہے۔

کتاب میں جو کچھ بھی تصرف کیا گیا ہے وُہ اُردو داں طبقہ کے ذوق اور ماحول کے اختلاف کی بنا پر کیا گیا ہے، اس جسارت کی میں نے مصنّف سے معذرت کر دی ہے۔

علیم اللہ صدیقی (شاہجہانپوری)

جامعہ ملیہ۔ جامعہ نگر
نئی دھلی

۶ر فروری ۴۲ء

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

مقدمہ

مسلمانوں کا نظم مملکت تاریخ کا ایک نہایت اہم موضوع ہے، لیکن بد قسمتی سے ابھی تک اس پر بہت کم بحث کی گئی ہے۔ متقدمین میں اس موضوع پر سب سے پہلے ابو الحسن علی ماوردی (متوفی ۴۵۰ھ ۱۰۵۸ء) نے قلم اٹھایا اور "الاحکام السلطانیہ" تصنیف کی، اس [illegible] پر [illegible] ہیں

UNREGISTERED VERSION

ان میں ابن طباطبا کی تالیف "الفخری فی الآداب السلطانیہ" کو خاص امتیاز حاصل ہے۔ یہ ۷۰۱ھ کی تصنیف ہے۔ اس موضوع پر ابن خلدون (متوفی ۸۰۸ھ ۱۴۰۶ء) نے بھی بحث کی ہے، مگر ان کا طرز بیان بعض جگہ نہایت الجھا ہوا ہوتا ہے۔ بعض مؤرخین اور فقہا نے اس موضوع کے کسی ایک پہلو پر روشنی ڈالی ہے۔ مثلاً ابو عمر کندی (م ۳۵۰ھ ۹۶۱ء) اور ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ، ۱۴۴۹ء) نے صرف قضاۃ کے متعلق کتابیں لکھی ہیں اور جہشیاری (م ۳۳۱ھ) ہلال صابی (م ۴۴۸ھ، ۱۰۵۶ء) اور ابن منجب صیرفی (م ۵۴۲ھ ۱۱۴۷ء) نے وزراء کے بارے میں، اور امام ابو یوسفؒ (م ۱۹۲ھ) ابن سلام (م ۲۲۴ھ) اور قدامہ بن جعفر (م ۳۳۷ھ) نے مالیات کے نظام پر بحث کی ہے۔

www.avs4you.com

عہد جدید کے ارباب قلم میں سر ولیم میور (م ۱۹۰۵ء) سر ٹامس آرنلڈ (م ۱۹۳۰ء) اور ڈاکٹر عبد الرزاق احمد سنہوری بک نے "خلافت" پر نہایت تفصیل سے روشنی ڈالی ہے نظم مملکت سے مراد ہے سیاسی، ملکی، مالی اور عدالتی نظام۔ یوں تو حج، نماز، روزہ وغیرہ کو بھی ایک نظام کی حیثیت حاصل ہے۔ مگر یہ مسائل تاریخ سے زیادہ دینیات سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔ قدیم اجتماعی زندگی میں غلامی کا

نظام ایک نمایاں حیثیت رکھتا تھا، یونانیوں، رومیوں اور یہودیوں میں صدیوں سے غلامی رائج تھی۔ اسلامی معاشرے میں بھی اس کا دخل کچھ کم نہ تھا۔ اس لئے ایک مستقل باب غلامی کے عنوان سے قائم کیا گیا ہے۔

سیاسی نظام میں ہم نے سب سے پہلے خلافت کا ابتدا سے لے کر عثمانیوں کے زمانہ تک جائزہ لیا ہے۔ اس کا شروع ہو کر عروج پر پہنچنا اور پھر مائل بہ زوال ہونا، بغداد میں تاتاریوں کے ہاتھ سے ۶۵۶ھ ۱۲۵۸ء ختم ہو جانا۔ مصر میں مملوکوں کے عہد میں دوبارہ قائم ہونا اور پھر وہاں سے عثمانیوں کی طرف منتقل ہونا۔ ان سب امور پر تفصیلی نظر ڈالی ہے اس کے بعد وزارت، کتابت (وزارت خارجہ) اور حجابت کی نشوونما کے مختلف دور دکھائے گئے ہیں، یعنی عہد رسالت اور خلافتِ راشدہ سے لے کر اُمویوں، عباسیوں، فاطمیوں اور [illegible]

UNREGISTERED VERSION

دوسرے باب میں نظام حکومت کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ابتدا میں گورنروں کے اختیارات و فرائض [illegible] بیان کی گئی ہے اس ضمن میں بلادِ شام بلادِ فارس (۷۸ھ) اور مصر (۸۷ھ) میں عربی کو دفتری زبان قرار دینے سے جو سیاسی اور تہذیبی اثر پڑا تھا اس پر بھی سرسری نظر ڈالی ہے۔ اس کے بعد عہد رسالت، خلافتِ راشدہ، دورِ بنی اُمیہ اور عہد عباسیہ کے فوجی نظام پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ ضمناً مسلمانوں کے اسلحہ جنگ، فوجی قیادت اور طریقۂ جنگ وغیرہ کا ذکر آگیا ہے۔ پھر خاص طور سے عہد طولون، اخشیدیہ، فاطمیہ، ایوبیہ اور مملوکوں کے زمانہ کے فوجی نظام پر بحث ہے۔ اس باب میں نہایت تفصیل کے ساتھ مسلمانوں کے اس عظیم الشان بحری بیڑے کی عہد بعہد ترقی کا جائزہ لیا گیا ہے جس نے مسیحی مملکتوں کے لئے نمونے کا کام دیا تھا (آج بھی جنوبی یورپ میں کثرت سے عربوں کی بحری اصطلاحات مستعمل ہیں) اس کے بعد مصر کے جہاز سازی کے کارخانوں پر ایک اجمالی نظر ڈالی گئی، جہاں مشرقی دولت روما سے مقابلہ کرنے کے لئے جہاز تیار ہوتے تھے، طولون نے اپنے زمانہ میں جزیرہ روضہ میں جہاز سازی کا ایک بہت بڑا کارخانہ قائم کیا تھا۔ اخشیدیہ کے مؤسس محمد بن طغج نے اس کو اور ترقی دی، فاطمی خلیفہ

www.avs4you.com

معز الدین نے مقس میں جہاز سازی کے ایک عظیم الشان کارخانہ کی بنیاد رکھی تھی، جہاں چھ سے جہاز تیار کئے گئے تھے ایوبیوں اور مملوکوں نے بھی اپنے پیشرو حکمرانوں کی جانشینی کا حق ادا کر دیا اور بحری بیڑے کو ترقی دینے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا، اس وقت مصر کا بحری بیڑا اپنی حریف عیسائی حکومتوں کے بیڑوں سے کسی حیثیت سے کم نہ تھا، آخر میں ڈاک اور پولس کے نظام پر تفصیل سے نظر ڈالی گئی ہے۔

تیسرے باب میں مالیات کے نظام سے بحث ہے اور نہایت وضاحت کے ساتھ ذرائع آمدنی اور مصارف پر روشنی ڈالی گئی۔ ذرائع آمدنی میں، زمین کے لگان، جزیہ، زکوٰۃ، فے[1]، مالِ غنیمت اور عُشر (ابلہ) یا چنگی کی آمدنی کا خاص طور سے ذکر کیا گیا ہے، اس ضمن میں دیوانِ خراج، محکمۂ احتساب، نظام جاگیرداری وغیرہ پر بھی ایک جامع تبصرہ کیا ہے۔ بنی اُمیہ اور بنی عباس کا ذکر ایک مستقل عنوان کے تحت میں ہے۔ ابتدا میں ان [illegible] مصارف کا جائزہ لیا گیا ہے اور عہدہ داروں اور فوجیوں کی تنخواہوں، علماء و ادبا کے وظائف، فوج اور بیڑے کے اخراجات، ذرائع آبپاشی کے مصارف اور قیدیوں کے خورد و نوش وغیرہ کے مصارف پر اجمالاً اور آخر میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ مصر کے مالیات پر بحث کی گئی ہے پہلے حضرت عمرو بن عاصؓ کے زمانہ سے عہد طولون کے آغاز تک، پھر طولون کے عہد سے اخشیدیوں، فاطمیوں اور مملوکوں کے عہد تک۔ ایک نقشہ باب کے خاتمہ پر دے دیا ہے جس میں مختلف اسلامی عہدوں کے خراج کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

چوتھے باب میں عدالت کے نظام کا ذکر ہے، اور دورِ جاہلیت، عہد رسالت، خلافت راشدہ، عہد بنی اُمیہ، عباسیہ کے عہد عروج (جس میں صدہا مذاہب نے جنم لیا) اور دورِ زوال کے عدالتی نظام پر تاریخ کی روشنی میں نظر ڈالی گئی۔ مصر کے عدالتی نظام کا ایک جداگانہ فصل میں ذکر کیا گیا ہے اور اس میں فتح اسلامی سے لے کر فاطمیوں، ایوبیوں اور مملوکوں کے زمانہ تک کسی قدر تفصیل سے نگاہ ڈالی ہے۔ اس باب میں

[1] وہ مال جو دشمن چھوڑ کر بھاگ گیا۔ (غنیمت)

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

عدالت عظمیٰ (Supreme Court.) اور عدالت احتساب (Court of Inquisition) کا بھی مجمل طور پر ذکر آگیا ہے۔

پانچویں باب میں غلامی پر ایک جامع تبصرہ ہے۔ ابتدا میں یونانیوں، رومیوں یہودیوں اور عربوں کے نظام غلامی کا اجمالی خاکہ پیش کیا ہے۔ اس کے بعد "اسلام میں غلامی کی حقیقت" بیان کی گئی ہے۔ یہ منزل قرآن و حدیث اور تاریخ کے سایہ میں طے کی گئی اور نہایت وضاحت سے بیان کیا گیا کہ اسلام میں غلاموں کی حیثیت صرف جنگی قیدیوں کی تھی، ان سے عدل و انصاف اور شفقت و محبت کا سلوک کیا جاتا تھا اُن میں اور آقاؤں میں کھانے پینے اور تعلیم و تہذیب میں مساوات قائم کی گئی اور کوئی امتیاز روا نہ رکھا گیا۔ ضمناً غلامی کے اسباب، اس کی قسموں، آزاد کرنے کے طریقوں اور موالیوں پر بھی ایک سرسری نگاہ ڈالی ہے۔ آخر میں اس سلوک کا ذکر ہے جو آنحضرتؐ خلفائے راشدین، خلفائے بنی امیہ اور خلفائے بنی عباس [illegible] اور بلادِ اندلس کی غلامی کے مختصر [illegible] ختم کر دیا ہے۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

سیاسی واقعات کی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج تھی اس لئے ہم نے انہیں چھوڑ دیا اور صرف مختلف فرمانرواؤں کے نام اور تخت نشینی کے سنہ دے دینا کافی سمجھا۔ تاہم کتاب کی ترتیب میں اس کا خیال ضرور رکھا گیا ہے کہ پڑھنے والا آں حضرتؐ کے زمانہ سے خلافتِ عثمانیہ کے زوال سنہ ۱۹۲۴ء تک اسلام کی پوری سیاسی تاریخ سے اجمالی طور پر واقف ہو جائے۔ مصر کی سیاسی تاریخ کا حضرت عمرو بن عاص کے زمانہ (سنہ ۲۰ھ، سنہ ۶۴۲ء) سے سلطان سلیم اوّل کی تسخیر (سنہ ۱۵۱۷ء) تک ذرا تفصیل سے جائزہ لیا گیا ہے۔ جو لوگ اس موضوع کا وسیع پیمانہ پر مطالعہ کرنا چاہیں ان کی آسانی کے لئے عربی۔ انگریزی، جرمنی اور فرانسیسی ماخذوں کا جابجا ذکر کر دیا گیا ہے۔ آخر میں ان کی فہرست بھی دے دی گئی ہے۔

اس کتاب نے تاریخ اسلام کے ایک نہایت اہم پہلو پر روشنی ڈالی

ہے ، اس کا مطالعہ ریسرچ سکالروں اور اونچے درجوں کے طلبہ کے لئے ناگزیر ہے
اُمید ہے اس کی قدر کی جائے گی ۔

حسن ابراہیم حسن   علی ابراہیم حسن

قاہرہ - ۲۸ دسمبر سنہ ۱۹۳۹ء

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

بابِ اوّل

سیاسی نظام

(١) خلافت

UNREGISTERED VERSION

(٢) وزارت

www.avs4you.com

(٣) کتابت

(٤) حجابت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خلافت کی ابتدا

آنحضرت کی حکومت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (ف ۱۱ھ، ۶۳۲ء) کی حکومت دینی حکومت تھی، صحابہ کا اعتقاد تھا کہ آپ کی حکومت کا محور "وحی خداوندی" ہے، خدا حضرت جبریل کے واسطہ سے احکام بھیجتا ہے۔ آپ انہیں کو عمل میں لاتے ہیں، اس حکومت کی بنیاد خاندانی عصبیت اور نسلی شعور کی جگہ دینی وحدت پر قائم تھی۔ عربوں کی شیرازہ بندی میں اسکا بہت بڑا دخل تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کا صحابہؓ کے دل و دماغ پر اتنا اثر تھا کہ بہتوں کو آپؐ کی وفات کا [illegible] اس خیال سے سراسیمہ نظر آتا تھا کہ خدا کی حکومت کی جگہ اب انسانوں کی فرمانروائی ہوگی اور قریش یا کوئی اور دوسرا خاندان نفسانی رجحانات کے زیر اثر امت پر حکومت کرے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جانشینی کا سوال ایک سیاسی ہنگامہ کی شکل میں اٹھا۔ بات یہ تھی کہ آنحضرتؐ نے اس کا فیصلہ اپنی زندگی میں نہیں کیا تھا اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ آپؐ عربوں کے نظام جمہوری کو بہت پسند کرتے تھے، صحابہؓ اس سے واقف تھے، اس لئے آپؐ کو اعتماد تھا کہ مسلمان جمہوری طریقہ، انتخاب سے ایک شخص کو اپنا حاکم بنالیں گے آپؐ کے بعد یہ مسئلہ اٹھا اور صحابہؓ کے اندر شدید اختلاف پیدا ہوگیا۔ اس نازک وقت میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ بن جراحؓ وغیرہ نے اپنی غیر معمولی فہم و فراست سے یہ ہنگامہ فرو کیا اور جانشینی کے لئے حضرت ابوبکرؓ کا انتخاب عمل میں آیا۔ یہ خلافت کی ابتدا تھی۔

خلافت کا مفہوم خلافت کے لغوی معنی (جانشینی) اور اس کا اصطلاحی مفہوم "آنحضرتؐ کے جانشین کی حیثیت سے مطلق دینی اور دنیاوی امور میں فرماں روائی کا حق" تھا۔ خلیفہ کی شخصیت شرعی نقطۂ نظر سے دینی اور دنیاوی معاملات میں فرمانروائی کی حامل تھی یہ فرمانروائی شریعت کے دستور

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

اور قوانین کی پابند تھی۔ خلافت کا حقیقی مقصد ناموسِ اسلام کا تحفّظ اور شرعی زاویۂ نگاہ سے حکومت کے نظم و نسق کی تنظیم اور اس کا قیام تھا۔[۵]

اسلامی معاشرہ یا ہیئتِ اجتماعی میں خلیفہ آنحضرتؐ کا جانشین خیال کیا جاتا تھا اور اُسے مطلق سیاسی اور مذہبی اختیارات حاصل تھے، خلیفہ کا فرض تھا کہ وُہ اسلامی قوانین کا تحفّظ اور اُن کا نفاذ کرے، عام فلاح و بہبود کی ذمہ داریاں اُٹھانا بھی اُسی کا منصبی فرض تھا، وہ مسلمانوں کا مذہبی اور سیاسی مرکز تھا، اس لحاظ سے اس کی حیثیت قرونِ وسطیٰ کے پاپائے روم سے مختلف تھی۔ سر ٹامس آرنلڈ نے قرونِ وسطیٰ میں مشرق کے خلافت کے نظامِ حکومت اور مغرب کے کلیسائی نظامِ حکومت پر ان الفاظ میں تبصرہ کیا ہے:۔

"یہ دونوں نظام مذہبی اثر اور قوت کی بنیاد پر قائم تھے، اسلام اور عیسائیت دونوں عالمگیر مذہب تھے اور اپنا اپنا دائرہ عمل وسیع کرنے کی فکر میں ہمیشہ رہتے تھے۔ ان دونوں میں فرق یہ [illegible] بڑی دلیل یہ ہے کہ شہنشاہ شارلی مان (۷۶۸ء – ۸۱۴ء) کے القاب بت پرستانہ عقائد کے آئینہ دار تھے۔ دوسرے یورپ میں دو فرمانروا تھے، ایک سیاسی جسے شہنشاہ کہتے تھے دوسرا مذہبی یا روحانی جسے پاپا سے خطاب کیا جاتا تھا۔ لیکن خلافت کی بنیاد کسی پچھلے سیاسی نظام پر قائم نہیں تھی بلکہ وہ ایک جدید نظام تھا جس کی تعمیر اور تکوین زمانہ کے احتیاجات اور اس سیاسی ماحول کی بنیاد پر ہوئی تھی جو ظہورِ اسلام کے بعد عربوں کے بلادِ فارس اور مشرقی سلطنت روما کے ایک بڑے حصّہ پر تسلّط قائم کرلینے کی وجہ سے پیدا ہُوا تھا۔ خلیفہ کے سیاسی فرماں روا ہونے کا مفہوم یہ تھا کہ وُہ مذہبی اور سیاسی دونوں قسم کے اختیارات کا حامل ہے مذہبی حیثیت سے اس کی حکومت کا حقیقی مقصد صرف دین کا تحفّظ تھا۔ حامیٔ دین کی حیثیت سے وُہ جنگ کرتا تھا، مذہب کو صدمہ پہنچانے والے افراد کو سزائیں دیتا تھا۔ نماز میں امامت اور جمعہ میں خطبہ دینا بھی اس کا ایک منصبی فرض تھا، لیکن پاپا صرف ایک راہبِ اعظم کی حیثیت رکھتا تھا جو صرف گنہگاروں کے قصور معاف کرسکتا اور مذہبی معاملات میں

---

[۵] مقدمہ ابن خلدون ص ۱۶۶

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

اُسے آخری فیصلہ کرنے کا حق حاصل تھا"۔ ؎۱

خلیفہ کے القاب حضرت ابوبکرؓ عالم اسلامی کے نظم ونسق اور آئینِ اسلام کے قیام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام تھے، اس لئے آپ کا لقب "خلیفہ رسول اللہ" تھا۔ حضرت عمرؓ کا لقب کچھ عرصہ تو خلیفہ خلیفہ رسول اللہ" رہا، اس کے بعد اس لفظ کے ترکیبی ثقل کی وجہ سے "امیرالمومنین" کا لقب اختیار کیا گیا۔ یہ لقب اس پر بھی ہلکی سی روشنی ڈالتا ہے کہ مسلمانوں نے حکومت کا دائرہ وسیع کرنے کا عزم کر لیا تھا اور حضرت عمرؓ اُن کے قائد تھے کیونکہ "امیر" عہد جاہلیت میں فوج کے سردار کو کہا جاتا تھا۔ اسلام میں حضرت عمرؓ پہلے شخص تھے جنہوں نے یہ لقب اختیار کیا تھا سچ پوچھیے تو حضرت عمرؓ ہی کی روحانی قیادت، فتوحاتِ اسلامیہ میں کارفرما تھی۔ اس لفظ کے مفہوم میں جنگی اور انتظامی قیادت داخل ہے، آپ اس کے صحیح مصداق تھے۔ خلیفہ کو "امام" اس [illegible] کا فرض انجام دیتا تھا

UNREGISTERED VERSION

جو مسلمانوں میں دینی مرکزیت پیدا کرنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔

www.avs4you.com

شیعہ اپنے [illegible] علیؓ کے گھرانے سے تھے جسے وہ خلافت کا سب سے زیادہ مستحق خیال کرتے تھے۔ ان کے اعتقاد میں اس خاندان کے افراد کو خدا کی طرف سے ایک خاص روحانی بصیرت حاصل ہوتی ہے جو ایک امام یا امیر کے لئے ناگزیر ہے۔ مہدی کے عقیدہ میں اسی عقیدت کا دخل ہے۔ قرآن ؎۳ میں یہ لفظ 'پیشوا، رہنما اور سردار' کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

آنحضرت نماز میں مسلمانوں کے پیشوا کی حیثیت سے امامت کرتے تھے آپ نے اپنے مرضِ وفات میں حضرت ابوبکرؓ کو نماز کی امامت کے لئے مامور فرمایا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کے استحقاقِ خلافت کی سنیوں کے نزدیک یہ بہت بڑی دلیل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء راشدین امامت کا فرض انجام دیتے تھے۔ اس دور میں یہ حکومت کی شان کا مظاہرہ خیال کیا جاتا تھا۔ عالم اسلامی میں گورنروں کا فرض تھا کہ وہ امامت کریں۔

؎۱ Sir Thamas Arnald the Caliphate. P.B. 9-18.

؎۲ Sir Thomus Arnald. Caliphate, P.P. 29. 33

؎۳ سورہ انبیاء ۲۱: ۷۳،

اسلام کے دورِ اوّل میں خلیفہ کے تین لقب تھے۔ خلیفہ، امیر المومنین اور امام۔ سر ٹامس آرنلڈ ان القاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

فقہاء نے خلیفہ کے ان القاب پر تفصیلی بحث کی ہے مگر ان کی توجیہات غیر تسلی بخش ہیں امام کے جو معنی اُنہوں نے بیان کئے ہیں اس سے ان کا مقصد ثابت نہیں ہوتا ہے۔ لفظ "خلیفہ" قرآن[1] میں اس اصطلاحی معنی میں مستعمل نہیں ہوا ہے، جو اسلام میں خلیفہ کے لئے جاتے ہیں۔ فقہاء نے اپنی بحث کی بنیاد انہیں آیات پر رکھی ہے، جس طرح عیسائیوں کے دونوں گروہوں کلیسائی اور رومی شاہنشاہیت کے حامیوں نے اپنے اغراض اور نظریوں کے ماتحت انجیل سے سند ڈھونڈی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ لفظ خلیفہ قرآن کے اندر جس مفہوم میں آیا ہے وہ خلافت کے اس سیاسی نظام پر کسی طرح صادق نہیں آتا ہے جو عالم اسلام میں رائج تھا۔[2]

UNREGISTERED VERSION

قرآن اور نظامِ حکومت

قرآن نے کوئی ایسا دستورِ حکومت متعین نہیں کیا تھا، جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ [illegible] www.avs4you.com ۔ یہ صحیح ہے کہ بعض آیات اربابِ حکومت کی اطاعت پر آمادہ کرتی ہیں۔ مثلاً:

"اللہ کی اطاعت کرو، اللہ کے رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی اطاعت کرو جو تم میں صاحبِ حکم و اختیار ہوں۔"[3]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلفائے راشدین کا دور آیا، اس عہد میں فرمانروا کا انتخاب شوریٰ کے ذریعہ کیا جاتا تھا لیکن بنی اُمیہ اور بنی عباس کے عہدِ خلافت میں یہ جمہوری طریقہ خود سر اور موروثی حکومت کی شکل میں تبدیل ہو گیا، اس زمانہ میں شوریٰ کا وجود ختم ہو گیا اور انتخاب صرف نام کو رہ گیا۔ فقہائے نے اس بادشاہی نظامِ حکومت کے جواز کو ثابت کرنے کے لئے اس قسم کی احادیث سے استدلال کی کوشش کی ہے "خلافت میرے بعد چالیس سال تک رہے گی۔ پھر جبر و استبداد کی حکومت ہو جائے گی۔" سر ٹامس آرنلڈ کا خیال ہے کہ اس قسم کی،

---

۱ سورہ بقرہ آیت ۳۰، سورہ انعام آیت ۱۶۵، سورہ ص آیت ۲۶

۲ The Caliphate. P.P. 42. ۳ سورہ نساء آیت ۵۹

بہت سی احادیث اس نظام استبدادی کی صحت کو ذہن نشین کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط منسوب کر دی گئی ہیں اور فقہائے اسلام اس نظریہ کی تائید میں کہ آئمہ قریش سے ہوں گے، اس حدیث سے استناد کرتے ہیں۔

خلیفہ کی صفات؟ خلیفہ کے لئے علم، عدالت، کفایت اور ان اعضاء اور حواس کی صحت و سلامتی ضروری خیال کی جاتی، جن کا اثر رائے و عمل پر پڑتا ہو۔ خلیفہ میں کم سے کم اتنی علمی استعداد لازمی خیال کی جاتی تھی کہ وہ نئے نئے مسائل کا اپنی اجتہادی قابلیت سے فیصلہ کر سکے۔ عدالت سے مراد بلند سیرت (Noble Character) اور معاصی سے اجتناب ہے۔ کفایت کا مفہوم یہ ہے کہ آئین اور حدودِ اسلام کے نفاذ کرنے کی قوت رکھتا ہو۔ فوجی بصیرت ہو، وقت پر جہاد کا جوش و ولولہ پیدا کر سکے، مدبر اور صاحبِ فہم و درایت ہو۔[1]

انتخاب خلیفہ مختلف فرقوں کے زاویہ نظر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مدینہ میں مسلمانوں کی [illegible] مختلف جماعتوں کے اندر جانشینی کے [illegible] پیدا ہوا [illegible] ذیل میں اس پر ایک [illegible] اجمالی نظر [illegible] گی۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

۱۔ **مہاجرین و انصار** مہاجرین کا خیال تھا کہ خلافت کا منصب قریش کو سونپ دینا چاہیئے دلیل یہ تھی کہ وہ عرب کا شریف ترین قبیلہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی سے نسلی تعلق رکھتے تھے، دوسرے اثر و رسوخ کے اعتبار سے بھی کوئی دوسرا قبیلہ اس کا ہمسر نہیں ہے اس لئے تمام جزیرہ عرب کا قریش کی حکومت کو تسلیم کر لینا آسان ہے، اس کے برعکس اگر کسی اور قبیلہ کا فرد خلیفہ منتخب ہوگا تو مختلف قبائل میں باہمی رشک و حسد کی وجہ سے رقیبانہ کشمکش شروع ہو جائے گی اور اندرونی فتنہ اٹھ کھڑا ہوگا۔ ان حضرات کی نظر ان مہاجرین پر پڑ رہی تھی جو آنحضرتؐ پر سب سے پہلے ایمان لائے تھے اور مشرکین مکہ کی روح فرسا اذیتوں پر صبر و ضبط سے کام لیا تھا۔

انصار کا گروہ مہاجرین سے زیادہ اپنے آپ کو اس منصب کا مستحق سمجھتا تھا۔ دلیل یہ تھی کہ انصار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین کو مدینہ میں پناہ دی۔ انکی پشت پناہی کی اور مشرکین کے مقابلہ میں اُن کی طرف سے سینہ سپر ہو کر جانیں لڑائیں۔[2] یہ انصار خلافت کو کسی ایک خاندان کیساتھ مخصوص خیال نہیں کرتے تھے بلکہ اس کا دائرہ ہر خاندان تک وسیع سمجھتے تھے۔

---

[1] الاحکام السلطانیہ (ماوردی) ص ۱۴ مقدمہ ابن خلدون ص ۱۵۲ - [2] مقدمہ ابن خلدون ص ۱۷۰

مہاجرین و انصار میں اس وقت سخت اختلاف تھا، ہر طبقہ اپنے استحقاقِ خلافت کی دلیلیں پیش کرتا تھا، مہاجرین کہتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "امام قریش سے ہونگے" اور فرمایا "ہم تمہیں (مہاجرین) اپنے محسنوں (انصار) کے ساتھ نیک سلوک کی وصیت کرتے ہیں تمہیں چاہیئے کہ ان کی کوتاہیوں سے درگذر کرو"، مہاجرین کہتے تھے اگر خلافت تم میں چلی گئی تو اس وصیت کے کوئی معنی ہی نہیں ہیں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا "حکومت کا منصب قریش میں، عدالت کا محکمہ انصار میں اور اذان کا اعزاز حبشہ میں ہو گا" ایک بار ارشاد فرمایا تھا "امام قریش سے ہوں گے، جب تک وہ عدل کے ساتھ حکومت کریں گے، وعدہ وفائی کریں گے، رحم و شفقت کرینگے"[۱] مہاجرین نے یہ تمام احادیث تو پیش کر دیں مگر قرآن سے کوئی ثبوت پیش نہ کر سکے، جس سے یہ ظاہر ہو کہ خلافت کسی خاص قبیلہ یا طبقہ تک محدود ہے برعکس اس کے قرآن نے فیصلہ کر دیا تھا "خدا کے نزدیک سب سے زیادہ قابلِ عزت وُہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو"[۲]

UNREGISTERED VERSION

۲- [illegible] ہے، یہ اہل بیت کے حامی تھے اور ان کا مخلصانہ خیال تھا کہ خلافت کا حلق اہلبیت تک، اور وُہ بھی صرف حضرت علی

www.avs4you.com

کی اولاد میں محدود رہنا چاہیئے، اُن کے ہاں خلیفہ کے انتخاب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، اُن کے زاویہ نگاہ سے خلافت کا صحیح استحقاق صرف حضرت علیؓ کو حاصل تھا اور پھر ان کے بعد ان کے خاندان میں اس کو منتقل ہونا چاہیئے تھا۔ مزید براں وہ خلیفہ کے ساتھ مذہبی خصوصیات کا بھی اضافہ کرتے تھے چنانچہ اُن کا خیال تھا کہ علم شرعی کا مرکز اور امین صرف خلیفہ ہے، صرف وہی صحیح طور پر قرآن اور حدیث کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور قرآن اور حدیث کی تفسیر کرنا بھی صرف اُسی کا حق ہے، اسی لئے وہ خلیفہ کو امام کے لقب سے خطاب کرتے تھے اور اس کو اپنا مذہبی پیشوا سمجھتے تھے حضرت علیؓ کے معاملہ میں ان کا غلو حد سے زیادہ تجاوز کر گیا تھا، انہوں نے ان کو مقام الوہیت کا درجہ دے رکھا تھا۔ لیکن ابنِ خلدون شیعوں کے اس نظریہ سے "خلافت بھی دین کا ایک رکن ہے اور اس کے انتخاب کے لئے اُمت کا مشورہ ضروری نہیں ہے"، متفق نہیں ہے[۳]

خوارج کے نظریۂ خلافت "ہر طبقہ کا فرد خلافت کا مستحق ہے" سے بھی ابنِ خلدون کو اتفاق نہیں ہے، وہ خلافت اس قبیلہ کے لئے موزوں سمجھتے ہیں جس میں عصبیت ہو اور شیرازہ بندی کی۔

[۱] تاریخ الخلفاء السیوطی، ص ۶ [۲] سورہ حجرات آیت ۱۳ [۳] مقدمہ ابن خلدون۔ ص ۱۵۳ - ۱۵۴

صلاحیت رکھتا ہو، وہ اپنی دلیل میں یہ پیش کرتے ہیں "مسلمانوں کی نظر انتخاب قریش پر اس لئے پڑی تھی کہ ان میں عصبیت تھی اور وُہ تمام عرب پر اقتدار قائم رکھنے کی قابلیت رکھتے تھے، یہ بات کسی دوسرے قبیلہ کو حاصل نہ تھی، جزیرۂ عرب میں قریش کو سب سے زیادہ اثر و رسوخ حاصل تھا کسی قبیلہ کو ان کی سیادت سے انکار نہ تھا" ابن خلدون کا خیال ہے کہ خلافتِ راشدہ ہمارے سامنے سب سے اعلیٰ نمونہ ہے، اس دور میں اور صدہا تغیرات ہوئے مگر اس بنیادی نظریہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہُوئی اور صاحبِ عصبیت اور با اثر قبیلہ ہی کو خلافت کا مستحق خیال کیا جاتا تھا۔ اس میں کسی خاص قبیلہ کی کوئی تخصیص نہ تھی، اس کی وجہ اسلام کا آئینِ مساوات تھا۔ جس میں کسی فرد کو نسلی شرف کی وجہ سے ترجیح حاصل نہ تھی، خلافت کے لئے نسباً قریشی ہونے کی شرط پر ان الفاظ میں ابن خلدون اظہارِ خیال کرتے ہیں۔

[illegible] اگر [illegible] خلافت کے [illegible] لئے قریشی نسب کی شرط اور حکمت سے بحث کریں تو ہمارا دائرہ بحث [illegible] سطح میں طبقہ کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے [illegible] ہے اس شرف و افتخار سے انکار نہیں، مگر شرف و فخر کوئی مقصد تو نہیں ہے اسلئے ہمیں اس شرط کی کوئی دوسری حکمت تلاش کرنی پڑیگی۔ اگر ہم عمیق نظر سے دیکھیں تو اس کی وجہ اس کے سوا کوئی نہیں ہے کہ قریش عصبیت کے لحاظ سے ممتاز تھے اور ان میں مرکزیت قائم کرنے کی صلاحیت تھی، وہ اتنی طاقت رکھتے تھے کہ ظالم سے مظلوم کا حق دلا سکیں، اس زمانہ میں صاحب عصبیت قبیلہ کا خلیفہ آسانی سے لوگوں کی شیرازہ بندی کر سکتا تھا اور اندرونی فتنہ و فساد اور اختلافات دبا دینے میں اُسے کوئی دشواری نہیں تھی، شہریوں کو اس کے زیرِ حکومت جان و مال کے تحفظ کی توقع تھی اس لئے حکومت کی تنظیم میں وہ سہارا دیتے۔ یہ بیان کرنے کی شاید ضرورت نہیں کہ قریش مُضر کا سب سے با اثر، صاحبِ عصبیت اور طاقت ور قبیلہ تھا، جزیرۂ عرب کے باشندے اس حقیقت سے واقف تھے اور اسی لئے قریش سے دبتے تھے، یا ان کا احترام و ادب کرتے تھے اس ماحول کی وجہ سے آپ نے امامت کے لئے قریش کی شرط لگائی تھی۔ آپ کی دُور بیں نگاہ نے دیکھ لیا تھا کہ جزیرۂ عرب میں اگر کوئی خاندان مرکزیت پیدا کر سکتا ہے تو وہ قریش کا خاندان ہے

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

آپ اُن کی فطری صلاحیتوں، فہم و درایت، جاہ و قوت اور ہمہ گیر عظمت اور احترام سے واقف تھے، اس لئے آپ کو اعتماد تھا کہ وہ اس بار کو نہایت آسانی سے سنبھال لیں گے اور اُمت کا شیرازہ منتشر نہ ہونے دیں گے۔ مستقبل نے ظاہر کر دیا کہ آپ کا یہ خیال صحیح تھا۔

جب قریش کا ایک ممتاز اور ہر دلعزیز فرد خلیفہ منتخب ہو گیا تو تمام قریش نے عربوں میں مرکزیت پیدا کرنے میں اس کا ہاتھ بٹایا اور قریش کے اثر و نفوذ اور اعزاز کی وجہ سے تمام قبائل مضر نے ان سے اتحادِ عمل کیا، یہ دنیا جانتی ہے کہ مضر کی نسل جزیرۂ عرب کے چپہ چپہ میں منتشر تھی اور اثر و اقتدار اور ثروت کے لحاظ سے تمام جزیرہ پر حاوی تھی۔ اس نسلی عصبیت کا نتیجہ یہ ہُوا کہ تمام عرب ایک مرکز پر قائم رہے اور زندگی کی جدوجہد میں آگے بڑھے اور دنیا کا نقشہ بدل دیا، عربوں کی یہ عصبیت جب تک قائم رہی اس وقت تک اُن کی حکومت متزلزل نہ ہو سکی جب اس عصبیت کا جنازہ اُٹھ گیا تو اُن کی حکومت نے بھی تڑپ کر دم توڑ دیا[1]

UNREGISTERED VERSION

[illegible] ہے

مستقبل میں یہ فرقہ وان فلوتن (Von Floten) کے الفاظ میں[2] عالمگیر جمہوریت کے اصول

www.avs4you.com

کا حامی بن گیا تھا اور اس نے اپنے نظریئے میں ترمیم کی اور خلافت کی بنیادی شرط عربی نسل اور حریّت کی جگہ صرف بلند سیرت اور مسلمان ہونا قرار دی۔ یہ وُہ وقت تھا جب کثرت سے عجمی مسلمان اُن کی جماعت میں داخل ہو گئے تھے خوارج کے زاویۂ نگاہ سے خلیفہ کا معزول کرنا حتی الامکان جائز نہ تھا، لیکن اگر خلیفہ جبر و استبداد کا مرتکب ہو تو نہ صرف معزول کرنا جائز تھا بلکہ مصلحتِ وقت کے لحاظ سے اس کا قتل کر دینا بھی اُن کے اعتقاد میں معیوب نہ تھا[3]

۴- مرجیہ اور معتزلہ | مرجیہ کے زاویۂ نگاہ سے خلافت کے لئے مسلمان ہونا اور زبان سے کلمۂ شہادت پڑھنا کافی ہے، انہیں خلیفہ کے ذاتی افعال سے کوئی غرض نہ تھی، اُن کے خیال میں یہ بندہ اور خدا کا معاملہ تھا، اس فرقہ نے بنی اُمیہ کی خلافت کو صحیح قرار دیا تھا، مرجیہ کے نظریہ خلافت کا بنی اُمیہ کی تعمیر اور استحکام میں بڑا دخل تھا۔ بنی اُمیہ کے فرمانرواؤں نے اس جماعت کو اپنا آلۂ کار بنایا اور اپنے لئے سیاسی میدان ہموار کیا۔ مرجیہ ہی کی جدوجہد کا یہ اثر تھا کہ سوادِ اعظم نے بنی اُمیہ کی خلافت تسلیم کر لی تھی۔ شیعوں اور خوارج کے نظریوں سے اس نظریہ کا تصادم

---

[1] ابن خلدون ص ۱۷۰۔ [2] دیکھو السیادۃ العربیہ و الشیعۃ الاسرائیلیات فی عہد امیہ ترجمہ ڈاکٹر ابراہیم ص ۴۶۔
[3] مروج الذہب للمسعودی ج ۲ ص ۱۱ - ۱۱۱

تھا، بنی امیہ کے ساتھ اس فرقہ کا آفتاب بھی غروب ہو گیا اور مستقبل میں کسی مستقل اور با اثر طبقہ کی حیثیت نہ رہی۔

معتزلہ یا قدریہ فرقہ کا بھی اسلامی سیاست پر ان تینوں فرقوں سے کچھ کم اثر نہ پڑا تھا جس طرح یہ فرقہ قضا و قدر پر اعتقاد رکھتا تھا، اسی طرح انسان کی آزادیٔ رائے اور ارادہ کا بھی قائل تھا۔ یہ فرقہ ابتدا میں سیاست سے الگ تھلگ رہا۔ اس وقت اس کا دائرہ عمل مذہبی موشگافیوں تک محدود تھا اور سیاسیات سے اُسے کوئی دلچسپی نہ تھی، مگر تھوڑے عرصہ میں یہ بھی سیاسی بھنور میں پھنس گیا اور امامت اور شروطِ خلافت پر بحث و مناظرہ شروع کر دیا۔ ان کا نظریہ تھا کہ امامت[1] اُمتِ مسلمہ کا حق ہے۔ دلیل یہ تھی۔ خدا نے اس منصب کے لئے کسی خاص خاندان یا فرد کی تعیین نہیں کی ہے۔ اُمت کو اختیار ہے کہ تنفیذِ احکام کے لئے وہ اپنا فرمانروا یا خلیفہ جس کو چاہے منتخب کر لے۔ اُن کے نزدیک ہر زمانہ کے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اپنا ایک امام ضرور منتخب کریں۔ معتزلہ کے اس [illegible] کا تقرر اُمت کا فرض ہے [illegible] تمام فرقے بھی اس سے اتفاق کرتے ہیں صرف [illegible]اضیہ، نجدیہ و خارجی فرقوں کا خیال ہے کہ اگر امت میں عدل و مساوات، رواداری اور اخلاق کی پاکیزگی کا عالمگیر جذبہ پایا جاتا ہو اور معصیت کا رجحان جاتا رہا ہو اسوقت امام یا خلیفہ کا تقرر اُمت پر فرض نہیں ہے اس نظریہ میں چند متقدمین اور متاخرین معتزلہ بھی انکے ہمنوا ہیں۔ خلافت کے استحقاق میں جو لوگ عالمگیر مساوات کے قائل ہیں اور قریشی اور غیر قریشی کو ایک درجہ میں رکھتے ہیں وہ اپنی دلیل میں حضرت عمرؓ کے یہ آخری الفاظ پیش کرتے ہیں :۔

"اگر آج سالمؓ (حضرت حذیفہؓ کا آزاد کردہ غلام) زندہ ہوتے تو میں اطمینان و سکون سے دنیا سے رخصت ہوتا۔ مجھے اعتماد تھا کہ وہ اس بارِ حکومت کو سنبھال لیتے۔"

یہ حضرت عمرؓ نے اس وقت فرمایا تھا جب وہ اُمت کی کشتی کا بادبان اہلِ شوریٰ کے سہارے پر چھوڑ رہے تھے۔ اگر حضرت عمرؓ کے خیال میں تمام مسلمانوں کو امامت کا حق حاصل نہ ہوتا تو اس قسم کے الفاظ وہ ارشاد نہ فرماتے اور ابی حذیفہؓ کے آزاد کردہ غلام سالمؓ کی موت پر ان کو افسوس نہ ہوتا، اس نظریہ کی تائید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بہت سی روایات منقول ہیں مثلاً آپ نے مسلمان فرمانروا کے بارے میں فرمایا "سنو اور اطاعت کرو، اگرچہ وہ ایک نکٹا غلام ہو،

[1] مروج الذہب للمسعودی ص ۱۹۱-۱۹۲

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

قرآن نے ان الفاظ میں مساوات کا اعلان کیا اور نسلی امتیازات کو باطل قرار دیا۔ "خدا کے نزدیک سب سے شریف وُہ ہے جو اس سے سب سے زیادہ ڈرتا ہو۔" [1]

بیعت بیعت کا مفہوم "ان امور میں خلیفہ کی اطاعت کا عہد و پیمان تھا جن کا تعلق مسلمانوں کی اجتماعی اور انفرادی فلاح و بہبود سے ہو"[2]۔ بیعت کے وقت خلیفہ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا جاتا، یہ عربوں کے تمدن میں عہد و پیمان کا محکم طریقہ تھا۔ دارالخلافت سے دور ممالک میں یہ بیعت گورنروں اور نمائندوں کے واسطہ سے لیجاتی، بیعت کے وقت ایمان کی تجدید بھی کی جاتی۔ خلافت کی بیعت میں جبر و اکراہ کا اکثر زمانوں میں دخل تھا۔

میرے زمانہ میں (ابن خلدون ۸۰۸ھ) ساسانی سلاطین کا طریقۂ بیعت رائج ہے۔ بیعت کے وقت عام رعایا کا معمول جھک کر زمین بوسی کرنا، ہاتھ پیر اور دامن چومنا ہے ان باتوں کو بیعت کا مترادف خیال کیا جاتا ہے۔ صرف چند خاص امرار، مصاحبین اور پیشوائے ملک [illegible] بیعت [illegible] ہیں یہ انتہائی خصوصیت کی نشانی ہے۔

خلافت فقہار، فلاسفہ اور اہل اخلاق کے زاویہ نگاہ سے [illegible] عباسیہ کے [illegible] انحطاط (۲۳۲ھ – ۶۵۶ھ) سے خلافت فقہار کے فکر و نظر کا موضوع بنی، اس وقت خلیفہ بستر سیاست پر دم توڑ رہا تھا اور نظم و نسق میں اس کا کوئی دخل نہ تھا، فقہار اور مورخینِ اسلام نے خلافت پر نظری اور عملی دونوں پہلوؤں سے بحث کی ہے۔

ابوریحان بیرونی (۳۶۲ھ – ۱۰۴۸ء) نے اپنے عہد کے خلیفہ کی حالت کا خاکہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔ "صرف وہ مذہبی اجارہ دار رہ گیا ہے، ورنہ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے"[3]

خلافت کے مسئلہ پر ایک اور فقیہ ابوالحسن ماوردی[4] (۴۵۰ھ – ۱۰۵۸ء) نے بھی بحث کی ہے۔ ماوردی خلیفہ عباسی طائع باللہ کے عہد (۳۶۳-۳۸۱ھ ۹۷۳-۹۹۱ء) میں پیدا ہوا اور خلیفہ قائم باللہ کے عہد (۴۲۲-۴۶۷ھ - ۱۰۳۱-۱۰۵۷ء) میں وفات پائی، اس فقیہ نے خلافت پر صرف نظری حیثیت سے نظر ڈالی ہے۔ ماوردی کے نقطۂ نظر سے خلافت کا طریقہ انتخابی ہونا چاہیئے اس کے خیال میں یہ منصب جلیل ہر اس شخص کو سونپا جاسکتا ہے جس میں اس کو پوری صلاحیت موجود ہو، وہ نسلی امتیازات بے معنی خیال کرتا ہے۔

---

[1] ... [2] مقدمہ ابن خلدون ص ۱۸۲ [3] کتاب الآثار الباقیہ (لندن ۱۷۸۹ء) [4] احکام السلطانیہ۔ قاہرہ ۱۲۹۷ھ (ص ۸-۱۲)

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

ماوردی نے حضرت ابوبکرؓ سے لے کر اپنے زمانہ تک، تاریخِ خلافت اور بیعت کا جائزہ لیا ہے اور اس کی روشنی میں خلافت کی شرطیں، خلیفہ کے مذہبی، امارتی، عدالتی اور جنگی فرائض اور اختیارات بیان کئے ہیں۔ ماوردی کی رائے میں خلفائے راشدین کی بیعت شرعی زاویہ نگاہ سے صحیح تھی۔ اس فقیہ نے اپنے عہد کے سیاسی حالات سے تجاہل برتا ہے۔ غالباً حالات کی نزاکت اسکی تحقیق کے بار کی متحمل نہ تھی۔

بیرونی اور ماوردی کے بعد نظامی عروضی نے خلافت کے موضوع پر تفصیلی بحث کی ہے۔ ان کے نقطہ نظر سے "خلیفہ تمام اُمت میں ہر پہلو سے بہتر ہو، اس کے نائب اور گورنر ہوں جو صوبوں میں قائم مقام کی حیثیت سے حکمراں ہوں[1]"

دوسرے ممتاز فقہائے اسلام جنہوں نے خلافت پر روشنی ڈالی ہے ابن حزم (۴۵۶ھ، ۱۰۶۴ء)، بدرالدین بن جماعہ اور شہرستانی (۵۴۸ھ، ۱۱۵۳ء) ہیں۔ شہرستانی نے خلافت کے بارے میں مختلف فرقوں کا زاویہ نگاہ پیش کیا ہے اور خلفائے راشدین کی امامت پر [illegible] تفصیلی بحث کی ہے۔

خلافت کے موضوع پر [illegible] مورخ، فقیہ اور اجتماعیات کے ماہر علامہ ابن خلدون (۸۰۸ھ، [illegible]) نے بھی بحث کی ہے۔ سب سے پہلے اُس نے انسانی اجتماع، رجحانات اور خصوصیات کا جائزہ لیا ہے، اور مذہبی فرماں رواؤں کو انسانی فلاح و بہبود کا سرچشمہ ثابت کیا ہے۔ ابنِ خلدون نے اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے کہ اسلامی شریعت نے اجتماعی زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی کی ہے اور اُس کے آئین و قوانین نوعِ انسانی کی عالمگیر بہبودی کے حامل ہیں۔ تمہید میں اس نے نہایت وضاحت سے ذکر کیا ہے کہ دنیا و آخرت میں ایک محکم رشتہ ہے۔ دنیا "کشت گاہ" اور آخرت جزا و سزا کا مقام ہے۔ دوسرے الفاظ میں دنیا دین کے لئے میدانِ عمل ہے۔ بحث و نظر کی اس منزل پر اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ مذہبی حکومت و خلافت دنیا کی تمام انواعِ حکومت سے بہتر ہے۔ یہ نوعِ انسانی کی عالمگیر دنیاوی اور اُخروی سعادت کی حامل ہے، اس کے خیال میں خلافت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نمائندگی کا نام ہے اور خلیفہ کی شخصیت آپؐ کے جانشین کی حیثیت سے مذہبی اور سیاسی فرمانروائی کی حامل ہے اور ناموس دین کا تحفظ اور شرعی حدود کا نفاذ اس کا فرض ہوتا ہے۔ اس کی رائے میں خلافت ہر باعصبیت خاندان کے فرد کا حق ہے، خواہ وہ کسی نسل سے تعلق رکھتا ہو۔ خلافت کی

[1] الفصل فی الملل والاہوء والنحل۔ قاہرہ، ۱۳۱۷ھ ج ۴ ص ۱۶۳۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

عہد بہ عہد کی تاریخ کا جائزہ لینے کے بعد ابن خلدون نے بیان کیا ہے کہ آغازِ خلافت سے یوں تو صدہا تبدیلیاں اس کے نظام میں پیدا ہوئیں مگر یہ تعمیم ہمیشہ قائم رہی اور خلافت کا حق کسی خاص خاندان میں محصور نہ رہا۔

خلافت ان فلاسفہ اور علمار اخلاق کے فکر و نظر کا بھی موضوع رہی، جو یونان کے علوم و فلسفہ سے بہت متاثر تھے، خصوصاً جن پر ارسطو اور افلاطونؔ کے فلسفیانہ خیالات کا نہایت گہرا اثر تھا ان میں معلم ثانی ابونصر فارابی (۳۳۹ھ) افلاطون کی جمہوریت (Republic) سے سب سے زیادہ متاثر تھا۔ اس نے اپنی کتاب "آرار اہل المدینۃ الفاضلہ" میں ایک مستقل باب "القول فی العضوی الرئیس" کے عنوان سے لکھا ہے [1]

"اخوان الصفا" نے بھی فلسفیانہ زاویہ نگاہ سے خلافت پر نظر ڈالی ہے۔ ان حکمار کا نظریہ ہے "سلاطین زمین پر خدا کے خلیفہ ہیں" ان کی فرمانروائی کا مقصد دین کا تحفظ ہے۔ اس "حکمت کدہ"،

UNREGISTERED VERSION

[illegible] میں نظام حکومت اور ارباب حکومت پر تفصیل سے بحث کی ہے، یہ کتاب (۴۸۵ھ، ۱۱۹۲ء) کی

www.avs4you.com

تصنیف ہے، حضرت شہاب الدین سہروردی (۵۸۷ھ، ۱۱۹۱ء) نے بھی "حکمۃ الاشراق" میں اس موضوع پر قلم اُٹھایا ہے، آپ افلاطون کی کتاب جمہوریت سے بے حد متاثر تھے شیعہ

---

[1] افلاطون نے اپنی کتاب "جمہوریت" میں بہترین مملکت اسے قرار دیا ہے جس کا اقتدار اعلیٰ فلاسفہ کے ہاتھ میں ہو۔

[2] دیکھو ص ۸۰-۹۰ نیز دیکھو ابونصر فارابی کی سیاست پر وہ مقالہ جو ۱۹۱۱ء کے مجلہ مشرق میں الاب شیخو الیسوعی کے قلم سے نکلا تھا۔ ص ۱۸-۳۴-

Sherwani, Al Farabis Political Theoris Studie in the History of Islamic Political Philosophy, No 7. (Aligarh-1938)

Siyasat Nawal Traite-de-Governmant, Texte-(ed-Charles Schefer) Paris, 1897

فلاسفر نصیر الدین طوسیؒ نے "اخلاق ناصری" میں افلاطون اور ارسطو کی طرح بادشاہ کے "خداداد فرمانروائی کے حق" کی تائید کی ہے۔ اس کے زاویۂ نگاہ سے بادشاہ کی حکومت کا محور خداوندی ارادہ ہے، اس لئے بادشاہ کے احکامات میں چون وچرا کی گنجائش نہیں ہوتی ہے! یہ بیان کرنا بے محل نہ ہوگا کہ اسی شیعہ فلاسفر نے ہلاکو خاں کو خلافتِ عباسیہ کی بربادی کیلئے آمادہ کیا تھا۔

عہد جدید میں خلافت کا مسئلہ مستشرقین کی بحث ونظر کا بھی موضوع بنا ہے، ان میں اے متز (A. Metz) جے گولڈ زیہر (J. Gold-zher) اور سر ٹامس آرنلڈ (Sir-Thomus Arnold.) نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔

خلافتِ راشدہ

(۱۱-۴۰ھ = ۶۳۲-۶۶۱ء)

[illegible] حضرت [illegible] سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے مقصد یہ تھا کہ باہمی مشورہ سے انصار میں سے آپ کا ایک جانشین منتخب کرلیں۔ اس

---

۱. T.W. Arnald The Caliphate P.P. 121-126.

۲. A. Metz. Die Renaissance deo Islam (Heidetherg) 1922. P.P. 1-13,
Trans. into English by Khuda Baksh and Margolior. (London. 1937) P.P. 8-14.

۳. J. Gold zher, J Gold zher, Vorlesungen Ender den Islam, 2nded. (Heidelbeig, 1910) Trdns. into Freck by Fetix Arim (Paris, 1920) Under the title "Le Dogneet laloi de I, Islam"

۴. Sir Thomas Arnold, The Caliphate (Oxford. 1924.

وقت بیماری کی حالت میں سعد بن عبادہؓ بنی خزرج کے سردار نے اپنی تقریر کے دوران میں فرمایا۔

"انصار کے لوگو! اسلام میں اعزاز اور وقار کے لحاظ سے عرب کا کوئی قبیلہ تمہارا ہمسر نہیں ہے۔ تمہیں اولیت کا شرف حاصل ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دس برس سے زیادہ اپنی قوم میں رہ کر خدا کی عبادت اور شرک و کفر کو ترک کرنے کی ہدایت فرماتے رہے، مگر وہاں صرف چند آدمی مسلمان ہو سکے جو اس قابل بھی نہ تھے کہ دشمنوں سے آپ کی حفاظت کر سکیں۔ وہ خود اپنی حفاظت نہ کر سکتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اور دین کو سربلند کرنا تو بڑی بات ہے، جب خدا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ورود کا شرف مدینہ کو بخشا تو تم نے آپ کی حمایت کی۔ آپ کے دشمنوں سے جہاد کیا۔ تمہاری تلواروں نے بڑے بڑے سرکشوں کے سر خدا کے سامنے سرنگوں کر دیئے۔ آج اسی کا نتیجہ ہے کہ جزیرہ عرب کے چپہ چپہ میں اسلام کی فرمانروائی ہے۔ وصال کے وقت آپ تمہارے ہاں قیام فرما تھے اور تم سے بہت خوش تھے ان با[illegible] بجا نہ ہوگا"

UNREGISTERED VERSION

حضرت عمرؓ کو اس اجتماع کی خبر ہوئی تو فوراً وہاں پہنچے۔ آپؓ کے ہمراہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت ابو عبیدہ ابن جراحؓ بھی تھے۔ اس اجتماع میں حضرت ابو بکرؓ نے کھڑے ہو کر ایک تقریر کی جس میں مہاجرین کی حیثیت اور اُن کے استحقاقِ خلافت کے دلائل تھے۔ اس میں آپ نے انصار کے فضائل اور اسلام میں ان کی امتیازی حیثیت کی بھی صراحت کی۔ آپ نے اللہ کی حمد و ثنا اور عرب کی گذشتہ حالت اور شرک و بت پرستی کی برائی کے بعد فرمایا:۔

www.avs4you.com

"عربوں کے لئے یہ دشوار تھا کہ اپنے آباؤ اجداد کا دین ترک کر دیں۔ لیکن آپ کی قوم میں خدا نے مہاجرین اولین کو یہ شرف بخشا کہ انہوں نے آپ کی تصدیق کی، ایمان لائے، غمخواری کی، اپنی قوم کی جانب سے صبر آزما مصیبتیں جھیلیں اور لوگوں کی مخالفتوں اور گالیوں کو برداشت کیا اور اپنی قلتِ تعداد، لوگوں کے بغض اور نفرت اور اپنی قوم کی مخالفت و عداوت کی پروا نہ کی۔ سب سے پہلے سرزمین عرب پر خدا کی عبادت، مہاجرین اولین نے کی جو آپ کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے بعد مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں کہ خلافت کا سب سے زیادہ مستحق مہاجرین اولین کا گروہ ہے۔ اس باب میں غیر منصفوں کے سوا ہر فرد میرا ہمنوا ہوگا۔ انصار کے

لوگو! دین میں تمہاری قدر و منزلت، اور ایمان میں تمہاری سبقت کا ہم سب کو اعتراف ہے خدا نے اپنے رسول اور مذہب کے حامیوں (انصار) کی حیثیت سے تمہارا انتخاب کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے یہاں ہجرت کا حکم دیا۔ اور آپ کی اور مہاجرین کی اکثر بیویاں تمہارے ہی خاندانوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ ہمارے دل میں مہاجرین اولین کے بعد سب سے زیادہ تمہاری قدر و منزلت ہے۔ ہماری حیثیت امراء کی اور تمہاری حیثیت وزراء کی ہو گئی۔ ہم بغیر تمہارے مشورہ کے کوئی اہم کام نہیں کریں گے۔

اس تقریر کے بعد ایک انصاری حباب بن منذر کھڑے ہوئے اور انصار سے خطاب کرتے ہوئے کہا "اچھا! ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک مہاجرین میں سے ہو" لیکن حضرت عمرؓ نے مخالفت کی اور قریش کے استحقاق خلافت پر دلائل پیش کئے۔ آپ نے فرمایا وہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ایک زمانہ میں دو امیر جمع ہوں! بخدا عرب کبھی یہ گوارا نہ کریں گے کہ تمہارے محکوم ہوں در انحالیکہ ان کا [illegible] میں کوئی تامل نہ کریں گے جس [illegible] ہے کہ کسی کو مجال انکار نہیں ہو سکتی۔ ہم آپ کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہم سے زیادہ آپؐ کی جانشینی کا حق دار کون ہو سکتا ہے۔ اس سے انکار ایک ہٹ دھرم ہی کر سکتا ہے[1]

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

بحث و مباحثہ کی اس منزل پر بنی خزرج، سعد بن عبادہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے آمادہ دکھائی دیئے۔ اوس نے ان کی مخالفت کی۔ انہیں یہ گوارا نہ ہوا کہ ہمارے رقیب کو حکومت حاصل ہو جائے۔ اس وقت اوس مہاجرین کے ہم آہنگ ہو گئے۔

حضرت عمرؓ کی چشم بیدار نے یہ موقع غنیمت دیکھا اور کھڑے ہو کر حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پہ بیعت کر لی[2] اور پر جوش الفاظ میں کہا "ابوبکرؓ! کیا آنحضرتؐ نے آپ کو اپنے بجائے نماز پڑھانے کا حکم نہیں دیا تھا۔ ہم آپ سے بیعت کرتے ہیں۔ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین ہیں آپ سے بیعت کرنا۔ آنحضرت کے محبوب ترین شخص سے بیعت کرنا ہے، مہاجرین، بنی اوس اور دوسرے انصار نے آپ کا ساتھ دیا اور یکے بعد دیگرے بیعت کرنے لگے حضرت عمرؓ فرماتے تھے:۔

"یہ وقت ہماری زندگی میں سب سے سخت اور صبر آزما تھا۔ ہمیں خطرہ تھا کہ ہمارا ساتھ اگر

[1] طبری ج ۳ ص ۲۰۷-۲۰۹ [2] ابن ہشام ج ۳ ص ۶۶۴-۶۶۷

قوم نے نہ دیا اور ہمارے بیعت کرنے کی وجہ سے فوراً دوسری بیعت شروع ہو گئی۔ اس وقت ہمیں یا تو اس خلافِ طبع کام پر رضامند ہونا پڑیگا یا مخالفت کرنا پڑیگی جس کا نتیجہ فتنہ و فساد ہوگا"۔[1]

حضرت عمرؓ کے بعد ابو عبیدہؓ، بشیر بن سعدؓ نے آپ کی تقلید کی، اس کے بعد مہاجرین اور انصار نے بھی یکے بعد دیگرے بیعت شروع کر دی۔

یہ بیعت "بیعتِ خاصہ" کے نام سے موسوم ہے۔ اس دن صرف چند مسلمانوں نے بیعت کی تھی جو سقیفہ میں موجود تھے۔ دوسرے روز مسجد میں حضرت ابوبکرؓ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور تمام لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اسے "بیعتِ عامہ" کہا جاتا ہے۔

حضرت علی اور اُن کے ہم خیال دوسرے بنی ہاشم نے حضرت ابوبکرؓ کی اس وقت بیعت نہیں کی تھی کیونکہ وہ خود اپنے آپ کو خلافت کا سب سے زیادہ مستحق سمجھتے تھے۔[2]

حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کی بنیاد جمہوریت کے اصول پر قائم تھی [illegible] کا رواج عرب میں اسلام سے قبل موجود تھا۔ عہد جدید میں جمہوریت کے اس نظام کو (Patriarcha State) (شیخ قبیلہ کی حکومت [illegible] کی بنیاد سن و سال اور امتیازی خصوصیات کو قرار دیا جاتا تھا۔ سر ٹامس آرنلڈ کے الفاظ میں حضرت ابوبکرؓ کے انتخاب میں ان صفات کا لحاظ کیا گیا تھا جو شیخ قبیلہ کے انتخاب کے وقت لازمی خیال کی جاتی تھیں سچ پوچھئے تو یہ انتخاب عربوں کے نظریۂ انتخاب کی حقیقی روح کا حامل تھا۔[3]

حضرت علیؓ اور اُن کے حامیوں نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے گریز کیا تھا، اُن میں سے قابلِ ذکر حضرت عباسؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ تھے۔ ان لوگوں کا حضرت علیؓ کے ساتھ اتحاد تھا، پھر حضرت فاطمہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث کا مطالبہ کیا تھا جس کا جواب خلافت کی طرف سے نفی میں دیا گیا تھا۔ یہ سب امور ایسے جمع ہو گئے تھے جنہوں نے اُمتِ مسلمہ کو دو فرقوں (سنیوں اور شیعوں) میں تقسیم کر دیا تھا۔[4]

حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کر لی تھی، حضرت عمرؓ نے اپنی ایک تقریر میں اس بات کا اعلان کر دیا تھا کہ حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ اور اُن کے ساتھی

---

[1] طبری ج ۳ ص ۲۰۱ [2] ایضاً ص ۲۰۲ [3] The Caliphate P. 20. [4] سیرت ابن ہشام ج ۴ ص ۱۰۱۲ مطبوعہ

حضرت عائشہ رضؓ کے مکان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں لگے ہوئے تھے اس لئے
ہ سقیفہ بنی ساعدہ کے اجتماع میں ہمارے ساتھ شریک نہ ہو سکے تھے وقت نازک تھا اور فوری
طعی فیصلہ کے بغیر کوئی چارۂ کار نہ تھا (اس لئے بغیر ان کے فیصلہ کر لیا گیا) لہ

حضرت ابو بکر رضؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی امور میں قائم مقامی کی۔ اسی لئے
فظ "خلیفہ" کے مفہوم میں حکومت کے معنی شامل ہو گئے ورنہ کلام پاک میں یہ لفظ اس معنی میں مستعمل
ہیں ہوا ہے۔ بیعت کے بعد حضرت ابو بکر رضؓ نے ایک مختصر و جامع تقریر کی، اس میں اپنی آئندہ
سیاسی حکمت عملی کا ان الفاظ میں اعلان کیا۔

"صاحبو! میں تم پر حاکم مقرر کیا گیا ہوں، حالانکہ تم لوگوں میں سب سے بہتر نہیں ہوں اگر میں
فلاح و بہبود کے کام کروں تو میری امداد کرنا ورنہ اصلاح کر دینا۔ صدق و سچائی اپنا دیانتدارانہ
فرض خیال کروں گا، کذب و دروغ منصبی خیانت تصور کرونگا۔ تم میں سے کمزور میرے نزدیک
ط [illegible] و گا۔
انشاء اللہ مظلوم کا حق اس سے دلاؤنگا۔ دیکھو! تم میں سے کوئی جہاد ترک نہ کرے، جس قوم
نے اس سے اجتناب کیا وہ دنیا میں اپنی عزت قائم نہیں رکھ سکتی۔ میں خدا اور اس کے رسول
کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرو، لیکن جب خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو
میری اطاعت ضروری نہیں" ۲ہ

حضرت ابو بکر رضؓ کا دورِ خلافت ۱۱ھ ۶۳۲ء سے شروع ہوا۔ ۱۳ھ ۶۳۴ء پر ختم ہوا ہے۔

بیعتِ عمر رضؓ حضرت ابو بکر رضؓ جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور اپنی زندگی کی طرف سے ان
مایوسی ہوئی تو انہیں خطرہ پیدا ہوا کہ اگر خلافت کا انتظام اپنی زندگی میں کسی ایسے شخص کے
سپرد نہ کر دیا جو مسلمانوں کی شیرازہ بندی کر سکے، تو ممکن ہے کہ پھر آپس میں پہلے کی طرح اختلاف
برپا ہو اور بیرونی دشمن اس موقع سے فائدہ اٹھائیں۔ آپ کی دوربیں نظر نے ایسے شخص کی جستجو
شروع کی جو اسلامی ریاست کے نظم و نسق کو صحیح معنی میں سنبھال سکے اور مسلمانوں کو اپنی فہم و فراست
و بیدار مغزی سے باہمی اختلافات سے بچالے۔ آپ کی نظر میں اس منصب کے لئے ایسا شخص موزوں

ے دیکھیے پورا خطبہ سیرت ابن ہشام ج ۳ ص ۴۷۰، طبری ج ۳ ص ۲۰۰۔ ۲ہ دیکھو ابن ہشام ج ۳ ص ۳۰۷، طبری ج ۳ ص ۲۰۳

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

تھا جو سخت ہو مگر سنگ دل نہ ہو، نرم دل ہو مگر بزدل نہ ہو۔ اس وقت آپ کی نگاہِ انتخاب حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ پر پڑی۔ ان دونوں میں مابہ الامتیاز خصوصیت یہ تھی کہ حضرت عمرؓ کسی کام کا عزم کر لیتے پھر اگر انہیں یقین ہو جاتا کہ یہ مصلحتِ وقت کے خلاف ہے تو اپنا عزم فسخ کر دیتے۔ یہ ان کی نفسیاتی خصوصیت تھی۔ حضرت علیؓ کی فطرت تھی کہ جب وہ کسی کا بیڑا اٹھا لیتے تو اُسے کر کے ہی دم لیتے، انہیں کوئی چیز ارادہ سے باز نہ رکھ سکتی تھی۔ اس لیے حضرت ابو بکرؓ کی فہم فراست نے حضرت عمرؓ کو ترجیح دی۔[1]

حضرت ابو بکرؓ کی فکر و نظر کی کاوشوں نے حضرت عمرؓ کا انتخاب ضرور کیا مگر آپ نے اپنی انفرادی رائے سے ان کا تقرر مناسب نہ سمجھا اور ممتاز اور صاحب الرائے صحابہؓ سے مشورہ لیا۔ سب نے آپ کی رائے کی تحسین کی اور حضرت عمرؓ کی بے حد تعریف کی۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا "وہ سب سے افضل ہیں، ان سے بہتر اُمت میں کوئی نہیں ہے ہاں البتہ ان میں [illegible] حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مجھے نرم مزاج دیکھتے ہیں، اگر انہیں خلافت کا [illegible] تو اپنے مزاج کو اعتدال پر خود قائم کر لیں گے۔

حضرت عثمانؓ سے مشورہ لیا گیا تو فرمایا "میں جہاں تک جانتا ہوں ان کا باطن اُن کے ظاہر سے بہتر ہے۔ ان کا ہم پلہ ہم میں ایک بھی نہیں ہے۔ اسید بن حضیر سے دریافت کیا گیا تو جواب دیا" آپ کے بعد میں ان کو سب سے بہتر سمجھتا ہوں، اُن کا باطن ظاہر سے بہتر ہے اس منصب کے لئے ان سے زیادہ موزوں اور کوئی نہیں ہے۔ ان صحابہؓ کے سوا حضرت ابو بکرؓ نے سعید بن زیدؓ، قاضی مصر اور دوسرے مہاجرین اور انصار سے بھی مشورہ کیا۔ سب نے حضرت عمرؓ کی تعریف کی اور انہیں اس منصب کا اہل بتایا۔

اس مشورہ کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عثمانؓ کو بلا کر حضرت عمرؓ کے بارے میں یہ تحریر لکھوا دی :۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ میں نے عمرؓ کو تمہارا حاکم مقرر کیا ہے۔ اگر انہوں نے عدل و انصاف اور فلاح و بہبودی کے کام کئے، تو میرا خیال ان کے بارے میں غلط نہیں نکلا۔ اگر ظلم و استبداد

[1] اشہر مشاہیر الاسلام ص ۱۲۳

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

کے مرتکب ہوئے تو میں بے قصور ہوں۔ مجھے غیب کا علم نہیں ہے۔ میں نے ظاہری حالت پر اعتبار کر لیا ہے۔ خدا جانتا ہے میری نیت اچھی ہے"۔

حضرت ابوبکرؓ کی حالت جب زیادہ خراب ہوئی تو مکان سے باہر تشریف لائے اور لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا "کیا تم عمرؓ کی خلافت کے بارے میں میرے ہمنوا ہو، میں نے انتہائی غور و خوض کے بعد ان کا انتخاب کیا ہے۔ یہ منصب میں نے اپنے کسی عزیز کے سپرد نہیں کیا، کیا میں اُمید کروں کہ تم ان کی پوری اطاعت کرو گے؟ سب نے بیک آواز ہو کر کہا "ہم اُن کی کامل اطاعت کریں گے"[1]

اس کے بعد حضرت عمرؓ کو آپ نے بلایا اور انہیں بہت سی نصیحتیں کیں۔ جب حضرت عمرؓ چلے گئے تو آپؓ نے ہاتھ اُٹھا کر خدا سے التجا کی "خدا! اس سے میری نیت اُمّت کی فلاح و بہبودی کی ہے۔ میں نے فتنہ سے ڈر کر انہیں حاکم مقرر کر دیا ہے، تو واقف ہے میں نے انتہائی غور و خوض کے بعد اپنے خیال میں سب سے بہتر سب سے طاقت ور اور سب سے زیادہ رشد و ہدایت کے دلدادہ فرد کو ان [illegible] ہوں

UNREGISTERED VERSION

وہ تیرے بندے ہیں، ان کی جان و آبرو تیرے اختیار میں ہے۔ اُن کے حاکم فلاح و بہبودی کے

www.avs4you.com

کام کریں اور صراطِ مستقیم پہ قائم رہیں۔ عمرؓ کے وسیلے سے اُمّت کو سربلند کر اور اس کی اصلاح فرما"۔

حضرت عمرؓ کی بیعت کی رسم جب ختم ہوئی تو آپ منبر پہ کھڑے ہوئے اور فرمایا:-

"میں تم سے چند باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ اس وقت عربوں کی مثال ایک نکیل پڑے ہوئے اونٹ کی ہے جو بے چون و چرا اپنے قائد کا اتباع کرتا ہے۔ قائد کو اس کا لحاظ رکھنا چاہیئے کہ وہ کہاں لے جا رہا ہے۔ ربّ کعبہ کی قسم میں انہیں صراطِ مستقیم پہ لے چلوں گا"۔[2]

حضرت ابوبکرؓ کی انتخابی کارروائی کا جائزہ لینے کے بعد یہ بیان کرنے کی احتیاج نہیں رہتی کہ یہ منصب خلافتِ راشدہ میں موروثی نہ تھا، بلکہ جمہوری تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس سیاسی عہدے کو اپنے کسی صاحبزادے یا عزیز کو نہ بخشا، پھر انتخاب میں اپنی رائے کو پیش پیش نہ رکھا بلکہ مسلمانوں کے مشورہ کے بعد ایک ایسی ہستی کا انتخاب کیا جسے رائے عامہ احترام و محبت کی نگاہ سے دیکھتی تھی اور وُہ نہایت بلند سیرت اور پاکیزہ صفات کا حامل انسان تھا۔

حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت کی مدّت ۱۳ھ / ۶۳۴ء تا ۲۳ھ / ۶۴۴ء ہے۔

---

[1] طبری ج ۴ ص ۵۱ [2] طبری ج ۴ ص ۵۴ و ابن اثیر ج ۲ ص ۲۰۸

شوریٰ کا واقعہ یا بیعت عثمانؓ

حضرت عمرؓ جب زخمی ہوئے تو چند ممتاز صحابہؓ ان کے پاس آئے اور کہا "امیر المؤمنین! مناسب ہو تو اپنا جانشین کسی کو مقرر فرما دیجئے۔" آپ نے ناسفارنہ لہجہ میں جواب دیا "کسے جانشین بناؤں؟ اگر ابو عبیدہ بن جراحؓ آج زندہ ہوتے تو انہیں اپنا جانشین بنا دیتا، خدا کو میں یہ جواب دے سکتا تھا کہ تیرے رسول کے اس قول پر اعتماد کیا تھا "ابو عبیدہؓ امت مسلمہ کے امین ہیں۔" اگر ابو حذیفہؓ کے غلام سالم زندہ ہوتے تو انہیں اپنا جانشین مقرر کر دیتا۔ اگر مجھ سے خدا کے یہاں جواب طلب ہوتا تو میں یہ جواب دے کر چھوٹ سکتا تھا کہ تیرے رسول نے فرمایا تھا "سالم خدا سے بےحد محبت کرنے والے ہیں۔" اس وقت ایک شخص نے درمیان میں دخل دیا "عبداللہ بن عمرؓ کو مقرر کر دیجئے۔" آپ کو بےحد یہ ناگوار گزرا اور فرمایا:۔

"اس کا تو مجھے کبھی وہم تک نہیں ہوا ہے۔ مجھے اقرار ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے جو مجھ سے بہتر تھے اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہم دونوں سے بہتر تھے اپنا [illegible]۔ اسے برباد نہیں ہو[illegible] گا۔"

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

صحابہؓ کو خطرہ ہوا کہ کہیں آپ خلیفہ مقرر کرنے سے قبل ہی دنیا کو خیر باد نہ کہہ دیں۔ اس ڈر سے دوبارہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا "امیر المؤمنین اگر اسی حالت میں آپ ہم سے بچھڑ گئے"؟ آپ نے جواب دیا:۔

"اچھا ان لوگوں میں سے کسی کو خلیفہ منتخب کر لینا جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری وقت تک خوش رہے۔ اور ان کے بارے میں فرمایا تھا کہ وہ جنتی ہیں" میرا اشارہ حضرت علیؓ، عثمانؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، زبیر بن عوامؓ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بھانجے) طلحہ بن عبیداللہؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کی طرف ہے۔ لیکن عبداللہ بن عمرؓ کو خلافت سے کوئی واسطہ نہ ہوگا، یہ صرف مشورہ میں شریک ہوں گے۔ اتفاق سے اگر امیدوار کے ووٹ برابر ہوں تو اس پارٹی کے امیدوار کو خلیفہ بنا لینا، جس میں عبداللہ بن عمرؓ شامل ہوں۔

آخر میں آپ نے فرمایا:۔

"جب تم اپنا حاکم بنا لو تو اس کی پشت پناہی کرنا اور اسکی امداد میں دریغ نہ کرنا۔"[1]

---

[1] طبری ج ۵ ص ۳۴ و ابن اثیر ج ۳ ص ۵۷

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے ان لوگوں کو طلب فرمایا اور کہا، "تم ممتاز اور سربرآوردہ لوگ ہو، خلافت کے لئے نظر تمہیں پر پڑے گی، وفات کے وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تم سے خوش تھے، اگر تم راہِ مستقیم سے نہ ڈگمگائے تو مجھے جمہور کی جانب سے کوئی اندیشہ نہیں، لیکن میں تمہارے باہمی اختلاف کے اندیشہ سے مطمئن نہیں ہوں، تمہارا باہمی اختلاف مسلمانوں کو خانہ جنگی میں مبتلا کر دے گا، اچھا اب جاؤ اور حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں اُن کی اجازت سے داخل ہو اور وہاں مشورہ کر کے اپنا حاکم منتخب کر لو"

یہ صحابہؓ حضرت عمرؓ کے قریب ہی جا کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں تیز کلامی کی نوبت آگئی اور زور زور سے بات چیت شروع ہو گئی۔ حضرت عمرؓ نے بلا کر اُن سے کہا، خدا کے لئے اس قسم کی باتوں سے تم احتراز کرو، میرے مرنے کے بعد تین دن کے اندر اندر مشورہ کر کے خلیفہ ضرور منتخب کر لینا۔ صہیبؓ [illegible] امامت کریں، مشیر کی حیثیت سے عبداللہ بن عمرؓ کو بھی شریک کر لینا مگر خلافت کا عہدہ انہیں نہ دینا۔ طلحہ اگر تین دن کے اندر اندر مدینہ [illegible] خلافت کا اُمیدوار بنا لینا، لیکن اگر [illegible] تو اُن کا انتظار نہ کرنا اور فیصلہ کر لینا طلحہؓ کے بارے میں تم میں ضمانت کون لیتا ہے؟ سعد بن ابی وقاصؓ نے جواب میں عرض کیا۔ "میں ضامن ہوں، بسر و چشم آپ کے حکم کی تعمیل کی جائے گی"۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا مجھے بھی اُمید ہے"۔ مقداد بن اسودؓ سے خطاب کر کے فرمایا "جب تم مجھے قبر میں اُتار چکو تو ایک مکان میں ان لوگوں کے اجتماع کا انتظام کرنا تاکہ یہ اپنا حاکم منتخب کر لیں"۔ صہیبؓ سے فرمایا "تین روز تک نماز میں امامت کرنا اور علیؓ، عثمانؓ، زبیرؓ، سعدؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور طلحہؓ کو اگر وہ اس وقت تک مدینہ آجائیں مجلس شوریٰ میں شرکت کے لئے جمع کرنا تمہارے ذمہ ہے، عبداللہ بن عمرؓ کو بھی مشورہ میں شریک کر لینا، تم ننگی تلوار لے کر کھڑے ہو جانا، اگر ایک شخص کی پانچ شخص تائید کریں اور ایک شخص مخالف ہو تو اس کی گردن اڑا دینا، اگر تین موافق اور تین مخالف ہوں تو عبداللہ بن عمرؓ کو ثالث بنا لینا، جس کے بارے میں وہ فیصلہ کر دیں اسے حاکم منتخب کر لینا اگر اُن کے فیصلہ کو تسلیم کرنے سے لوگوں کو انکار ہو تو اس پارٹی میں شامل ہو جاؤ جس میں عبدالرحمٰن بن عوفؓ ہوں اور بقیہ ان تمام لوگوں کی گردن اڑا دو جو اکثریت کے فیصلہ کے مخالف ہوں"۔ [1]

---

[1] طبری ج ۵ ص ۳۵۱۳۴

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

حضرت عمرؓ کی تدفین کے بعد یہ صحابہؓ مشورہ کے لئے جمع ہوئے اور بحث و تمحیص میں تین روز گزر گئے، مگر جانشین کا انتخاب عمل میں نہ آسکا، یہ حالت دیکھ کر حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کہا "تم میں سے کون کون شخص اس خیال سے خلافت کی امیدواری سے دست بردار ہوتا ہے کہ یہ منصب مجھ سے بہتر شخص کے سپرد کیا جائے۔"[1]

اس کا کسی نے جواب نہ دیا اور سب سے خاموش رہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے فرمایا "میں سب سے پہلے اپنا نام واپس لیتا ہوں۔ حضرت عثمانؓ نے کہا میں بھی آپ کی اقتدار کرتا ہوں اور اپنا نام واپس لیتا ہوں، میں نے آپ کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو "زمین و آسمان میں امین" کہتے ہوئے سنا ہے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ کے نامزد کئے ہوئے دوسرے حضرات نے بھی حضرت عثمانؓ کی طرح اپنے اپنے نام واپس لے لئے مگر حضرت علیؓ خاموش رہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اُن سے کہا۔ ابوالحسن! تمہارا کیا خیال ہے؟ جواب دیا "مجھے اس کا یقین دلادو کہ [illegible] کے حق کو نظرانداز کرکے رشتہ داروں کے ساتھ کسی خصوصیت کو روانہ رکھو گے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا "تم لوگ مجھ سے اس بات کا وعدہ کرو کہ جس شخص کو میں تمہارا خلیفہ بنا دوں تم اس کی خلافت تسلیم کرلوگے اور جو شخص میرے اس فیصلہ سے انحراف کرے تم اس کی مخالفت کروگے اور میرا ساتھ دوگے، جہاں تک میرا تعلق ہے میں اس بات کا وعدہ کرتا ہوں کہ میں مسلمانوں کے حقوق کو نظرانداز نہ کروں گا اور اپنے رشتہ داروں کے ساتھ کسی قسم کی خصوصیت کو روانہ رکھوں گا۔" اس سوال و جواب کے بعد حضرت عبدالرحمٰنؓ نے ان تمام حضرات سے وعدہ لیا اور خود ان سے اسی قسم کا وعدہ کیا۔

اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ صحابہؓ اور ممتاز افراد سے جانشینی کے بارے میں مشورہ میں مصروف ہوگئے۔ حضرت علیؓ سے فرمایا "تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت داری، اسلامی خدمات اور اولین مسلمانوں کی صف میں داخل ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو خلافت کا سب سے زیادہ مستحق خیال کرتے ہو اور یہ بیجا بھی نہیں ہے لیکن فرض کرو تم سے قطع نظر کرلی جائے تو اس منصب کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ فرمایا "عثمانؓ"، اس کے بعد خلوت میں حضرت عثمانؓ سے گفتگو کی انہوں نے بھی یہی جواب دیا اور حضرت علیؓ کا نام لیا۔ حضرت زبیرؓ سے تنہائی میں مشورہ کیا تو انہوں نے بھی ان ہی دونوں حضرات کا نام لیا"[2]

[1] طبری، ج ۵ ص ۲۵، ۲۶ [2] ایضاً ج ۵ ص ۳۵، ۳۶

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

یہ واقعہ اس کا شاہد ہے کہ خلافت کے استحقاق کے بارے میں صحابہؓ کا خیال ان ہی دونوں حضرات تک محدود تھا۔

جب حضرت عمرؓ کی مقرر کی ہوئی تین روز کی مدت ختم ہوئی تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ جو شبانہ روز ان ایام میں لوگوں کے خیالات اور ان سے مشورہ لینے میں مشغول رہے تھے، صبح کی نماز کے وقت مسجد میں تشریف لائے۔ یہاں دوسرے مہاجرین، ممتاز انصار، اور سپہ سالار موجود تھے جب تمام لوگوں کا مسجد میں اجتماع ہو گیا تو حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کھڑے ہو کر فرمایا "دوستو! لوگوں کی خواہش ہے کہ اپنے اپنے شہروں کو جانے سے قبل اپنے امیر کو معلوم کر لیں۔"

اس وقت حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کے حامیوں میں اختلافات پیدا ہوئے عمار بن یاسرؓ نے کھڑے ہو کر کہا "اگر لوگوں کو اختلافات سے بچانا چاہتے ہو تو علیؓ کی بیعت کر لو، مقدادؓ بن اسودؓ نے ان کی پُرزور تائید کی، عبدالرحمٰن بن ابی سرحؓ نے کھڑے ہو کر کہا، اگر قریش میں پھوٹ ڈالنا نہیں چاہتے ہو تو عثمان سے بیعت کر لو۔ حضرت عبداللہ بن ابی ربیعہ نے ان کی پرزور حمایت کی، عمار ابن ابی سرحؓ نے [illegible] تم کب سے اس قابل ہو گئے کہ مسلمانوں کو پند و نصیحت کرو؟"

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

اس پر بنی ہاشم اور بنی اُمیہ میں تو تو، میں میں شروع ہو گئی، عمارؓ نے کھڑے ہو کر کہا: "لوگو! خدا نے ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے دین کی وجہ سے عزت دی، یہ انصاف کے خلاف ہے کہ اس منصب کو آپ کے گھرانے سے کسی دوسرے خاندان کی طرف منتقل کیا جائے۔" سعد بن ابی وقاصؓ نے کہا: "عبدالرحمٰنؓ! لوگوں کے فتنہ و فساد میں مبتلا ہونے سے پہلے اس کام سے فارغ ہو جاؤ۔" عبدالرحمٰنؓ نے کہا: "میں خود بھی اس معاملہ پر غور و خوض کر چکا ہوں اور دوسروں سے بھی مشورہ لے چکا ہوں، مگر مجھے کوئی صورت نظر نہیں آئی کہ کیا کیا جائے؟ اس کے بعد حضرت علیؓ کو بلا کر کہا "تم حلف اٹھاؤ کہ قرآن و حدیث اور ابو بکرؓ و عمرؓ کے نقش قدم پر چلو گے! حضرت علیؓ نے جواب دیا۔ مجھے اُمید ہے، میں ایسا کروں گا، لیکن اپنے مبلغ علم اور استطاعت کو بھی نظر انداز نہیں کروں گا۔"

پھر حضرت عثمانؓ کو بلایا اور اُن کے سامنے وہی الفاظ دہرا دیئے جو حضرت علیؓ سے کہے

تھے ۔ آپ نے غیر مشروط طریقہ پر اس کا وعدہ کیا تو ان سے بیعت کر لی اور ان کے بعد اور لوگوں نے بھی بیعت شروع کر دی اور حضرت عثمانؓ کا انتخاب عمل میں آ گیا ۔

حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ یا دوسرے الفاظ میں بنی ہاشم اور بنی امیہ کے دلوں میں اسی وقت سے گرہ پڑ گئی کیونکہ خلافت کا استحقاق اب انہی دو خاندانوں میں منحصر ہو گیا تھا ۔ ممکن تھا حضرت علیؓ کا انتخاب اسی وقت عمل میں آ جاتا ۔ جب حضرت عبدالرحمٰنؓ نے ان سے دریافت کیا تھا "تم وعدہ کرو کہ ابو بکرؓ و عمرؓ کے نقش قدم پر چلو گے" اس کا جواب حضرت علیؓ نے مشروط دیا تھا کہ میں اپنے مبلغ علم پر بھی عمل کروں گا ، یہ سُن کر حضرت عبدالرحمٰنؓ نے حضرت عثمانؓ کے سامنے جب یہی سوال دہرایا تو انہوں نے بہ طیب خاطر و بلا شرط اس کا وعدہ کیا ، اس بنا پر یہ منصب جلیل انہیں تفویض کر دیا گیا ، یہ آخر ذی الحجہ ۲۳ھ کا واقعہ ہے ۔

حضرت عثمانؓ کے انتخاب کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان دو پارٹیوں بنی امیہ اور بنی ہاشم میں تقسیم ہو گئے [illegible] مہاجر اور اولین مسلمانوں میں داخل ہونے کی وجہ سے سب سے ممتاز تھے ۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

حضرت عثمانؓ نے بیعت خلافت کے بعد ایک تقریر کی اس میں فرمایا :-

"دُنیا کی زندگی ناپائیدار ہے ، اپنی موت سے قبل جہاں تک ممکن ہو سکے بھلے کام کرو ، دُنیا دھوکہ کا نام ہے ، تمہیں دنیاوی زندگی دھوکہ نہ دے ۔ خدا سے غافل نہ کر دے ، گذشتہ واقعات سے عبرت حاصل کرو اور عمل خیر میں جدوجہد کرو ، تم سے کوئی کوتاہی نہ ہو کہ تمہارا پیدا کرنیوالا تمہارے اعمال سے غافل نہیں ، ارباب دنیا نے مدت تک دنیا میں جوتا بویا ، فائدہ اٹھایا ، اس سے تم واقف نہیں ہو ، مگر نتیجہ کیا ؟ آخر میں مرگئے ، میں دنیا کو اسی نظر سے دیکھتا ہوں ، جس طرح سے خدا نے اس کی تمثیل بیان کی اور فرمایا ۔

"اے پیغمبر ! انہیں دنیاوی زندگی کی مثال سنا دو ۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے زمین کی روئیدگی کا معاملہ آسمان سے ہم نے پانی برسایا اور زمین کی روئیدگی اس سے مل جل کر ابھر آئی (اور خوب پھلی پھولی) پھر (کیا ہوا ؟ یہ کہ) سب کچھ سوکھ کر چورا چورا ہو گیا ، ہوا کے جھونکے اُسے اُڑا کے منتشر کر رہے ہیں ! اور کون سی بات ہے جس کے کرنے پر خدا قادر نہیں ۔ مال و دولت

اور آل اولاد دنیوی زندگی کی دلفریبیاں ہیں (مگر چند روزہ اور ناپائیدار) اور جو نیکیاں باقی رہنے والی ہیں تو وہی تمہارے پروردگار کے نزدیک بہ اعتبار ثواب کے بہتر ہیں اور وہی ہیں جن کے نتائج سے بہتر امید رکھی جاسکتی ہے۔" [1]

اس کے بعد لوگوں نے آپ سے بیعت شروع کی۔ [2]

یہ خطبہ حضرت عثمانؓ کی سیاسی پالیسی پر کوئی روشنی نہیں ڈالتا۔ یہ چند نصیحتیں ہیں جن کا تعلق دین سے ہے، سیاست سے نہیں، مستقبل میں بھی حضرت عثمانؓ نے کوئی ایسی سیاسی پالیسی اختیار نہیں کی جو عالم اسلام کو مطمئن کر سکے، اس کی وجہ ان کی ضعیف العمری تھی ان کی فطری نرم دلی، حد سے زیادہ دینداری اور ضرورت سے زیادہ اسلاف پرستی اور تازیانہ تھی" [3]

حضرت عثمانؓ خلافت کے منصب پر فائز ضرور ہو گئے مگر نظم و نسق سنبھال نہ سکے۔ بیرونی ممالک اسلامیہ کے باشندوں کو دربارِ خلافت سے تکلیفیں پہنچیں، اندرون ملک کے بہت سے مہاجرین اور انصار [illegible] کی حیثیت عضوِ معطل سے زیادہ نہ تھی۔ [illegible] حضرت عثمانؓ نے بعض ان لوگوں کو جو عمر اور صلاحیت دونوں میں ممتاز اور باا‌ثر انصار و مہاجرین سے کمتر تھے محض اپنے رشتہ دار ہونے کی وجہ سے بڑے بڑے عہدے دیدیے تھے۔ یہ مواد بڑھتا رہا اور ایک دن اس شکل میں پھٹا کہ بصرہ اور مصر کا ایک مشتعل گروہ مدینہ پہنچا اور حضرت عثمانؓ سے خلافت سے دست بردار ہونے کا مطالبہ کیا انہوں نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا "میں اس لباس کو جسے خدا نے پہنایا اُتارنے کو تیار نہیں ہوں" اس جواب پر اس گروہ نے ان کے گھر کا پوری طرح سے محاصرہ کر لیا اور انہیں شہید کر دیا۔

حضرت عثمانؓ تقویٰ و پرہیزگاری، علم و بردباری، نرم خوئی اور تواضع میں ممتاز تھے لیکن عالم اسلامی پر حکومت کرنے کے لئے غیر موزوں تھے یہ وہ وقت تھا جب دولتِ اسلامیہ کا دائرۂ حکومت غیر معمولی طور سے وسیع ہو گیا تھا، مسلمانوں کے پاس مال و دولت کے انبار لگ گئے تھے، ان کے نفسانی رجحانات اور حرص و ہوا میں روز افزوں ترقی تھی۔ اس وقت اگر خلافت ان کی کمزور سیاسی حکمت عملی کی بھینٹ چڑھ گئی تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ یہ پالیسی اس زمانہ کی ہم آہنگ نہ تھی۔ ۲۳ھ ۶۴۴ء میں حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے اور ۳۵ھ ۶۵۶ء میں جام شہادت نوش فرمایا۔

---

[1] سورۂ کہف آیت ۴۵ [2] طبری ج ۵ ص ۴۳ [3] تاریخ الاسلام السیاسی ج ۱ ص ۳۴

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

بیعت علیؓ حضرت علیؓ کا خیال تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسلمانوں میں سب سے زیادہ خلافت کا مستحق ہوں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے، آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کے شوہر تھے، بچوں میں سب سے پہلے مسلمان تھے، حضرت ابوبکرؓ اہم مسائل میں ان سے مشورہ لیتے تھے، حضرت عمرؓ ان کے مشورہ کے بغیر کوئی اہم کام نہ کرتے تھے اور ان کی ذکاوت، مذہبی معلومات اور تفقہ کے بیحد معترف تھے، حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد مجلس شوریٰ کے افراد میں حضرت علیؓ بھی داخل تھے۔ ان کا خیال تھا کہ خلافت کا منصب مجھے تفویض کیا جائے گا۔ لیکن جب حضرت عثمانؓ خلیفہ منتخب کر لیئے گئے، تو حضرت علیؓ نے بھی ان کی بیعت کر لی تھی، حضرت عثمانؓ کے ابتدائی دور خلافت میں اُن کے مشیر کار تھے اور حضرت عثمانؓ اکثر امور انہی کے مشورہ سے انجام دیتے تھے [1]

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد کچھ لوگوں کا رجحان تھا کہ حضرت علیؓ کو خلیفہ بنایا جائے اس وقت [illegible] حضرت طلحہؓ

UNREGISTERED VERSION

اور حضرت زبیرؓ کے زیر اثر تھے بعض صحابہؓ مثلاً سعد بن ابی وقاصؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کو حضرت علیؓ

www.avs4you.com

کی بیعت میں تامل تھا۔ بعض انصار بھی ان کے ہم آہنگ تھے۔ یہ انصار حضرت عثمانؓ کے ہمدرد تھے، مغیرہ بن شیبہؓ اس صورت حال کو دیکھ کر شام چلے گئے تھے۔ اس ماحول میں حضرت علیؓ کی بیعت عمل میں آئی۔ اگرچہ بنی اُمیہ اور مدینہ میں مقیم چند دوسرے صحابہؓ نے مخالفت کی تھی بعد میں یہ مخالفین مصلحت وقت کو دیکھ کر کچھ شام کو روانہ ہو گئے، کچھ مکہ چلے گئے [2]

حضرت علیؓ نے بیعت کے بعد فوراً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے عہد کی تجدید کا قصد کیا اور وقت کی نبض پہچانے بغیر اسے عملی جامہ پہنانے کا بیڑا اٹھایا، انکی روایات پر عملدر آمد شروع کر دیا اور بلا تامل حضرت عثمانؓ کے گورنروں کی معزولی کا حکم جاری کر دیا۔ ان کے چند ہمدرد صحابہ نے سمجھایا کہ حالات پر سکون پیدا ہونے تک اس ارادہ کو ملتوی کر دیجیے مگر آپ نے ان کے مشورہ پر عمل نہیں کیا۔ نکلسن کے الفاظ میں "یہ سیاسی شعور اور پختہ کاری کے خلاف تھا" [3]

ان معزولیوں سے گورنر غیظ و غضب سے دانت پیسنے لگے لیکن تعمیل کے سوا چارۂ کار بھی نہ تھا۔

---

[1] مروج الذہب المسعودی ج ۲ ص ۶۔ [2] Nicholson, p. 191. [3] Nicholson, p. 191.

صرف حضرت امیر معاویہؓ نے اُن کے حکم کی تعمیل سے صاف انکار کر دیا تھا، اُن کے پاس زبردست فوج موجود تھی جس کے مصارف میں مصر و شام کی دولت کی فراوانی کی وجہ سے انہیں کوئی دقت نہ ہوتی تھی اس فوج کے اعتماد پر اُنہوں نے اس معزولی کے فرمان کو ماننے سے انکار کر دیا، نتیجہ یہ ہوا حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ میں جنگ چھڑ گئی اور "تحکیم" (ثالث بنانا) کی شکل میں دونوں کا تصفیہ ہوا تھوڑے عرصہ کے بعد حضرت علیؓ شہید کر دیئے گئے اور امیر معاویہؓ کو خلافت کا منصب حاصل ہو گیا اور اُنہوں نے دولت بنی اُمیہ کی بنیاد ڈالی۔

حضرت علیؓ کی خلافت کی ابتداء ۳۵ھ (۶۵۶ء) سے ہوئی اور ۴۰ھ (۶۶۱ء) میں آپ کی شہادت کا الم انگیز واقعہ پیش آیا۔

خلافتِ راشدہ کے طریقہ انتخاب پر ایک تنقیدی نظر

خلفائے راشدینؓ کے انتخاب کی اگرچہ کوئی متعین و منظم شکل نہ تھی۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ وراثتی نظام سے اس کا دور کا بھی [illegible] فرما تھی

UNREGISTERED VERSION

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت ابوبکرؓ کے انتخاب سے ایسا کوئی طریقہ کار نہیں ملتا ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ لوگ اپنے اپنے امیدوار کو انتخاب کیلئے نامزد کر سکتے ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ انصار نے حضرت سعد بن عبادہؓ کے بارے میں تحریک پیش کی تھی اور حضرت ابوبکرؓ نے حضرت ابوعبیدہؓ اور حضرت عمرؓ کے نام پیش کئے تھے لیکن حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت میں عجلت سے کام لیا اور حاضرین نے بھی ان کے ساتھ ہی بیعت کر لی تھی اس کے بعد عام مسلمانوں نے بھی اُن کی بیعت کر لی تھی۔

www.avs4you.com

حضرت عمرؓ کا قول ہے "میرے کانوں تک یہ بات پہنچی ہے کہ اگر عمرؓ کا انتقال ہو گیا تو میں فلاں شخص کی بیعت کر لوں گا، دیکھو کسی ایسے شخص کی بات سے دھوکہ نہ کھانا جو یہ کہتا ہو کہ ابوبکرؓ کی بیعت عجلت میں ہو گئی تھی اس لئے اس میں کوئی ہرج نہیں ہے اس سے انکار نہیں کہ ایسا ہوا تھا مگر خدا نے اس کے شر سے اُمّت کو بچا لیا تھا۔ اب ابوبکرؓ جیسا تم میں کوئی موجود نہیں ہے جو ہوشیار امیر البحر کی طرح اُمت کی کشتی کو بچا لیجائے"۔[1]

حضرت ابوبکرؓ کی بیعت میں نظام شوریٰ کا دخل تھا۔ اس میں صحابہؓ کا اجتماع ہوا تھا اور

---

[1] طبری ج ۳ ص ۲۰۰ ۔

تبادلۂ خیالات اور اسباب ترجیح پر نقد و تبصرہ بھی ہوا تھا، یہ اعتراض مہمل ہے کہ اس انتخاب کیلئے باقاعدہ اجتماع کا اعلان نہیں کیا گیا تھا اور اس میں مہاجرین کی اکثریت موجود نہ تھی، ان لوگوں کو غالباً اس کا علم نہیں کہ صحابہؓ کی اکثریت اس انتخاب میں شریک تھی، اس سے بحث نہیں وہ انصار تھے یا مہاجرین، یہ تفریق بے سود ہے۔ یہ اعتراض جدید مورخوں نے خاص طور سے کیا ہے۔ اعتراض کے وقت شاید انہیں خیال نہیں رہا کہ وہ ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کے واقعات کو اس زمانہ کے ماحول پر منطبق کر رہے ہیں، جس کی حیثیت قیاس مع الفارق سے زیادہ نہیں ہے۔

حضرت عمرؓ کا انتخاب بھی جمہوری اصول پر ہوا تھا، اس کو ولایت عہد یا خود مملکت کی جانب سے تعیین و نامزدگی کے نام سے تعبیر نہیں کر سکتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنی رائے میں کسی قسم کی خودسری و مطلق العنانی سے کام نہیں لیا تھا اور نہ جمہور کو حضرت عمرؓ کی خلافت تسلیم کر لینے پر مجبور کیا تھا بلکہ اپنا فیصلہ صحابہؓ کے مشورہ سے کیا تھا، تمام صحابہؓ نے ان کی رائے سے اتفاق کیا تھا اور تحسین کی تھی لیکن حضرت ابوبکرؓ کا یہ طریقہ کار لائحہ عمل نہیں بنایا جا سکتا ہے یہ طرزِ عمل خطرہ سے خالی نہیں ہے گو [illegible] کی ہے، تاہم اس صورت میں خلیفہ اپنے جانشین کے انتخاب میں بڑی حد تک آزاد ہے، وہ کسی قید و شرط کا پابند نہیں ہے، یہ ممکن ہے کہ خلیفہ اپنے جانشین کے انتخاب میں غلطی کرے یا حسن ظن سے کام لے کر غیر مستحق کو ولی عہد مقرر کر دے، یہ حسن اتفاق تھا ورنہ ہر خلیفہ ابوبکرؓ نہیں ہے اور ہر ولی عہد عمرؓ نہیں ہے۔ اس طریقہ کار میں کم سے کم انتخاب میں غلطی کا احتمال ضرور ہے۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

حضرت عثمانؓ کا انتخاب حضرت عمرؓ کے انتخاب کے مقابلہ میں نظام شوریٰ سے بہت زیادہ قریب ہے۔ اس انتخاب کے وقت خلافت کے اُمیدوار متعدد تھے اور مسجد نبوی میں مسلمانوں کی اجتماعی مجلس کا انتخاب میں بڑا دخل تھا۔

حضرت علیؓ کی بیعت بھی نظام جمہوری پر مبنی تھی۔ اُن سے اہل مدینہ نے بیعت کر لی تھی، اور ان کا انتخاب ہو گیا تھا، یہ صحیح ہے، جمہور مسلمانوں نے ان سے بیعت نہیں کی تھی مگر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اکثریت نے بیعت کر لی تھی۔ اس اعتراض کا جواب "اُن سے

صرف اہل مدینہ نے بیعت کر لی تھی اور دوسرے اسلامی مرکزوں کے مسلمانوں سے کوئی رائے نہیں لی گئی تھی" یہ دیا جا سکتا ہے کہ امام مالکؒ کے نزدیک اہل مدینہ کی رائے خلافت کے انتخاب میں کافی ہے۔ حضرت علیؓ کا انتخاب پچھلے خلفا سے کچھ مختلف تھا، حضرت ابوبکرؓ کا انتخاب ان صحابہؓ کی مرضی سے ہوا تھا جو مدینہ میں موجود تھے، اگرچہ ابتدا میں آپس میں اختلاف پیدا ہوا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد خلافت کے بارے میں کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوا۔ انہوں نے اپنی زندگی ہی میں اس کا فیصلہ کر دیا تھا۔ اور حضرت عمرؓ کو خلیفہ مقرر کر دیا تھا۔ حضرت عمرؓ کا انتقال ہوا تو حضرت عثمانؓ کا انتخاب اس طریقۂ شوریٰ کے مطابق ہوا، جو حضرت عمرؓ نے مقرر کر دیا تھا۔

خلفائے راشدین کی سیاسی زندگی کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے انہیں مطلق فرمانروائی حاصل تھی، ان کے اختیارات و فرائض کسی دستور میں تفصیل و وضاحت کے ساتھ لکھے ہوئے نہ تھے

UNREGISTERED VERSION

لیکن ان کے اقتدار و اختیار کی غیر [illegible]ی و اجمالی حد بندی ضرور رکھی اور وہ یہ کہ فرائض کی بنیاد شریعت اور اُمت کی [illegible] نہیں کرتا تھا۔ اگر وہ اس

www.avs4you.com

کا مرتکب ہوتا تو اُس کی فرمانروائی و خلافت کا حق باطل ہو جاتا اور جن ممتاز افراد نے اُسے خلیفہ بنایا تھا وُہ اسے معزول کر سکتے تھے۔

تاریخ گواہ ہے، خلفاء اربعہ نے حدودِ شرع میں رہ کر حکومت کے فرائض انجام دیئے ہیں، ان کی فرمانروائی کی بنیاد شرعی دستورِ حکومت تھا اور وُہ اس سے سرمو انحراف نہیں کرتے تھے۔ ان میں سے صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اُن کے دشمنوں نے یہ الزام لگانے کی کوشش کی ہے کہ آپ نے عزیز و اقارب کے ساتھ مراعات کر رکھی تھیں، مال و دولت ان پر لٹاتے تھے اور عدل و انصاف نہیں کرتے تھے۔

خلافتِ راشدہ کا جائزہ لینے کے بعد یہ کہا جا سکتا ہے کہ صحیح خلافت جو تمام شرائط اور قدیم روایات عرب کی حامل ہو، مجموعی حیثیت سے صرف خلفاء اربعہ کے عہد میں پائی جاتی تھی۔

خلافتِ بنی اُمیہ

(۴۰ھ تا ۱۳۲ھ = ۶۶۱ء تا ۶۷۵۰ء)

خلفائے بنی اُمیہ

سنہ ۴۰ھ	معاویہ بن ابی سفیان	سنہ ۶۶۱ء
سنہ ۶۰ھ	یزید اوّل	سنہ ۶۸۰ء
سنہ ۶۴ھ	معاویہ ثانی	سنہ ۶۸۳ء
سنہ ۶۴ھ	مروان بن حکم	سنہ ۶۸۳ء
سنہ ۶۵ھ	عبدالمالک بن مروان	سنہ ۶۸۵ء
سنہ ۸۶ھ	ولید	سنہ ۷۰۵ء
[illegible]	سلیمان	[illegible]
سنہ ۹۹ھ	عمر بن عبدالعزیز	سنہ ۷۱۷ء
سنہ ۱۰۱ھ	یزید ثانی	سنہ ۷۲۰ء
سنہ ۱۰۵ھ	ہشام	سنہ ۷۲۳ء
سنہ ۱۲۵ھ	ولید ثانی	سنہ ۷۴۳ء
سنہ ۱۲۶ھ	یزید ثالث	سنہ ۷۴۴ء
سنہ ۱۲۶ھ	ابراہیم	سنہ ۷۴۴ء
۱۲۷-۱۳۲ھ	مروان ثانی	۷۴۴-۷۵۰ء

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

خلافت بنی اُمیہ کی خصوصیات | خلافتِ راشدہ کے خاتمہ کے بعد زمام خلافت بنی اُمیہ کے ہاتھ آگئی اور اس وقت سے خلافت حکومت کی شکل میں تبدیل ہوگئی، امویوں کے ہیبت و جلال سے جزیرۂ عرب لرز اُٹھا۔ اس سیاسی ماحول میں مسلمانوں کا ایک مذہبی طبقہ بنی اُمیہ کا آلۂ کار بن گیا اور وہ احادیث کی بنیاد پر یہ ذہنیت پیدا کرتا تھا کہ حکومتِ وقت کی اطاعت فرض ہے

خواہ اس کا نظم ونسق اور دستور حکومت کچھ بھی ہو ان کا بیان تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"عنقریب میرے بعد ظالم اور جابر لوگوں کی حکومت ہوگی۔ دیکھو! تم حق بات میں اُن کی باتیں سننا اور اطاعت کرنا اگر وُہ بھلائی کریں تو ان کا اور تمہارا دونوں کا بھلا ہے، اگر بدسلوکی کریں تو خدا تمہیں جزا دے گا اور انہیں اس کی سزا بھگتنی پڑے گی۔"

امیر معاویہؓ نے جس سیاسی نظام کا خاکہ بنایا تھا اس میں بنیادی چیز یہ تھی کہ خلیفہ کی ایک مستقل شخصیت ہے، گذشتہ روایات کا وُہ حد سے زیادہ پابند نہ ہو۔ اس کی پالیسی مصلحتِ وقت اور زمانہ کے ساتھ ساتھ بدلتی رہنی چاہیئے، اسے موروثی چیزوں کو اسی حد تک اختیار کرنا چاہیئے جس حد تک وقت کی مصلحتیں اجازت دیں۔

امیر معاویہؓ نے خلافتِ راشدہ کا وہ نظامِ سیاسی ختم کر دیا تھا جس کی بنیاد شوریٰ اور مذہبی اصول پر قائم تھی۔ اس کی جگہ موروثی نظام کی داغ بیل ڈالی جس میں سیاسی مصلحتوں کے سامنے مذہبی اصول [illegible] فہم و فراست اور وسیع النظری کی وجہ سے اس سیاسی پالیسی میں کامیاب ہوئے تھے۔ اُن کے جانشین بھی عالم اسلامی پر اس حکمتِ عملی کے زیرِ اثر حکومت کرتے رہے۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

خلافت بنی اُمیہ میں مذہب سے زیادہ سیاست کا پاس کیا جاتا تھا۔ سیاست کے مقابلہ میں مذہب کی ثانوی حیثیت تھی۔ اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ خلافت کی جگہ ملوکیت نے لے لی تھی؎

امیر معاویہؓ نے قیصر و کسریٰ کے دربار کے کروفر قائم کر رکھے تھے۔ وُہ تختِ شاہی پر جلوہ فرما ہوتے تھے، حفاظت کے لئے پولیس کا انتظام تھا، اس سے قبل خلفاء کی حفاظت کیلئے کوئی خاص انتظام نہ ہوتا تھا۔ امیر معاویہؓ کا دربار ساسانیوں کے دربار کی جیتی جاگتی تصویر تھا آپ نے حضرت علیؓ کے الم انگیز حادثۂ شہادت سے متاثر ہو کر مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے مخصوص حجرہ تعمیر کرایا تھا اور وہاں تنہا نماز پڑھتے تھے۔ جب سجدہ میں جاتے تھے تو محافظ ننگی تلواریں لئے کھڑے رہتے تھے۔ امیر معاویہؓ کی یہ سیاسی پالیسی اُن کی غیر معمولی سیاست دانی کا نتیجہ تھی وہ شامیوں کی ذہنیت اور اُن کی نفسیات سے اچھی طرح واقف تھے اور جانتے تھے کہ شامی روم و فارس جیسی متمدن حکومتوں کے محکوم رہ چکے ہیں۔ یہاں حضرت عمرؓ اور ابوبکرؓ کی سادہ اور درویشانہ سیاست سود مند

Sir Thomas Arndd The Calaphate. P.P. 24,25. ؎

ثابت نہ ہوگی۔

امیر معاویہؓ کے زمانہ سے خلافت "موروثی" ہوگئی تھی، آپ کی نظر میں مسلمانوں کی پراگندگی کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی "خلیفہ اپنے جانشین کا فیصلہ اپنی زندگی میں نہیں کرتا ہے" اس کے مرنے کے بعد رقیبانہ کشمکش شروع ہو جاتی ہے اور مسلمانوں کی وحدت پارٹیوں میں تقسیم ہو کر پارہ پارہ ہو جاتی ہے۔ اس خیال سے آپ نے اس کا فیصلہ اپنی ہی زندگی میں کر دیا اور اپنے بیٹے یزید کو جانشین مقرر کر دیا تھا۔ اس مسئلہ میں آپ بازنطینی اور ساسانی نظامِ حکومت سے بہت زیادہ متاثر تھے۔ جن کے یہاں نظامِ حکومت وراثتی تھا اور بادشاہ اپنی زندگی میں ولی عہد مقرر کر دیتا تھا۔ امیر معاویہؓ نے یزید کی ولی عہدی کے لئے اپنی پوری حکمتِ عملی اور سیاسی شعور صرف کر دیا تھا۔ بیعت سے پہلے گورنروں کے نام حکم پہنچا تھا "یزید کی بیعت کے لئے سازگار ماحول پیدا کیا جائے"

یزید کی ولی عہدی | امیر معاویہؓ نے یزید کی بیعت کے لئے حالات کو سازگار بنانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا جن سے مخالفت کا کھٹکا تھا انہیں مقرب بارگاہ بنا لیا، بڑے بڑے عہدے دیدیئے اُن سے رواداری [illegible] حکمتِ عملی کا یہ اثر ہوا کہ اکثریت ان کی ہم نوا ہوگئی اور لوگ یزید کی بیعت پر آمادہ ہو گئے جب شام و عراق کے باشندوں نے بیعت کر لی تو امیر معاویہؓ یزید کی بیعت لینے مدینہ تشریف لے گئے، وہاں حضرت امام حسینؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے مخالفت کی، ابن زبیرؓ نے ان سے کہا "ہم تین باتوں کا تمہیں اختیار دیتے ہیں۔ ان میں سے کسی کو اختیار کرو۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کیا ویسا کرو، ابوبکرؓ نے جیسا کیا ویسا کرو، عمرؓ نے جیسا کیا ویسا کرو"

معاویہؓ نے دریافت کیا۔ انہوں نے کیا کیا؟ جواب دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات تک کسی کو خلیفہ نہیں بنایا، آپ کے بعد لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کو اپنی خوشی سے منتخب کر لیا۔ معاویہؓ نے کہا "اب تم میں ابوبکرؓ جیسا کوئی موجود نہیں ہے، مجھے مسلمانوں میں باہمی اختلاف کا اندیشہ ہے۔" جواب دیا گیا۔ اچھا! جو ابوبکرؓ نے کیا وہی کرو، ابوبکرؓ نے ایک ایسے شخص کو خلافت کا منصب سپرد کیا تھا جو قریش کے خاندان سے ضرور تھا مگر بنی اُمیہ سے اس کا کوئی رشتہ نہ تھا۔ ورنہ کم از کم اتنا تو کرو۔ عمرؓ کی طرح چھ اشخاص کی ایک کمیٹی بنادو، ان افراد میں تم بھی عمرؓ

کی طرح اس کا خیال رکھو کہ تمہارا کوئی صاحبزادہ یا پوتا اس میں شامل نہ ہو۔

معاویہؓ نے دریافت کیا کہ اس کے سوا کوئی اور شکل نہیں ہے؟ ابن زبیرؓ نے جواب دیا، نہیں! یہ سُن کر امیر معاویہؓ نے جوشِ غضب میں کہا "اب میرے صبر وضبط کا پیمانہ لبریز ہو چکا، خدا کی قسم اگر ایک لفظ بھی کسی کی زبان سے مخالفت کا نکلا تو لفظ ادا ہونے سے قبل اس کی گردن اڑا دی جائے گی۔ خیریت اسی میں ہے کہ خاموش ہو رہو۔ اس کے بعد اپنے پولیس افسر کو بلا کر حکم دیا "ان میں سے ہر شخص کے پاس دو دو آدمی ننگی تلواریں لے کر کھڑے ہو جائیں، اگر ایک لفظ بھی مخالفت کا ان کی زبان سے نکلے تو فوراً گردن اڑا دی جائے"

پھر ان حضرات کو ہمراہ لے کر مسجد نبویؐ میں گئے اور منبر پر کھڑے ہو کر اعلان کیا "یہ لوگ (ابن زبیرؓ وغیرہ) مسلمانوں کے سردار اور ممتاز افراد ہیں۔ مسلمانوں میں یہ پختہ کار اور دانشمند خیال کئے جاتے ہیں اور ان کے مشورہ کے بغیر کوئی اہم کام نہیں کیا جاتا، ان حضرات نے یزید کی بیعت کرلی ہے ہم بھی خدا کا نام لے کر بیعت کرو" یہ سن کر لوگوں نے بیعت کرلی۔ لوگ انہی حضرات کی بیعت کے منتظر تھے [illegible] کہتے تھے ہم تو یزید کی بیعت نہیں کریں گے، پھر کیوں کرلی؟ جواب دیا "بخدا ہم نے بیعت نہیں کی" لوگوں نے پوچھا "پھر آپ نے اس وقت تردید نہیں کی" جواب دیا "جان کا خطرہ تھا"[1]

غرض اس طرح یزید کی بیعت کی تکمیل ہو گئی اور ان حضرت کے ماسوا سب نے بیعت کرلی۔ امیر معاویہؓ نے ان حضرات کے ساتھ نہایت نامناسب رویہ اختیار کیا، آپ نے خلافت کے استحقاق کی شرطوں کو بالکل نظر انداز کر دیا اور اس منصب کو موروثی سلطنت میں تبدیل کر دیا جسمیں شوریٰ اور انتخاب کا کوئی دخل نہ تھا۔

امیر معاویہؓ نے اس نظامِ شوریٰ کو ختم کر دیا، جس کی بنیاد پر خلفاءِ راشدین کا انتخاب ہوا تھا۔ آپ نے خلافت کی جگہ ملوکیت کی بنیاد رکھی جسے تلوار کے بل بوتے سیاسی تدبیروں اور حریفوں کے خلاف ریشہ دوانیوں کے ذریعہ حاصل کیا جاتا تھا۔ امیر معاویہؓ نے جب یزید کو ولیعہد بنایا اس وقت سے وراثت کی ابتدا ہوئی، یہی نظام عہدِ عباسیہ میں بھی قائم رہا[2] اس کی وجہ سے مسلمان اپنے طبعی حق یعنی شوریٰ سے محروم ہو گئے۔ یہ وہ حق تھا جس کے عرب خوگر تھے، قرآن نے

---

[1] طبری ج ۳ ص ۲۱۷-۲۱۸ [2]

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

بھی اس کی حمایت کی تھی، احادیث بھی اس کی تحسین کرتی تھیں۔ ولی عہدی کے سلسلہ میں امویوں نے ایک قدم اور آگے بڑھایا تھا اور اپنی زندگی میں ایک چھوڑ دو دو تین تین ولی عہد مقرر کرنے کی رسم جاری کی۔

بنی اُمیہ کے عہدِ خلافت کا جائزہ لیتے وقت اُن کے زمانہ کے سیاسی ماحول، مقامی خصوصیات اور باشندوں کے ذہنی نشوونما کو نظر انداز نہ کرنا چاہیئے۔ خلافت کے نظام کی تبدیلی میں ان چیزوں کا بہت بڑا دخل تھا۔ خلافتِ راشدہ میں مدینہ مسلمانوں کا دارالسلطنت رہا۔ اس وقت عربوں کا عنصر حکومت کی مشینری پر غالب تھا اور خلافت کا نظام عربوں کی خصوصی ذہنیت اور فطرت کے مطابق قائم رہا۔ جب دمشق عربوں کی راجدھانی مقرر ہوئی تو عرب وہاں کے فطری ماحول سے متاثر ہوئے اور نظامِ خلافت بڑی حد تک قیصر و کسریٰ کے نظامِ حکومت کے سانچہ میں ڈھل گیا[1] اور خلفاء نے زمانہ اور ماحول کے مطابق اپنے اندر بہت سی تبدیلیاں پیدا کر لیں۔

UNREGISTERED VERSION

بنی اُمیہ کے عہد میں یہ معمول رہا کہ خلیفہ اپنی زندگی میں ولی عہد مقرر کر دیتا تھا، اور ممتاز افراد اور بڑے بڑے [illegible] عالمِ اسلامی میں گورنر قائم مقام

www.avs4you.com

کی حیثیت سے ولی عہد کے لئے بیعت لیا کرتے۔ بیعت کا طریقہ نظام جمہوری اور ملوکیت دونوں کا بیک وقت حامل ہوتا تھا۔[2] نہ اسے خالص جمہوری کہا جا سکتا ہے اور نہ کامل ملوکیت کا لقب دیا جا سکتا ہے کیونکہ بیعت کی تکمیل ہر طرح سے کی جاتی تھی۔ خوف و دہشت، وعدے وعید اور ترغیب و تحریص غرض ساری تدبیریں عمل میں لائی جاتیں اور کوئی صورت اُٹھا نہیں رکھی جاتی تھی اور پھر اس انتخاب کو ہر حال میں شرعی قرار دیا جاتا۔ اس نظام کا یہ اثر ہُوا کہ شاہی خاندان میں خلافت کے لئے رقیبانہ کشمکش شروع ہو گئی اور حریف کے مقابلہ میں خلافت کا منصب حاصل کرنے کے لئے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے تھے۔ یہ مرض سپہ سالاروں اور گورنروں تک متعدی ہو گیا تھا۔ حکومت بنی اُمیہ کے زوال کا سب سے بڑا سبب یہی کشاکش ہوئی تھی۔

سید امیر علی کے الفاظ میں "بنی اُمیہ کے عہد میں مطلق العنان فرمانروائی کے نظریہ پر حکومت

The Calaphate. P.25. ۱ے

Amir Ali, A Short History of the Suracens. P.18. ۲ے

Syed Amir Ali, P.P. 405-406. ۳ے

کی بنیاد تھی اس میں تقریر کی آزادی تھی جو خانہ بدوش عربوں، علماء اور مذہبی طبقہ کی فطرت میں داخل تھی، تقریر کی اس آزادی کی بناء پر وہ حکومت کے دستور پر احتجاج کرتے تھے، اور خلیفہ کے رویہ میں تبدیلی پیدا کرا لیتے تھے۔ یہ آزادیٔ تقریر انہیں قرآنی نظریہ "حق بات نہ چھپاؤ" نے دے رکھی تھی، اس لئے خلفاء اس آزادی کو ان سے سلب نہیں کر سکتے تھے۔

رجب ۶۰ھ میں یزید تختِ خلافت پر متمکن ہوا، اس وقت اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ان لوگوں سے بیعت لینے کے احکام جاری کر دیے جنہوں نے اس کے باپ امیر معاویہؓ کے عہد میں اس سے انکار کیا تھا، ان لوگوں میں قابلِ ذکر عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، حسین بن علیؓ، عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ تھے۔ ان میں عبداللہ بن عباسؓ نے اس کی بیعت کر لی مگر حضرت امام حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے بیعت سے انکار کر دیا اور مدینہ سے نکل آئے تھے۔ اس اثنا میں امام حسینؓ کے پاس اہل کوفہ کے خطوط آئے جس میں انہیں عرا[illegible] اُن کی دعوت کو قبول کیا اور کربلا کا روح گداز واقعہ پیش آیا، جس میں آپ کو شہادت نصیب ہوئی اس شہادت نے شیعیت کے اندر روح پھونک دی اور ان میں مرکزیت پیدا ہو گئی۔ اب تک شیعیت محض ایک سیاسی نظریہ کی حیثیت رکھتی تھی۔ واقعۂ کربلا کے بعد اس نے عملی شکل اختیار کر لی۔ اور بنی اُمیہ اور علویوں کے درمیان عداوت کی ایک وسیع خلیج حائل ہو گئی۔

کربلا کے ماتم انگیز واقعہ کے بعد یزید کے حکم سے مسلم بن عقبہ مری نے مدینہ منورہ کا "حرّہ" کی جانب سے محاصرہ کر لیا اور فتح کرنے کے تین روز بعد تک عام لوٹ مار کی اجازت دیدی۔ کیونکہ مدینہ والوں نے یزید کی بیعت سے نفرت کا اظہار کیا، اس کے گورنر کو معزول کر دیا اور مدینہ میں مقیم بنی اُمیہ کو ستایا، یہ وہ فردِ جرم ہے جو یزید کی حکومت نے اہل مدینہ پر لگائی تھی اس واقعہ کے چند روز بعد یزید کے جنرل حصیص بن نمیر نے مکہ کا محاصرہ کر لیا۔ مقصد یزید کے خلاف اس شورش کا دبانا قرار دیا گیا جو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اُٹھائی تھی۔ یہ بیان کرنے کی شاید حاجت نہیں کہ حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد مکہ میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے خلافت کا دعویٰ کیا تھا۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

معاویہ ثانی یزید کی موت مکہ کے محاصرہ کے زمانہ میں واقع ہوئی۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا معاویہ ثانی اس کا جانشین بنایا گیا جو چالیس روز کے بعد خلافت سے دست بردار ہو گیا۔ اور اس مسئلہ کو جمہور کے فیصلہ پر چھوڑ دیا۔ اس نے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا "انتخاب خلیفہ کا حق صرف تم لوگوں کو حاصل ہے۔ جس کو مناسب سمجھو اپنا خلیفہ بنا لو" اس وقت منبر پر کھڑے ہو کر اس نے حسب ذیل تقریر کی۔

"لوگو! میرے دادا امیر معاویہؓ نے اس شخص سے حریفانہ مقابلہ کیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ دار ہونے کی وجہ سے ان سے زیادہ خلافت کا مستحق تھا، میرا اشارہ حضرت علیؓ کی طرف ہے تم جانتے ہو، انہوں نے سب کچھ تمہارے بل بوتے پر کیا تھا وہ اپنی راہ گئے اور گناہوں کی گٹھری قبر میں ساتھ لے گئے ان کی موت کے بعد میرے باپ یزید نے خلافت حاصل کی حالانکہ وہ اس کا اہل نہ تھا۔ اُس نے اپنی نفسانی خواہشات پر عمل کیا، لیکن موت نے زیادہ دن تک اس کو موقع نہ دیا [illegible]"

UNREGISTERED VERSION

اس کے بعد آنسو [illegible] تقریر جاری رکھتے ہوئے مزید کہا:

www.avs4you.com

"ہمارے لئے سب سے زیادہ تکلیف دہ یہ احساس ہے کہ ان (والد) کا انجام بد ہے، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے لوگوں کو شہید کیا، حرم میں خونریزی کی، کعبہ کی بے حرمتی کی اور اُسے خراب کیا، میں اس بارِ خلافت کا متحمل نہیں ہو سکتا، مشورہ کر کے کسی دوسرے کو خلیفہ منتخب کر لو۔"

خلافت سے دست برداری کے بعد اس نے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی اور چند روز کے بعد اسی سال اس کا انتقال ہو گیا۔

مروان بن حکم کا انتخاب معاویہ ثانی کی وفات کے بعد خلافت کے بارے میں شامی عربوں میں نزاع پیدا ہوا۔ قبیلہ قیس جو بنی اُمیہ کی حکومت سے بیزار تھا۔ ضحاک بن قیس فہری کی سرکردگی میں "مرج راہط" (دمشق میں ایک موضع) کے مقام پر جمع ہوا اور اس نے عبداللہ بن زبیرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ دوسری طرف قبیلہ کلب "جابیہ" (دمشق میں ایک موضع) کے مقام پر اکٹھا ہوا، ان میں سے ایک فریق کا رجحان خالد بن یزید بن معاویہؓ کی طرف تھا۔

دوسرا فریق مروان بن حکم بن عاص کی طرف مائل تھا۔ پھر پہلے فریق نے اس خیال سے کہ خالد بن یزید یا دوسرے لفظوں میں ابوسفیانؓ کی شاخ میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ عبداللہ بن زبیرؓ کا مقابلہ کر سکے۔ اس لئے سب نے بالاتفاق مروان کی عمر و سن کا لحاظ کر کے اس شرط پر اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی کہ اس کے جانشین خالد بن یزید اور عمر بن عاص حسب ترتیب ہونگے مروان زیادہ مدت زندہ نہیں رہا۔ ۶۵ھ میں اس کا انتقال ہوگیا۔ مگر موت سے قبل اس نے خلافت کے لئے اپنے دونوں بیٹوں عبدالملک اور عبدالعزیز کو اپنا جانشین ترتیب وار مقرر کر دیا تھا۔

دوسرے الفاظ میں اس نے اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی تھی، جو جابیہ کے مقام پر ہوا تھا جس میں خالد بن یزید اور عمر بن عاص کو علی الترتیب جانشین مقرر کئے جانے کا عہد و پیمان کیا تھا۔

عبدالملک بن مروان | عبدالملک بن مروان کے زمانہ سے بادشاہ کی شان و شوکت اور دربار کے جاہ و جلال کا آغاز ہوا۔ عبدالملک اور اس کے جانشینوں نے تمام وہ درباری کروفر اور لوازمات

UNREGISTERED VERSION

اختیار کئے جو ساسانی بادشاہوں کا طغرہ امتیاز تھے۔ خلیفہ تخت شاہی پر جلوہ فرما ہوتا تھا دائیں

www.avs4you.com

جانب امراء کی نشست [illegible] شاہی محل کے ممتاز افراد بیٹھتے تھے۔ سامنے کھڑے ہو کر سلاطین کے سفراء، شعراء، اہل قلم اور فقہاء وغیرہ اپنی اپنی عرضداشتیں پیش کرتے تھے۔ بقول بلاذری کے الفاظ میں۔

"عبدالملک بن مروان سب سے پہلا خلیفہ تھا جس نے جاہ و جبروت کے تمام لوازمات اختیار کئے تھے"

ولید و سلیمان | عبدالملک کے بعد اس کے بیٹے ولید اور سلیمان خلیفہ ہوئے۔ ولید کی خلافت کی مدت ۸۶ھ سے ۹۶ھ ۷۰۵ء، ۷۱۵ء ہے۔ سلیمان کا دور خلافت ۹۶-۹۹ھ ۷۱۵ء-۷۱۷ء تک قائم رہا۔ سلیمان کے دور کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ امراء بنی امیہ عیش و عشرت اور لہو و لعب میں سرمست تھے۔

عمر بن عبدالعزیزؒ | سلیمان بن عبدالملک جب بیمار پڑا تو اس نے اپنے بیٹوں کو جانشین مقرر کرنے کا ارادہ کیا۔ سالم سدی نے جو اس کا نہایت معتمد امیر تھا، اس ارادہ سے منع کیا اور مشورہ دیا کہ کسی نیک شخص کو خلیفہ مقرر کیجئے۔ سلیمان نے عمر بن عبدالعزیزؒ کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے

ان کی بیحد تعریف کی۔ سلیمان نے خلافت کا فرمان عمر بن عبدالعزیزؒ کے نام لکھ دیا اور مہر لگادی۔ یہ واقعہ "دیر سمعان" میں پیش آیا جو حمص کا ایک صوبہ تھا۔[1]

سلیمان نے اپنے اہل بیعت کو بلایا اور کہا اس فرمان میں جس شخص کی خلافت کے بارے میں میں نے تحریر کیا ہے۔ اس کی بیعت کرو، نام نہیں بتایا، سب نے اس حکم کی تعمیل کی اور بیعت کرلی۔ سلیمان کا جب انتقال ہوگیا، تو سالم سدی نے سلیمان کے خاندان کو جمع کیا اور ان سے وفات کی خبر کو پوشیدہ رکھتے ہوئے کہا "ایک دفعہ اور بیعت کرو"، انہوں نے بلا تامل بیعت کرلی جب اس نے پوری طرح سے اطمینان کرلیا تو سلیمان کی موت کا اعلان کر دیا۔[2] اور سب نے بلا تامل بیعت کرلی۔ صرف عبدالملک کے دو بیٹوں سعید اور ہشام نے بیعت نہیں کی تھی۔

یہ مسعودی اور الفخری کی روایت تھی۔ سیوطی کا بیان ہے "سلیمان کی نظر میں بنی اُمیہ کے اندر عمر بن عبدالعزیزؒ سے زیادہ خلافت کا اہل کوئی دوسرا نہ تھا۔ اس کی وجہ ان کا زہد و تقویٰ، ناموس دین کا احساس اور [illegible] ولید نے اپنے بھائی سلیمان کو خلافت سے محروم کر کے اپنے بیٹے کو جانشین مقرر کرنے کا ارادہ کیا تھا، حالانکہ عبدالملک نے ولید کے بعد سلیمان کو ولی عہد مقرر کیا تھا، اکثر ممتاز امراء طوعاً و کرہاً اس کے ہم آہنگ بھی ہوگئے تھے۔ اس وقت صرف عمر بن عبدالعزیزؒ کی ذات تھی جس نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا تھا "ہم نے سلیمان کی بیعت کر رکھی ہے! ولید نے اس جرم میں انہیں محبوس کر دیا تھا۔ اس واقعہ سے سلیمان بے خبر نہ تھا۔ سچ پوچھیے تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی جانشینی سلیمان کی طرف سے اس احسان کا عملی طور سے اعتراف تھا۔

عمر بن عبدالعزیزؒ کا دورِ خلافت ۹۹-۱۰۱ھ ؁۷۱۷ء-؁۷۲۰ء تک قائم رہا، ان میں اور خلفاءِ بنی اُمیہ میں بہت فرق تھا "وہ اس قرن کی عالمگیر مذہبی تاریکی اور گمراہی میں ایک نیرِ درخشاں تھے یہ وہ زمانہ تھا جب جبر و استبداد اور خونریزی کا دورہ تھا"[3] سیوطی کی رائے میں خلفاء صرف تین ہیں ابوبکرؓ، عمرؓ اور عمر بن عبدالعزیزؒ۔[4]

مسلمان عمر بن عبدالعزیزؒ کو عدل و انصاف اور زہد و تقویٰ کے اعتبار سے حضرت عمرؓ کے ہم پلہ

۱؎ المسعودی مروج الذہب ج ۲ ص ۱۶۷ ۲؎ الفخری ص ۱۱۷
۳؎ Nicholson, Lit. History of the Arabs ۴؎ تاریخ الخلفاء ص ۱۵۳

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

خیال کرتے ہیں، ان کے اس ہمہ گیر احترام اور ادب کا نتیجہ تھا کہ عباسیوں نے صرف عمر بن عبدالعزیزؒ کی قبر کو چھوڑ دیا تھا اور باقی تمام بنی امیہ کے خلفاء کی قبروں کی بے حرمتی کی تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی صفات، نفسی رجحانات اور سیاسی پالیسی کا وہ خطبہ آئینہ دار ہے جو آپ نے خلیفہ ہونے کے بعد دیا تھا، اس میں آپ نے فرمایا تھا:

"لوگو! قرآن کے بعد کوئی اور کتاب آسمان سے نہیں نازل ہو گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اور کوئی نبی مبعوث نہیں ہو گا۔ میں مقنن نہیں ہوں، صرف قانون کا نافذ کرنے والا ہوں، میں کسی نئی بات کو رواج نہیں دوں گا۔ مگر اپنے بزرگوں کی تقلید کروں گا۔ میں تم میں سے کسی فرد سے بہتر نہیں ہوں، ہاں! میرے کاندھوں پر بوجھ (بار خلافت) ضرور، تم سب سے زیادہ ہے۔ یاد رکھو! خدا کی نافرمانی میں بندے کی کوئی بھلائی نہیں ہے۔"

خلافت بنی امیہ کا زوال | حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے بعد عبدالملک کے بیٹے یزید ۱۰۱-۱۰۵ھ ۷۲۰-۷۲۴ء [illegible] و لعب اور عورتوں کے ساتھ دلچسپی لینے میں امتیازی حیثیت رکھتا تھا۔ ہشام کی فطرت اس کے بالکل برعکس تھی، وہ نہایت دانشمندانہ، بردبار اور پاکباز تھا، حسن سیاست اور تدبر کے لحاظ سے اس کی سطح بہت بلند تھی۔ ارباب بصیرت کا قول ہے، بنی امیہ میں سیاست داں صرف تین ہوئے ہیں۔ امیر معاویہؓ، عبدالملک اور ہشام۔ مسعودی کا بیان ہے، منصور عباسی کا دستور حکومت اور نظم و نسق ہشام کی سیاست اور لائحہ عمل پر مبنی تھا۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

ہشام بن عبدالملک کے بعد بنی امیہ کی بنیادیں ہلنے لگیں۔ ولید بن یزید (۱۲۵ھ ۷۴۳ء) عیش و نشاط اور لہو و لعب میں بدمست تھا۔ یزید ثالث اور ابراہیم کے زمانہ میں بنی امیہ کی بنیادیں اور کھوکھلی ہو گئی تھیں۔ ابراہیم یزید کی موت کے بعد خلیفہ ضرور تھا۔ مگر اس کی حیثیت کچھ نہ تھی۔ مورخین نے ان الفاظ میں اس کا خاکہ اتارا ہے۔

"بعض لوگ محض خلافت کے لحاظ کی وجہ سے سلام کر لیتے، بعض لوگ امارت کی وجہ سے خوشامدانہ سلام کر لیا کرتے تھے بعض لوگ سلام نہ کرتے۔ ان کی نظر میں ان دونوں چیزوں میں سے کسی کی اہمیت نہ تھی"[1]

---

[1] الفخری۔ ص ۱۴۳

تھوڑی مدت کے بعد اسے مروان بن محمد نے قتل کر دیا اور اس کے حامیوں کو عبرتناک سزائیں دیں، اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ نزاری اور قحطانی قبائل میں عصبیت کا جذبہ بھڑک اُٹھا۔ مروان نے یمنیوں کے مقابلہ میں نزاریوں کے ساتھ اپنا رشتہ مواخاۃ قائم کر لیا اس کی وجہ سے یمنی مروان سے برگشتہ ہو گئے اور انہوں نے دعوتِ عباسیہ کو تقویت پہنچائی۔

دمشق میں مروان بن محمد (سنہ ۱۲۷-۱۳۲ھ ، سنہ ۷۴۴-۷۴۹ء) کی بیعت کی رسم ادا ہوئی۔ اس کے عہد میں فتنوں اور شورشوں کا دروازہ کھُل گیا اور نہایت آزادی سے شیعہ اپنے خیالات اور عقائد کی تبلیغ کرنے لگے، مہدی کا عقیدہ بھی اسی زمانہ میں ظہور میں آیا جسے بنی امیہ کے زوال میں بہت بڑا دخل ہے، الجزیرہ، فلسطین، یمن اور حضر موت میں خوارج بھی کثرت سے پھیل گئے اور بنی اُمیہ کے خلاف رائے عامہ کو بھڑکانے لگے، ابھی ان مصیبتوں نے دم نہ لیا تھا کہ بنی عباس کی دعوت کا آغاز ہو گیا۔ اس سازش کا انکشاف ایک خط کے ذریعہ ہُوا، جو مروان بن محمد کے ہاتھ لگ گیا تھا، یہ خط امام ابراہیم (حضرت عباسؓ کے خاندان کے ایک فرد) نے ابی سلمہ خلال کے نام بھیجا تھا، جو اُن کی [illegible] کے قیام کے لئے زمین تیار کر رہا تھا۔ مروان نے امام ابراہیم کو قتل کروا دیا۔ ابراہیم نے آخری وقت اپنے خاندان کو "کوفہ" چلے جانے کی وصیت کی اور اپنا جانشین اپنے بھائی ابوالعباس اور ابو جعفر کو علی الترتیب مقرر کر دیا۔ عباسیوں نے اپنی دعوت کا مرکز بلاد خراسان کو بنا لیا تھا، وجہ یہ تھی کہ وہ بنی امیہ کے حاکموں سے بیزار تھے اور اُن کی غلامی کا جوا اُتارنے کے لئے موقع کی تلاش میں تھے۔

ابو مسلم خراسانی نے اپنی سیاست کاری اور غیر معمولی تدبر سے ان ممالک کے قبائل عربیہ میں اختلاف پیدا کرا دیا۔ جب اُسے یہ اطمینان ہو گیا کہ عرب اب ایک مرکز پر کسی حالت میں جمع نہیں ہو سکتے تو نصر بن سیّار پر جو بنی اُمیہ کا ان بلاد میں حاکم تھا، یورش کر دی اور اسے شکست دی۔ یہاں سے ابو مسلم نے عراق کا رُخ کیا اور کوفہ میں داخل ہو گیا، وہاں اس نے ابوالعباس سفاح کی خلافت کا اعلان کر دیا سفاح نے اپنے چچا عبداللہ بن علی کو مروان بن محمد پر چڑھائی کرنے کیلئے روانہ کیا مروان سے "زاب" کے مقام پر مقابلہ ہُوا، مروان نے میدان چھوڑ دیا، عبداللہ بن علی نے فسطاط تک پیچھا کیا اس جگہ اس نے اپنے بھائی صالح بن علی کو فوج کی کمان سپرد کی، جس نے فیوم

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

کے ایک گاؤں "بوصیر" پر مروان کو قتل کر دیا اور اس کا سر سفاح کے پاس کوفہ بھیجدیا مروان کی شکست کے بعد سیاہ علم (عباسیوں کا جھنڈا) دمشق کے قلعوں پر لہرانے لگا اور بنی امیہ کا آفتاب اقبال غروب ہوگیا۔ یہ سنہ ۱۳۲ھ کا انقلاب ہے۔

خلافتِ عبّاسیہ

(۱۳۲-۶۵۶ھ = ۷۵۰-۱۲۵۸ء)

خلفاءِ عباسیہ

۱	سنہ ۱۳۲ھ	سفاح	سنہ ۷۵۰ء
۲	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۳	سنہ ۱۵۸ھ	مہدی	سنہ ۷۷۵ء
۴	سنہ ۱۶۹ھ	ہادی	سنہ ۷۸۵ء
۵	سنہ ۱۷۰ھ	ہارون الرشید	سنہ ۷۸۶ء
۶	سنہ ۱۹۳ھ	امین	سنہ ۸۰۹ء
۷	سنہ ۱۹۸ھ	مامون	سنہ ۸۱۳ء
۸	سنہ ۲۱۸ھ	معتصم	سنہ ۸۳۳ء
۹	سنہ ۲۲۷ھ	واثق	سنہ ۸۴۲ء
۱۰	سنہ ۲۳۲ھ	متوکل	سنہ ۸۴۷ء
۱۱	سنہ ۲۴۷ھ	منتصر	سنہ ۸۶۱ء
۱۲	سنہ ۲۴۸ھ	مستعین	سنہ ۸۶۲ء
۱۳	سنہ ۲۵۲ھ	معتز	سنہ ۸۶۶ء
۱۴	سنہ ۲۵۵ھ	مہتدی	سنہ ۸۶۹ء

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

۱۵	سنہ ۲۵۶ھ	معتمد	سنہ ۸۷۰ء
۱۶	سنہ ۲۷۹ھ	معتضد	سنہ ۸۹۲ء
۱۷	سنہ ۲۸۹ھ	مکتفی	سنہ ۹۰۲ء
۱۸	سنہ ۲۹۵ھ	مقتدر	سنہ ۹۰۸ء
۱۹	سنہ ۳۲۰ھ	قاہر	سنہ ۹۳۲ء
۲۰	سنہ ۳۲۲ھ	راضی	سنہ ۹۳۴ء
۲۱	سنہ ۳۲۹ھ	متقی	سنہ ۹۴۰ء
۲۲	سنہ ۳۳۳ھ	مستکفی	سنہ ۹۴۴ء
۲۳	سنہ ۳۳۴ھ	مطیع	سنہ ۹۴۶ء
۲۴	سنہ ۳۶۳ھ	طائع	سنہ ۹۷۴ء
۲۵	[illegible]	قادر	سنہ ۹۹۱ء
۲۶	سنہ ۴۲۲ھ	قائم	سنہ ۱۰۳۱ء
۲۷	سنہ ۴۶۷ھ	مقتدی	سنہ ۱۰۷۵ء
۲۸	سنہ ۴۸۷ھ	مستظہر	سنہ ۱۰۹۴ء
۲۹	سنہ ۵۱۲ھ	مسترشد	سنہ ۱۱۱۸ء
۳۰	سنہ ۵۲۹ھ	راشد	سنہ ۱۱۳۵ء
۳۱	سنہ ۵۳۰ھ	مقتفی	سنہ ۱۱۳۶ء
۳۲	سنہ ۵۵۵ھ	مستنجد	سنہ ۱۱۶۱ء
۳۳	سنہ ۵۶۶ھ	مستضی	سنہ ۱۱۷۰ء
۳۴	سنہ ۵۷۵ھ	ناصر	سنہ ۱۱۸۰ء
۳۵	سنہ ۶۲۲ھ	ظاہر	سنہ ۱۲۲۵ء
۳۶	سنہ ۶۲۳ھ	مستنصر	سنہ ۱۲۲۶ء
۳۷	۶۴۰-۶۵۶ھ	مستعصم	۱۲۴۲-۱۲۵۸ء

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

عباسؓ

عبداللہؓ

علی

سلیمان — موسیٰ — عبداللہ — محمد

(محمد:) ابراہیم — ۱۔ سفاح — ۲۔ منصور

(۲۔ منصور:) ۳۔ مہدی

(۳۔ مہدی:) ۴ ہادی — ۵۔ ہارون — منصور — ابراہیم
(ابراہیم:) اس نے خلافت کا دعویٰ کیا تھا۔ ۲۰۲۔۲۰۳ھ

(۵۔ ہارون:) قاسم — ۸۔ معتصم — ۷۔ مامون — ۶۔ امین

(۸۔ معتصم:) ۱۰۔ متوکل — ۹۔ واثق — محمد

(محمد:) مستعین [illegible]

(۹۔ واثق:) [illegible]

(۱۰۔ متوکل:) موفق — [illegible] — [illegible] — [illegible]

(موفق:) ۱۶۔ معتضد

مفوض — ابن المعتز

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

(۱۶۔ معتضد:) ۱۹۔ قاہر — ۱۸۔ مقتدر — ۱۷۔ مکتفی

(۱۷۔ مکتفی:) ۲۲۔ مستکفی

(۱۸۔ مقتدر:) ۲۰۔ راضی — ۲۱۔ متقی — ۲۳۔ مطیع

(۲۳۔ مطیع:) ۲۴۔ طائع

۲۵۔ قادر

۲۶۔ قائم

۲۷۔ مقتدی

۲۸۔ مستظہر

(۲۸۔ مستظہر:) ۳۱۔ مقتفی — ۲۹۔ مسترشد

(۲۹۔ مسترشد:) ۳۰۔ راشد

(۳۱۔ مقتفی:) ۳۲۔ مستنجد

۳۳۔ مستضی

۳۴۔ ناصر

۳۵۔ ظاہر

۳۶۔ مستنصر (خلیفہ عباسی مصر میں)

۳۷۔ مستعصم

خلافت عباسیہ کے امتیازات

پہلے بیان کیا گیا ہے کہ بنی اُمیہ کا آفتاب حکومت ۱۳۲ھ (۷۵۰ء) میں "زاب" کے معرکہ میں غروب ہو گیا اور بنی عباسیہ کا دور شروع ہوا۔ بنی عباسیہ نے نہایت شان و شوکت کے ساتھ پانچ صدیوں تک فرمانروائی کی ۱۳۲ھ میں ان کا مؤسس سفاح تخت نشین ہوا اور ۶۵۶ھ میں تاتاریوں نے بغداد میں عباسیہ کا جنازہ دفنا دیا۔ "یہ نہایت عظیم الشان حکومت تھی، اس کی عالمگیر حکومت کی سیاست کا امتزاج مذہب و ملوکیت دونوں سے تھا، نیک اور اچھے افراد اس کی اطاعت اس کی دین پرستی و مذہب نوازی کی وجہ سے کرتے تھے اور باقی لوگ اس کے ہیبت و جلال یا اپنے حرص و طمع کی وجہ سے اس کے سامنے سر جھکاتے تھے[1]

عباسیہ کے قیام حکومت کے بعد لازمی طور پہ نظام حکومت بھی بدل گیا، وجہ یہ تھی کہ اس کی بنیاد ایرانیوں کے کاندھے پر رکھی گئی تھی جو بنی امیہ سے اس لئے ناراض تھے کہ انہوں نے اجتما [illegible] وجود قرآن و حدیث کی تعلیم کے مساویانہ حقوق سے انہیں محروم کر دیا تھا۔ موروثی حکومت کا طریقہ بنی امیہ کی طرح عباسیہ میں بھی قائم رہا۔ اور آل علی سے جن کا اعتقاد تھا کہ شرعی خلافت کے حقدار درحقیقت ہم ہیں، عباسیہ کا بھی مقابلہ رہا اور بنی امیہ کی طرح عباسیہ نے بھی ان کے استیصال اور ان کی تحریک کو کچلنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔

خلافت عباسیہ کا قیام ایرانیوں کے ہاتھوں عمل میں آیا تھا جو بادشاہوں کے خداداد حق فرمانروائی (The Divine Right of Kings) کے قائل تھے اس نظریہ کا مقصد یہ تھا کہ جس شخص کو شاہی خاندان سے کوئی نسلی تعلق نہ ہو وہ حکومت کا مستحق نہیں ہے۔ اگر وہ حکومت پہ قابض ہو گیا تو اس کو غاصب سمجھا جائے گا۔ اس نظریہ کا یہ اثر تھا، کہ عباسی خلفاء یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ان کو فرمانروائی کا حق خدا کی جانب سے عطا ہوا ہے قوم کا عطا کردہ نہیں ہے۔ منصور کے یہ الفاظ اس حقیقت پر روشنی ڈالتے ہیں "میں دنیا میں خدا کی طرف سے فرمانروا ہوں" یہ نظریۂ حکومت خلافت راشدہ کے نظریہ سے مختلف تھا۔ خلفاء راشدین رض کا نظریہ یہ تھا "کہ قوم نے انہیں فرمانروائی کا حق دیا ہے"۔ حضرت ابوبکر رض کے وہ

---

[1] الفخری ص ۱۲۵

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

الفاظ اس دعوے کی واضح دلیل ہیں، جو بیعتِ خلافت کے بعد آپ نے خطبہ میں فرمائے تھے "اگر اچھے کام کروں تو ہمت افزائی کرنا، اگر سیدھے راستے سے بھٹک جاؤں تو تلوار سے مجھے سیدھا کرنا"، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بیعتِ خلافت کے بعد اپنی سیاسی پالیسی کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا تھا: میں تم میں سے کسی سے بہتر نہیں ہوں، اتنا ضرور ہے کہ تم سب سے زیادہ مجھ پر بارِ گراں ڈال دیا گیا ہے۔ سیّد امیر علی کا بیان ہے:-

"بنی عباسیہ میں ہارون الرشید کے عہد تک نظامِ حکومت استبدادی رہا۔ خلیفہ مطلق العنان فرمانروا تھا اور حکومت کے چھوٹے بڑے تمام امور میں آخری فیصلہ کرنے کا اسی کو حق حاصل تھا۔ نجی طور سے محکمہ جات کے افسروں اور شاہی گھرانے کے ممتاز افراد سے کبھی کبھی مشورہ ضرور لے لیا جاتا تھا مگر اس کی حیثیت سرکاری نہ تھی۔"

[illegible] ایرانی اثرات کا نتیجہ یہ ہوا کہ نظامِ حکومت

UNREGISTERED VERSION

آلِ ساسان کے دستورِ حکومت میں ڈھل گیا۔ پامر (Palmer) عباسیوں کے نظامِ حکومت پر تبصرہ کرتے ہوئے بیان کرتا ہے [illegible] کے استحکام کیلئے ایرانیوں

www.avs4you.com

کا اثر و اقتدار بڑھا دیا، اس لئے طبعی طور سے حکومت کے نظم و نسق پر ایرانی نظریے کارفرما تھے۔ چنانچہ ایک ایرانی النسل وزیر حکومت کے نظم و نسق میں پورے طور پر دخیل ہوتا تھا اور نظامِ حکومت وہی تھا جو آلِ ساسان نے اپنے دورِ شہنشاہیت میں قائم کیا تھا۔[1]

اس ایرانی اثر و نفوذ کا یہ نتیجہ تھا کہ یہ خلفاء مطلق العنان فرمانروا بن گئے تھے۔ رعایا کے تاب و دماغ پر ان کی حکومت تھی۔ خلیفہ عام رعایا کی نظروں سے اوجھل رہتا تھا۔ وزیروں کے تقرر کی رسم اسی دور میں پڑی۔ دربار میں ہیبت و جلال کے لئے ننگی شمشیریں لئے ہوئے باڈی گارڈ آس پاس کھڑے رہتے تھے۔ امراء دولت نے ایرانی لباس اور رسم و رواج اختیار کر لئے تھے۔ نوروز مرجانی وغیرہ کے موقعوں پر شاہانہ جشنِ مسرت منائے جاتے تھے۔ غرض عباسی خلفائے اپنی زندگی اور اپنے ماحول کو بالکل ساسانی فرمانرواؤں کی زندگی اور ماحول میں تبدیل کر دیا تھا۔ ان کے گرد و پیش جاہ و جبروت کے وہ تمام لوازم موجود تھے جو ساسانیوں کے طغرائے امتیاز تھے۔ ان کے دربار میں باریاب ہونے والوں کا فرض تھا کہ جھک جائیں زمین بوس

[1] Palmer, Haroun-ul-Raschid (London) 1881. P. 37, 38.

ہوں، اور جب پاس پہنچیں تو خلیفہ کی چادر کو بوسہ دیں مگر یہ شرف صرف حکومت کے ممتاز اشخاص کو حاصل تھا۔

دوسری طرف خلافت کی تاج پوشی یا مذہبی مجالس میں شرکت کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ردائے اقدس کو خلیفہ زیبِ تن کیا کرتا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام کی حیثیت کو اور نمایاں کرنے کے لئے خلیفہ عباسی کو "امام" کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا تھا۔ حالانکہ خلفائے راشدین کے عہد اور بنی اُمیہ کے دور میں اس لقب کا اطلاق صرف اس شخص پر ہوتا تھا جو نماز میں لوگوں کی امامت کرتا تھا۔ شیعہ البتہ اہل بیت کو جن کو وہ خلافت کا سب سے زیادہ مستحق سمجھتے تھے امام کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ عباسیوں نے اپنے نظریۂ حکومت فرمانروائی کے خداداد حق کی نشر و تبلیغ کے لئے علماء اور ممتاز مذہبی افراد کو مقربِ بارگاہ بنا لیا تھا [illegible] طور سے کار فرما رہا۔

ولی عہدی عہدِ عباسیہ [illegible] نہ صرف جاری رہی بلکہ اس سلسلہ میں وہ بنی اُمیہ سے بھی چند قدم آگے تھے۔ سفاح (۱۳۲-۱۳۶ھ) نے اپنے بھائی منصور (۱۳۶-۱۵۸ھ) اور اپنے بھتیجے عیسٰی بن موسیٰ کو یکے بعد دیگرے ولی عہد مقرر کیا تھا جب منصور خلیفہ ہوا تو اس نے اس خیال سے کہ میرا بیٹا مہدی بوڑھا ہوا جا رہا ہے عیسٰی بن موسیٰ کی جگہ مہدی کے لئے بیعت لے لی اور عیسٰی بن موسیٰ کو اس کے بعد ولی عہد مقرر کر دیا جب مہدی (۱۵۸-۱۶۹ھ) خلیفہ ہوا تو اس نے ہارون کو ولی عہدی سے معزول کر کے اپنے بیٹوں ہادی اور ہارون کو یکے بعد دیگرے ولی عہدی کے لئے نامزد کیا۔

جب ہادی (۱۶۹-۱۷۰ھ) خلیفہ ہوا تو اُس نے ہارون کو ولی عہدی سے برطرف کر کے اپنے فرزند جعفر کے لئے بیعت لینا چاہی اور ہارون پر امرا حکومت کے ذریعہ خلافت سے دستبردار ہونے کے لئے طرح طرح سے دباؤ ڈالا اور اس کی زندگی اجیرن کر دی۔ ہارون ان روحانی اذیتوں سے گھبرا کر بڑی حد تک دستبردار ہونے کے لئے رضامند بھی ہو گیا تھا۔ مگر ہادی کی ناگہانی موت نے اس کی خلافت بال بال بچا لی۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

ہارون رشید (۱۷۰-۱۹۳ھ) نے اپنے تینوں لڑکوں امین، مامون اور قاسم کو ولی عہد مقرر کیا تھا اور اپنی زندگی میں عباسی ریاست (State) کو تین حصوں میں تقسیم کر کے ایک ایک کا ہر بیٹے کو حاکم مقرر کر دیا تھا، ہارون نے مامون کو مشرقی علاقہ دیا جس کا مرکزِ حکومت مرو تھا امین کو عراق دیا گیا اور قاسم کے حصہ میں مغربی علاقہ آیا۔ ہارون نے یہ انتظام اس خیال سے کیا تھا کہ اگر کوئی بھائی ولی عہدی کا حق چھیننے کا ارادہ کرے تو اسے محفوظ رکھنے کے لئے اس کے پاس طاقت ہو۔

ہارون کے مرنے کے بعد اسی تقسیم مملکت کی وجہ سے باہمی جنگوں، پارٹی بندیوں اور داخلی فتنوں کا دروازہ کھل گیا۔ امین (۱۹۳-۱۹۸ھ) نے ارادہ کیا کہ مامون کو معزول کر کے اس کی جگہ اپنے بیٹے کو ولی عہد مقرر کرے۔ اس کا جو انجام ہوا اس سے دنیا واقف ہے، واثق باللہ (۲۲۷-۲۳۲ھ) نے ولی عہدی کے نظام کا خاتمہ کر دیا اور اپنے بیٹے محمد کو ولی عہد نہیں بنایا [illegible] کہا:

خلافت کے بارگراں کو اپنی زندگی میں، میں نے سنبھالا، اب اس کی ذمہ داریاں مرنے کے بعد بھی اپنے سر لینا نہیں چاہتا۔"

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

اس سلسلہ میں اس نے حضرت عمرؓ اور معاویہ ثانی کی تقلید کی۔

واقعات شاہد ہیں کہ ولی عہدی کے اس نظام نے خاندان شاہی میں رقیبانہ کشمکش اور باہمی بغض و عداوت پیدا کر دی تھی اور کامیاب رقیب اپنے حریف کے حامیوں کو نہایت عبرت انگیز سزائیں دیتا تھا، رفتہ رفتہ ان رقابتوں نے خاندانِ خلافت کا شیرازہ پراگندہ کر دیا اور وہ دولتِ عباسیہ کے زوال کا پیش خیمہ بن گئیں۔

سر ٹامس آرنلڈ نے ۸۰۰ء (۱۸۴ھ) کو دولت اسلامیہ کے انتہائی عروج کا زمانہ بتایا ہے اس وقت عباسیہ کا جاہ و جلال، اندلس میں امویوں (۱۳۸ھ = ۷۵۶ء) کی شان و شوکت مغرب اقصیٰ میں ادارسہ (۱۷۲ھ = ۷۸۸ء) کا جاہ و شکوہ اور تونس میں اغالبہ (۱۸۴ھ = ۸۰۰ء) دبدبہ حکومت اپنے آخری نقطہ پر تھا، اسی زمانہ میں شارلمان (Charlemagne) تختِ حکومت پر جلوہ فرما ہوا تھا اور اس نے مقدس رومی سلطنت کی بنیاد ڈالی تھی، اس

زمانہ کے بعد دولتِ عباسیہ کی طاقت منتشر ہونی شروع ہوئی اور نہایت تیزی سے بربادی کی طرف قدم بڑھاتی چلی گئی۔

خلافتِ عباسیہ کا عہدِ زوال (۲۳۲ھ - ۶۵۶ھ) | اس عہد کو تین دوروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) ۲۳۲ھ تا ۳۳۴ھ۔ واثق باللہ کی وفات سے آلِ بویہ کے تسلط تک۔
(۲) ۳۳۴ھ تا ۴۴۷ھ، آلِ بویہ کے تسلط سے سلجوقیوں کے اقتدار تک۔
(۳) ۴۴۷ھ تا ۶۵۶ھ، سلجوقیوں کے اقتدار سے سقوطِ بغداد تک۔

دورِ اوّل

UNREGISTERED VERSION

واثق باللہ کی وفات سے آلِ بویہ کے تسلط تک

www.avs4you.com

متوکل | واثق باللہ کی وفات (۲۳۲ھ) کے بعد عباسی خلیفہ کے وقار و احترام کا جنازہ بھی اُٹھ گیا تھا، یہ متوکل (۲۳۲ھ - ۲۴۷ھ) کی عیش کوشی کا نتیجہ تھا، عباسیہ میں یہ سب سے پہلا عیش پرست خلیفہ تھا۔

متوکل نے اپنی وفات سے کچھ مدت پہلے اپنے بیٹوں منتصر، معتز اور مؤید کو یکے بعد دیگرے ولی عہد مقرر کر دیا تھا۔ پھر خیال پیدا ہوا کہ معتز کا نام منتصر سے پہلے کر دیا جائے، یہ خیال معتز کی ماں سے غیر معمولی محبت کا نتیجہ تھا۔ منتصر کو جب اس کا علم ہُوا تو اس نے ترکوں سے سازباز کی، اور انہیں باپ کے قتل پر آمادہ کر لیا اور ایک شب موقع پا کر متوکل اور اس کے وزیرِ اعظم فتح بن خاقان کا خاتمہ کر دیا۔ یہ ۵ شوال ۲۴۷ھ کا واقعہ ہے۔

منتصر اور معتز | منتصر (۲۴۷ھ - ۲۴۸ھ) جب خلیفہ ہُوا تو اس نے اپنے دونوں بھائیوں معتز اور مؤید کو ولی عہدی سے معزول کر دیا، لیکن وہ تھوڑی ہی مدت میں مر گیا۔ اسکا جانشین

احمد بن محمد بن معتصم ہُوا جو مستعین باللہ (۲۴۸ھ - ۲۵۱ھ) کے لقب سے تختِ خلافت پر بیٹھا" اس کا دورِ حکومت پُر آشوب اور اضطراب انگیز رہا۔ یہ فہم و شعور اور عقل و دانش کے لحاظ سے نہایت معمولی خلیفہ تھا[1]" ترکوں نے تھوڑے عرصہ کے بعد ہی اِسے معزول کر دیا اور اور معتز باللہ (۲۵۲ھ - ۲۵۵ھ) کی بیعت کر لی اور مستعین کو واسط میں نظر بند کر دیا گیا احمد بن طولون کو اس کا نگراں مقرر کیا گیا، اُس نے معزول خلیفہ کے ساتھ اچھا برتاؤ روا رکھا اور اس کو سیر و شکار کی اجازت دیدی کچھ عرصہ بعد بابِ خلافت کے ایک حاجب سعید کی سرکردگی میں ایک فوجی دستہ واسط بھیجا، جس نے اس محبوس خلیفہ کی رُوح کو قیدِ ہستی سے آزاد کر دیا۔

اس وقت خلیفہ ترکوں کے ہاتھ میں ایک کھلونا تھا، اس کی زندگی، اس کی موت اور اُس کی خلافت انہیں کے اختیار میں تھی، امور سلطنت میں اُن کے اثر و نفوذ اور خود خلفا کی حیات و ممات پر ان کے اقتدار کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے۔

UNREGISTERED VERSION

"جب معتز تخت خلافت پر جلوہ افروز ہوا تو امراء دربار نے نجومیوں سے دریافت کیا خلیفہ کی عمر او[illegible] مسخرہ بول اٹھا "یہ ترکوں سے پوچھیے" اس پر دربار میں ایک فرمائشی قہقہہ لگا"[2]

www.avs4you.com

معتز کے عہدِ خلافت میں ترکوں، مغاربہ اور فراغنہ کی شورشیں اُٹھیں اور معتز و باغیوں نے چند سنگ دلوں کے حوالہ کر دیا۔ ان یزیدیوں نے اُسے طرح طرح کی تکلیفیں دیں تین روز تک کھانے پینے کو کچھ نہیں دیا۔ تیسرے روز بڑی لجاجت سے اس نے ایک گھونٹ پانی مانگا، ظالموں نے اس سے بھی انکار کر دیا، تین دن کی ستم ظریفیوں کے بعد ایک ایک تہ خانہ میں بند کر دیا گیا اور اس نے وہیں تڑپ تڑپ کر جان دیدی[3]

مہتدی | معتز کی موت کے بعد مہتدی بن واثق (۲۵۵-۲۵۶ھ) خلیفہ ہُوا، یہ پاکیزہ سیرت، زہد و تقویٰ اور عبادت گزاری کے لحاظ سے نہایت ممتاز خلیفہ تھا، حضرت عمر بن عبد العزیز سے اس کی سیرت بہت ملتی جلتی تھی۔ اس کا قول تھا " مجھے یہ خیال کر کے شرم آتی ہے کہ بنی اُمیہ میں عمر بن عبد العزیز" جیسا موجود ہے، مگر بنی عباس میں اُن جیسا ایک بھی دکھائی نہیں

---

[1] الفخری ص ۲۲۰ [2] الفخری ص ۲۲۱ [3] ابن الاثیر ج ۷، ص ۶۸، ۶۹۔

دیتا ہے: "یہ نہایت عادل تھا، عدالت کی کرسی پر بذاتِ خود بیٹھتا تھا اور عدل و انصاف کرتا تھا، بدقسمتی سے متوکل کے بعد ترک سیاہ و سفید کے مالک بن بیٹھے تھے۔ اس لئے اس خلیفہ کی حیثیت بھی ایک عضو معطل سے زیادہ نہ تھی[۱]۔ تھوڑی مدت بعد ترک اجتماعی طور پر اس کے قتل پر آمادہ ہو گئے۔ الزام یہ تھا کہ اُس نے ان کے چند ہوا خواہوں کو قتل کرا دیا ہے۔ اس جرم" میں نہ صرف اس کو قید اور خلافت سے معزول کر دیا گیا بلکہ طرح طرح کی تکلیفیں دیکر اُسے مار ڈالا گیا[۲]۔

معتمد اور معتضد مہتدی کے بعد معتمد بن متوکل (۲۵۶-۷۹ھ) خلیفہ ہُوا اس کے زمانے میں اس کے بھائی موفق کا اقتدار اتنا بڑھ گیا تھا کہ درحقیقت خلیفہ وُہی تھا، معتمد کا نام ضرور تھا معتمد کے نام کا صرف خطبہ اور سکّہ جاری تھا اور امیر المومنین کا لقب تھا، موفق کل سیاہ و سفید کا مالک تھا، فوجوں کی قیادت، دشمنوں سے لڑائیاں، سرحدوں کا انتظام، وزارت کی ترتیب اور حکومت کے تمام [illegible] ست نہ تھی[۳]۔ اس کی بیچارگی کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ اسے تین سو دینار کی ضرورت پڑی تو اسے خزانے سے مل نہ سکے۔ یہ عباسیہ میں پہلا خلیفہ تھا جو اتنا مجبور و بے بس تھا[۴]۔

موفق کی وفات کے بعد سپہ سالاروں نے جمع ہو کر مفوض بن معتمد، کی بیعت کر لی اور ابوالعباس بن موفق کو ولی عہد مقرر کر دیا۔ مفوض بن معتمد، معتضد باللہ (۲۷۹-۸۹ھ) کے لقب سے خلیفہ ہُوا یہ اپنے پیش رو خلفاء کے برعکس نہایت جاہ و جلال اور ہیبت و دبدبہ کا خلیفہ تھا، اس کے خوف و دہشت کی وجہ سے اس کے دور میں شورشوں اور فتنوں نے دم لیا اور کسی کو سر اُٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔ یہ دور عام فلاح و بہبودی، امن و امان اور عدل و انصاف کا دور تھا۔ معتضد باللہ نے خلافتِ عباسیہ کے بے روح جسم میں جان ڈال دی تھی، اس لئے اسے سفاح ثانی کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

مکتفی معتضد باللہ نے ربیع الآخر ۲۸۹ھ میں وفات پائی۔ اس کی خلافت کی زندگی شرف و کامرانی سے معمور تھی، خلافت کی تمام کمزوریوں کو اس نے دور کیا اور دوبارہ اس کی

---

[۱] الفخری ص ۲۲۶ [۲] تاریخ الخلفاء ص ۲۴۳ [۳] الفخری ص ۲۲۶ [۵] ایضاً

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

ہیبت و قوت میں اتنا بڑا اضافہ ہو گیا کہ بڑی بڑی حکومتیں اس سے لرزنے لگیں خلافت عباسیہ کو اس سے بڑی بڑی امیدیں تھیں مگر افسوس اس کی عمر نے وفا نہ کی اور تھوڑی ہی مدت میں موت نے خلافت کو اس کی شخصیت سے محروم کر دیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا مکتفی باللہ (۲۸۹-۲۹۵ھ) خلیفہ ہوا۔ یہ نہایت فضول خرچ فرمانروا تھا اسے موت نے مہلت نہ دی اور عنفوانِ شباب ہی میں ذیقعدہ ۲۹۵ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

مقتدر | مکتفی کے بعد اس کا بھائی جعفر بن معتضد تیرہ سال کی عمر میں مقتدر باللہ (۲۹۵-۳۲۰ھ) کے لقب سے اس کا جانشین ہوا، اس کا دورِ خلافت داخلی اور خارجی شورشوں سے معمور تھا۔ بدقسمتی سے ابھی جشنِ خلافت کی گرمجوشیاں سرد نہ ہوئی تھیں کہ چند سیاسی خودغرضوں نے اسے محروم کر کے عبداللہ بن معتز کو خلیفہ بنانے کی سازش کی، مقتدر کو علم ہوا تو اس نے عبداللہ کو کچھ مال و دولت دے کر اس پر راضی کر لیا کہ وہ اس پر آمادگی ظاہر نہ کرے ابنِ معتز نے اس کا وعدہ [illegible] کے لئے اُسے دوبارہ آمادہ کر لیا اور مقتدر کو فرار ہونا پڑا، یہ ۲۰ ربیع الاول ۲۹۶ھ کا واقعہ ہے۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

مقتدر کی فراری کے بعد سپہ سالار، قضاۃ اور اعیانِ خلافت جمع ہوئے اور عبداللہ بن معتز کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اسے غالب باللہ کا لقب دیا۔ تھوڑے عرصے بعد مقتدر باللہ نے اپنے حامیوں کے ساتھ بغداد پر چڑھائی کر دی، اس وقت خلیفہ اور اس کے وزیر اور قاضی، سب فرار ہو گئے اور مقتدر باللہ نے دوبارہ خلافت حاصل کر لی۔

مقتدر باللہ کا دورِ خلافت شورش اور اضطراب کا زمانہ تھا، عورتیں امورِ حکومت میں دخیل تھیں۔ ابنِ اثیر کے الفاظ میں

"یہ خلیفہ وزراء کے معزول کرنے، عورتوں اور خادموں کی باتوں کی طرف کان لگانے اور ان کی رائے پر عمل درآمد کرنے میں خاص طور پر مشہور تھا۔"[1]

اس کے عہدِ خلافت میں حکومت کی مشینری پر اس کی ماں "سیدہ" کا قبضہ تھا۔ اس کے اقتدار کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس کا یا اس کی حرم سرا کی مہتممہ کا عتاب وزراء تک کو معزول کر سکتا تھا! یہ باقاعدہ جمعہ کے دن عدالت میں اجلاس کیا کرتی تھی، اس غرض کے لئے اس

[1] ابن الاثیر ج ۸ ص ۲۵

نے رصافہ میں ایک محل تعمیر کرایا تھا۔

خلافت عباسیہ مقتدر کے عہد میں فتنہ و شورش کا محور تھی، ایک خادم سپہ سالار مونس نے ۳۱۷ھ میں بغداد پر چڑھائی کر دی اور خلیفہ بھاگنے پر مجبور ہوا، اس وقت اس نے اور دوسرے امرائے خلافت نے محمد بن معتضد کو قاہر باللہ کے لقب سے خلیفہ بنا لیا نئے خلیفہ کے جشن کی خاکستر ابھی بجھی نہ تھی کہ فوجوں نے تنخواہوں کا مطالبہ کر دیا، ان کا مطالبہ درخور التفات نہیں خیال کیا گیا، نتیجہ یہ ہوا وہ مقتدر باللہ سے مل گئیں اور اُسے نہایت عزت و احترام سے دار الخلافت لائیں اور قاہر باللہ کو تخت سے اُتار دیا۔ یہ مقتدر باللہ کی شرافت تھی کہ اس نے قاہر کو اپنے پاس بلا کر تسلی دی اور کہا تم میری طرف سے مطمئن رہو، تمہارا اس میں کوئی قصور نہیں تھا۔

مقتدر باللہ کا عہد حکومت باوجود اندرونی شورشوں اور بیرونی فتنوں کے شان و شکوہ اور عظمت و [illegible] قیدیوں کے باہمی تبادلہ کی غرض سے بغداد آیا تو خلافت [illegible] کا مظاہرہ کرنے کے لئے ایک نو تعمیر محل میں اس کا وسیع پیمانہ پر خیر مقدم کیا گیا۔ یہ محل "دار الشجرہ" نہایت بیش قیمت فرنیچر سے سجایا گیا تھا، مجلس میں قرینہ سے دروازوں، دہلیزوں، صحنوں اور راستوں پر حاجب اور خادم مامور تھے۔ دورویہ قطاروں میں سپاہی صف بستہ کھڑے تھے۔ ان کا لباس نہایت موزوں اور وقت کے مناسب تھا۔ ان کے گھوڑوں پر زربفت اور دوسری اعلیٰ قسم کی جھولیں پڑی تھیں۔[1]

علامہ سیوطیؒ نے اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے:۔

۳۰۵ھ میں شہنشاہ روم کا سفیر مصالحت کی غرض سے بغداد آیا تھا۔ مقتدر نے بڑے وسیع پیمانہ پر اس کے استقبال کی تیاریاں کی تھیں، باب شماسیہ سے دار الخلافت تک ایک لاکھ ساٹھ ہزار مسلح فوج صف بستہ کھڑی تھی۔ فوج کے آگے سات ہزار خادم دست بستہ کھڑے تھے، ان کے بعد سات سو حاجب کھڑے تھے۔ دار الخلافت کی دیواروں پر اٹھائیس ہزار ریشمی پردے پڑے تھے اور بائیس ہزار دوسرے بیش قیمت اور اعلیٰ قسم کے

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

پردے پڑے تھے.....

مقتدر باللہ دجلہ کے کنارے آبنوس کے تخت پر تاج پہنے جلوہ فرما تھا۔ بدن پر سفید ریشمی لباس تھا جس پر سونے کے کام بنا تھا، تخت پر منقش سنہرا فرش بچھا تھا۔ جس کی جھالر میں تسبیح کے دانوں کے برابر نہایت بیش قیمت جواہرات لٹک رہے تھے۔ سامنے پانچ شہزادے، تین دائیں جانب، دو بائیں جانب بیٹھے تھے اس وقت قاصد اور ترجمان سامنے کھڑے ہوئے اور قاصد نے سجدہ کیا اور مونس خادم اور نصر قشوری کے واسطہ سے جو مقتدر کے ترجمان تھے گفتگو کی۔"

مقتدر باللہ کے عہد خلافت میں داخلی اور خارجی دونوں قسم کی فضا اضطراب انگیز تھی اس کی سب سے بڑی وجہ ترکوں کا حکومت کی مشینری پر غلبہ تھا۔ اس زمانہ میں فوج کے جنرلوں کا عمل دخل اتنا بڑھ گیا تھا کہ خلیفہ کا تقرر اور عزل ان کے اختیار میں تھا، اس وقت وزراء کی کوئی [illegible] سرت اور لطف اندوزیوں میں غرق تھا۔ حکومت کے نظم و نسق میں حرم دخیل تھیں، ان کی کمزوریوں کی وجہ سے اس کے ممتاز امیر مونس خادم کو اتنی جرات ہوئی تھی کہ اس نے دارالخلافت پر چڑھائی کردی اور خلیفہ کو معزول کر دیا۔ دوسری دفعہ خلیفہ کو منصب خلافت حاصل کئے ہوئے ابھی ایک سال بھی نہ ہوا تھا کہ ۳۲۰ھ میں اس نے دوبارہ بربر فوجوں کی امداد سے بغاوت کی اس میں خلیفہ کسی بربری کے ہاتھ سے مارا گیا، بدبخت قاتل نے خلیفہ کا لباس اور سر اُتار لیا اور اس کی عریاں لاش چند روز تک میدان میں اسی حالت میں پڑی رہی۔ یہ چہار شنبہ ۲۷ شوال ۳۲۰ھ کا واقعہ ہے[1]

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

قاہر مقتدر کی شہادت کے بعد محمد قاہر باللہ (۳۲۰-۳۲۲ھ) کے لقب سے خلیفہ ہوا، اس کا عہد بھی شورش و فتنہ کا دور تھا۔ فوج بدستور خلیفہ کی مخالف رہی، کچھ عرصہ بعد اعیانِ خلافت سپہ سالار مونس اور وزیر اعظم ابن مقلہ نے اس خلیفہ کو بھی معزول کر دیا۔ چنانچہ اسے گرفتار کرکے اس کی آنکھوں میں سلائی پھروادی اور نظر بند کر دیا۔ ستم ظریفی کے لئے کبھی اُسے رہا کر دیا جاتا، کبھی اُسے بند کر دیا جاتا۔ قاہر نے ایک دن جامع منصور بغداد میں کھڑے ہو کر

[1] تاریخ الخلفاء ص ۲۵۵۔

لوگوں سے صدقہ کا سوال کیا۔ اس سے اس کا مقصد لوگوں پر مستکفی کے بُرے برتاؤ کو ظاہر کرنا تھا۔ ایک ہاشمی کو یہ دیکھ کر غیرت آئی اور اس نے پانچ سو درہم فوراً دیدیئے اور پھر دست سوال دراز کرنے سے اس کو منع کیا[1]، مستکفی کو اس کا علم ہوا تو باہر نکلنے کی ممانعت کر دی اور آخر عمر تک اسی طرح نظر بند رہا۔ جمادی الاوّل ۳۳۹ھ میں اُس نے زندگی کی ان تلخیوں سے نجات پائی۔ یہ خلیفہ طائع کے عہد کا واقعہ ہے۔

"اِمارتِ عظمیٰ" کا دَور

(۳۲۴ھ ۔ ۳۳۴ھ)

خلیفہ عباسی کے اقتدار کا چوتھی صدی ہجری (دسویں صدی عیسوی) سے قریباً بالکل خاتمہ ہوگیا [illegible] دوسری طرف خودمختار مملکتیں خلافت کے لئے مستقل خطرہ بن رہی تھیں۔ اس وقت فارس میں علی بن بویہ کا جاہ و جلال نصف النہار پر تھا۔ رے، اصفہان اور بلاد الجبل اس کے بھائی حسن بن بویہ کے زیر نگیں تھے۔ بنو حمدان کی موصل، دیار بکر، دیار ربیعہ اور مضر میں خودمختار حکومتیں قائم تھیں مصر اور شام میں محمد بن طغج اخشید کی آزاد مملکت قائم تھی۔ خراسان میں نصر بن احمد سامانی کی خودمختار سلطنت تھی[1]۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

مغرب کی حالت بھی مشرق سے کچھ زیادہ بہتر نہ تھی، عبدالرحمان ثالث اموی (۳۰۰۔۳۵۰ھ) اندلس میں خلیفہ بن بیٹھا تھا اور "امیر المومنین ناصر الدین اللہ" کا لقب اختیار کیا تھا[2]۔ اس زمانہ میں عالمِ اسلامی میں تین خلافتیں قائم تھیں، بغداد میں خلافتِ عباسیہ، بلادِ مغرب میں خلافت فاطمیہ اور اندلس میں خلافتِ امویہ!

راضی (۳۲۲ھ ۔ ۳۲۹ھ) کے ابتدائی دورِ خلافت میں حکومت کا نظم و نسق انتہائی پراگندگی کی حالت میں تھا۔ راضی نے اسے اعتدال پر لانے کے لئے ایک جدید عہدہ "امیر الامراء" قائم

[1] الفخری ص ۲۴۹ [2] ایضاً ص ۲۵۲ [3] تاریخ الخلفاء ص ۲۶۰

کیا اور اسے حکومت کے نظم ونسق کے پورے اختیارات دیدیئے گئے۔ راضی کا مقصد اس نئے عہدہ کے قیام سے ان بڑے بڑے جنرلوں کے اقتدار کا خاتمہ کرنا تھا جو وزرار کے راستہ میں مفاد عامہ اور مملکت کی اصلاحات کے کاموں میں روڑے اٹکاتے تھے۔ اس منصب پر فائز ہونے والا سب سے پہلا شخص بصرہ اور واسط کا گورنر ابن رائق تھا۔ راضی نے اُسے بلا کر نظم مملکت، فوج اور مالیات پر پُورا اختیار دیدیا اور تمام عالم اسلامی میں فرمان جاری کر دیا کہ خطبوں میں اس کا نام بھی لیا جائے۔ اس دن سے وزرار کے عمل دخل کا بالکل خاتمہ ہوگیا اور خلافت "امیر الامراء" اور اس کے فارن سکرٹری کا نام تھا۔ ابن رائق کے بعد جتنے بھی امیر الامرار اس عہدہ پر فائز ہوئے سب کی یہی آمرانہ حیثیت تھی[1]۔

ابن رائق کی حیثیت اس وقت ایک ڈکٹیٹر کی تھی اور خلیفہ اس کے سامنے ایک عضو معطل سے زیادہ نہ تھا رفتہ رفتہ یہ بات خلیفہ کو گراں گذری اور اُس نے ابن رائق کے مقابلہ میں ایک طاقت ور حریف بجکم ٹھہرا کر دیا جس نے اسے اس عہدہ سے ہٹا دیا اور خود اس کی جگہ لے لی اس کا دور "امیر الامراء" [illegible] بجکم [illegible] گیا تھا۔ ابن رائق نے صرف ۳۲۷ھ میں بغداد پر چڑھائی کر دی اور بجکم سے "امیر الامراء" کا عہدہ چھین لیا۔ اس وقت اس نے خلیفہ اور اپنے حریفوں سے جو سلوک کیا ہوگا اُس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

متقی | راضی نے "امیر الامراء" کا عہدہ مملکت کی اصلاح کے لئے قائم کیا تھا لیکن نتیجہ اُمید کے خلاف نکلا اور اس کی وجہ سے مملکت کا شیرازہ اور پراگندہ ہوگیا۔ راضی اور متقی (۳۲۹ھ ۔ ۳۳۳ھ) کے ایام خلافت کا جائزہ لیجئے تو شورش، فتنوں اور باہمی رقابتوں سے معمور نظر آئے گا۔ یہ وہ زمانہ ہے جب بنی بویہ بغداد میں داخل ہوئے تھے اور خلیفہ اور امیر الامرار کے علی الرغم امور نظم ونسق مملکت پر بلاشرکت غیرے قابض ہوگئے تھے۔ سب سے پہلے حصول اقتدار اور منصب امیر الامرار کے لئے ابن رائق اور ابو عبداللہ بریدی صاحب اہواز میں رسہ کشی ہوئی۔ اس میں ابن رائق کامیاب رہا۔ اس کے بعد بجکم نے ابن رائق کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور ۳۲۷ھ میں اس منصب کو چھین لیا۔ لیکن ۳۲۹ھ میں ابن رائق نے پھر بغداد پر چڑھائی کر دی اور بجکم کو قتل کر کے اس عہدہ پر دوبارہ متمکن ہوگیا۔ اب بریدی دوبارہ حریف بن کر

[1] تجارب الامم (ابن مسکویہ) ج ۱ ص ۳۵۱-۳۵۲

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

ابن رائق کے مقابلہ میں آیا اور بغداد پر چڑھائی کردی، اس وقت ابن رائق اور خلیفہ متقی دونوں
کو موصل میں ناصر الدولہ بن حمدانی کے پاس پناہ لینا پڑی۔ ناصر الدولہ نے ابن رائق کو قتل کرادیا۔
اور فوراً اس کے بعد ہی خلیفہ کو ساتھ لے کر بغداد پر چڑھائی کردی اور بریدی کی جگہ خود امیر الامراء
بن بیٹھا۔ یہ اوائل شعبان ۳۳۰ھ کا ذکر ہے لیکن حمدانیوں کا دور بھی (۳۳۰-۳۳۱ھ) زیادہ
دنوں تک بغداد میں قائم نہ رہا اور ان کا عہد بھی پچھلے زمانہ سے کچھ زیادہ بہتر نہ تھا۔ رمضان
۳۳۱ھ میں ایک پولیس افسر توزون ترکی نے ان کو بغداد سے نکال باہر کیا، اور موصل تک
ان کا پیچھا کیا اور خود "امیر الامراء" کے منصب پر فائز ہوگیا۔
توزون کا اقتدار خلیفہ متقی کو گراں تھا اور اس نے اس کے خلاف سازشیں کرنا شروع کیں۔
توزون کو اس کا علم ہوگیا اور اس نے خلیفہ کو حراست میں لے لیا اور اسے معزول کرکے اس کی
جگہ عبداللہ بن مکتفی کو خلیفہ مقرر کردیا اور متقی سے خاتم خلافت لے کر عبداللہ بن مکتفی کے سپرد
UNREGISTERED VERSION
کردی۔ اس کے بعد [illegible] باللہ کی آنکھوں میں سلائی پھروادی گئی۔ متقی کی چیخیں سن کر حرم کی
عورتوں اور خادموں نے شور [illegible] کر دیا، اس ہنگامہ میں
www.avs4you.com
کوئی اس کی چیخ نہ سن سکا۔ مجبوراً اسے اپنے آپ کو عبداللہ بن مکتفی کے رحم و کرم پر چھوڑنا پڑا
یہ صفر ۳۳۳ھ کا واقعہ ہے۔ متقی پچیس ۲۵ برس تک نظر بند رہا اور شعبان ۳۵۷ھ میں وفات پائی۔

مستکفی | متقی کی معزولی کے بعد صفر ۳۳۳ھ میں عبداللہ بن مکتفی کی بیعت لی گئی اور
وہ مستکفی (۳۳۳ھ-۳۳۴ھ) کے لقب سے تخت خلافت پر جلوہ فرما ہوا۔ اس وقت خلافت
عباسیہ کے داخلی اور خارجی دونوں حالات نہایت ناگفتہ بہ تھے، حکومت کی پوری طاقت امیر الامراء
توزون کے ہاتھ میں تھی اور خلیفہ بالکل بے بس تھا۔ مستکفی کے ابتدائی عہد میں توزون مرگیا اور
اس کی جگہ ابوجعفر بن شیرزاد اس عہدہ پر مامور ہوا۔ یہ بھی اپنے پیشرو امیر الامراء سے کچھ کم نہ تھا

کشمکش کا اثر | امیر الامراء کے عہدہ کی کشمکش اور حریفانہ مقابلہ ۳۲۴ھ سے ۳۳۴ھ تک جاری
رہا اس باہمی کشاکش کا بغداد کی رعایا اور ان کی معاشی حالت پر نہایت برا اثر پڑا اور وہ کتے
بلی اور مردار تک کھانے پر مجبور ہوگئے، اس کی وجہ سے جرائم پیشگی میں ترقی ہوگئی اور لوٹ مار اور
غارت گری کا بازار گرم ہوگیا، بھوک پیاس سے مجبور ہوکر بہت سے لوگ بصرہ وغیرہ کی طرف نکل

کھڑے ہوئے، مگر ان میں سے اکثر فقر و فاقہ اور ضعف و نقاہت کی وجہ سے راستہ ہی میں ختم ہو گئے رہلے

اس حریفانہ کشمکش کا لازمی نتیجہ پارٹی بندی تھا، یہ پارٹیاں اپنے نمائندہ کے لئے جان توڑ کوششیں کرتی تھیں، چنانچہ ابو عبداللہ بریدی نے علی بن بویہ سے مدد طلب کی تھی جو اسوقت فارس میں نہایت طاقتور فرمانروا تھا۔ دوسرے حریف ابن رائق نے اپنے دفاع اور حفاظت کے لئے موصل کے فرمانروا ناصر الدولہ سے امداد مانگی تھی، یہ اس وقت کا ذکر ہے جب ابن رائق نے ۳۲۹ھ میں بجکم کو قتل کر کے دوبارہ امیر الامراء کا منصب حاصل کیا تھا۔ مستقبل میں اس کشمکش، بدنظمی اور اضطراب انگیز ماحول کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہایت آسانی کے ساتھ معز الدولہ ابن بویہ بغداد پر مسلط ہو گیا۔

اس سیاسی ماحول سے عباسیہ کے ضعف و انحطاط کا اندازہ کرنا دشوار نہیں، مرکز کی اس پراگند[illegible] شدید خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ خلافت کی یہ بے بسی دیکھ کر اکثر گورنروں نے نہ صرف خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا، بلکہ خلافت کی ہوس تک ان کے دلوں میں پیدا ہو گئی تھی، خلفاء کی بدقسمتی سے وہ ترک جنہیں انہوں نے اپنی حفاظت کے لئے خادموں کی حیثیت سے مامور کیا تھا، وہی ان کے آقا بن بیٹھے تھے اور صرف ایک غلام (ابن رائق) کے ہاتھ میں حکومت کی پوری مشینری تھی جو امیر الامراء کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا، ابتداء میں خلیفہ نے اُسے صرف حکومت کی بدنظمی دور کرنے کے لئے مامور کیا تھا مگر بدقسمتی سے اس کا اقتدار اتنا بڑھ گیا کہ خلیفہ کی سیاسی حیثیت کا اس کے مقابلہ میں بالکل خاتمہ ہو گیا اور وہ صرف مذہبی اجارہ دار یا دوسرے الفاظ میں امیر الامراء کی سیاسی اغراض کا ایک آلۂ کار بن کر رہ گیا، خطبہ میں اس کا نام ضرور لیا جاتا تھا۔ اور سکہ بھی اس کے نام سے جاری ہوتا تھا مگر سب کچھ محض سیاسی اغراض کے لئے روا رکھا جاتا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ گورنر اپنے مرکزوں میں رائے عامہ کو قابو میں رکھیں اور ان باتوں سے ان کی طفل تسلیاں کرتے رہیں۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

Main P.573 لے

مشہور مؤرخ گبن (Gibbon) نے عباسیہ کے اس دور کی سیاسی حالت کا خاکہ ان الفاظ میں کھینچا ہے "اس وقت خلافت عباسیہ کی سیاسی حالت ہی ابتر نہ تھی بلکہ مذہبی حالت بھی ابتر ہو رہی تھی، شیعوں میں امتداد زمانہ سے متعدد فرقے پیدا ہو گئے تھے ان میں اہم فاطمی فرقہ تھا، لبنان میں ایک نیا مذہب دروزی وجود میں آیا تھا، ایران کے اندر بہائی مذہب نے جنم لیا تھا۔ بغداد میں مذہبی اختلافات بے حد تھے۔ امام احمد بن حنبل کے حامی اٹھے اور عیش پرست امراء کے گھروں پر ٹوٹ پڑے، شراب کے برتن توڑ دیے، موسیقی کے آلات ریزہ ریزہ کر دیے مغنیوں کو مارا پیٹا، گانے والے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو ذلیل کیا۔ انہیں شرم وغیرت دلائی۔ اس جماعت کے استیصال کرنے کی صرف ایک صورت تھی اور وہ فوجی طاقت تھی مگر اس کی ضرورت محسوس کون کرتا؟ دوسری طرف اہل افریقہ اور ترک دونوں نے ایک دوسرے کے اقتدار گھٹانے میں اپنی پوری فوجی قوتیں اور صلاحیتیں صرف کر رکھی تھیں، امیر الامراء کے اختیار میں خلیفہ کی [illegible] ان کا عزل و نصب تھا، اس کی یہ قوت دراصل خلیفہ کے [illegible] عظمت و احترام پر ایک ضرب کاری تھی۔ خلیفہ کے لئے اپنی جان بچانے کے لئے عموماً کسی دوسرے خود مختار فرمانروا کی پناہ لینے کے سوا کوئی چارۂ کار نہ ہوتا تھا۔ اس طرح گو اس کی زندگی خطرہ سے محفوظ ہو جاتی تھی۔ مگر وہ ایک ذلت کے بعد دوسری ذلت کا شکار ہو جاتا تھا۔ اسی بے بسی نے خلیفہ کو مجبور کیا کہ وہ بنی بویہ سے اپنی اعانت اور اس مصیبت سے نجات دلانے کی التجا کرے، لیکن ان کے زیر سایہ آنے کے بعد بھی چین نہ ملا۔ اور ان کے ہاتھوں میں کھلونا بن گیا۔

احمد بن بویہ جب بغداد میں داخل ہوا تو امیر الامراء ابن شیرزاد روپوش ہو گیا اس وقت سے خلافت عباسیہ کا ایک جدید عہد شروع ہوا اور وہ بنی بویہ کا دور تھا!۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

خلافت عباسیہ عہد بنی بویہ میں

۳۳۴ھ - ۴۴۷ھ

سلاطین بنی بویہ عراق میں

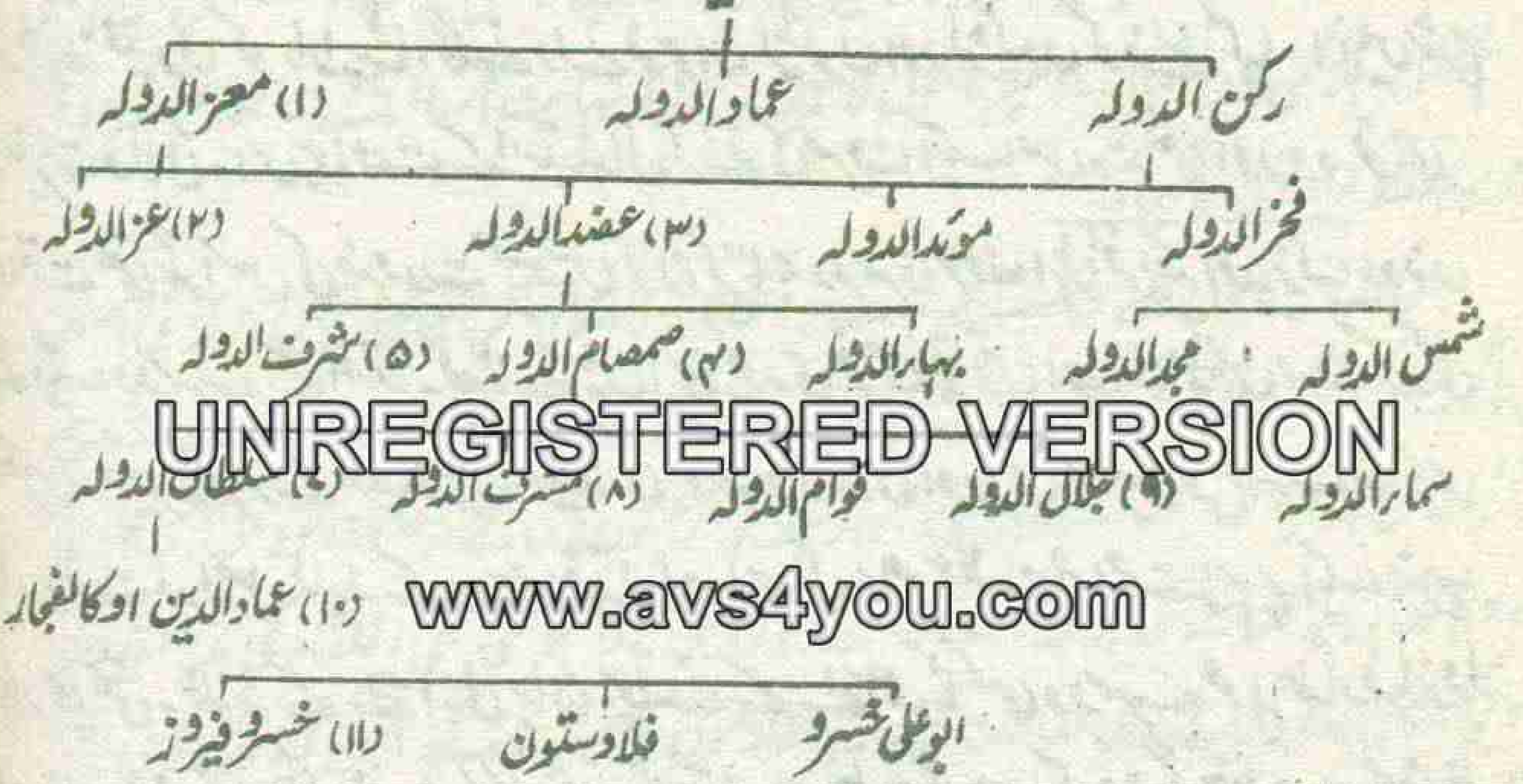

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

سنہ ۳۲۰ھ	معز الدولہ ابو الحسین احمد	سنہ ۹۳۲ء
سنہ ۳۵۶ھ	عز الدولہ بختیار	سنہ ۹۶۷ء
سنہ ۳۶۷ھ	عضد الدولہ (فارس میں)	سنہ ۹۷۷ء
سنہ ۳۷۲ھ	شرف الدولہ (" ")	سنہ ۹۸۲ء
سنہ ۳۷۹ھ	بہاء الدولہ ابو نصر فیروز	سنہ ۹۸۹ء
سنہ ۴۰۳ھ	سلطان الدولہ (فارس میں)	سنہ ۱۰۱۲ء

آلِ بویہ کا سلسلہ نسب بہرام بن یزدجرد تک پہنچتا ہے جو ملوکِ ساسان سے تعلق رکھتا تھا ان کا مورثِ اعلیٰ ابو شجاع بویہ، بلاد دیلم کا ایک مفلس اور قلاش آدمی تھا جو ماہی گیری کی زندگی بسر کرتا تھا مصنف "الفخری" نے لکھا ہے کہ "بغداد پر اپنا تسلط قائم ہو جانے کے بعد

معز الدولہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا برابر اعتراف کیا کرتا تھا اور کہتا تھا "میں اپنے سر پر لکڑیوں کا گٹھر لاد کرلے جایا کرتا تھا" علی بن بویہ نے بہت جلد ترقی کی، یہاں تک کہ ۳۳۴ھ ہی عراق کا فرمانروا ہو گیا۔ خلیفہ عباسی نے اسے معز الدولہ کا خطاب دیا، اسی نے ۳۳۴ھ میں بنو بویہ کی حکومت کا عراق میں سنگِ بنیاد رکھا جو ۴۴۷ھ تک قائم رہی۔

مطیع اور طائع

آلِ بویہ کا سب سے پہلا فرمانروا معز الدولہ احمد تھا۔ یہ اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا۔ خلافت کے نظم و نسق پر اس نے اپنا پورا اقتدار جما لیا تھا، اسکے سامنے خلیفہ بے بس تھا اور اُسے کوئی اختیار حاصل نہ تھا، گزارے کے لئے صرف پانچ ہزار درہم روزانہ اس کو دیئے جاتے تھے[1] لیکن یہ حالت بھی زیادہ دن قائم نہ رہ سکی، خلیفہ معزول کر دیا گیا اور اس کی آنکھوں میں سلائی پھروا دی گئی۔

علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے[2] کہ معز الدولہ خلیفہ سے بدظن ہو گیا اور ایک [illegible] کے لحاظ سے اپنی اپنی جگہ کھڑے تھے یہ بھی اپنے جگہ جا کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے ساتھ دو دیلمی تھے جو خلیفہ کی طرف بڑھے، خلیفہ نے خیال کیا یہ اس کے ہاتھوں کو بوسہ دینا چاہتے ہیں۔ اس لئے اپنا ہاتھ ان کی طرف بڑھا دیا۔ ان دونوں بدبختوں نے خلیفہ کو تخت سے کھینچ کر زمین پر دے مارا اور صافہ سے باندھ کر گھسیٹنا شروع کیا اتنے میں اور صدہا دیلمی ٹوٹ پڑے اور ان یزیدیوں نے نہ صرف دار الخلافت بلکہ حرم تک کو خوب لوٹا اور ایک چیز بھی نہیں چھوڑی۔ اس غارتگری کے بعد معز الدولہ اپنی قیام گاہ کی طرف روانہ ہوا، خلیفہ مستکفی اسکے ہمراہ پیدل جا رہا تھا، وہاں خلیفہ کو خلافت سے باقاعدہ معزول کیا گیا اور اس کی آنکھوں میں اسی دن سلائی پھروا دی گئی، اس کی جگہ فضل بن مقتدر کو مطیع باللہ (م ۳۶۴-۳۳۴ھ) کے نام سے خلیفہ بنایا اور اس سے بیعت کر لی۔ ازاں بعد جدید خلیفہ کے سامنے اس کے چچا زاد بھائی خلیفہ مستکفی کو حاضر کیا گیا جس نے خلافت کی ذمہ داریوں کو جدید خلیفہ کے حوالہ کیا اور اپنی معزولی کا سب کے سامنے اقرار کیا۔ اس کارروائی کے بعد اسے قید کر دیا گیا اور قید خانہ ہی میں ۳۳۸ھ میں اُس نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ جدید خلیفہ کو المطیع کا لقب دیا گیا اور

[1] السیوطی ص ۲۶۳، ۲۶۴ [2] ایضاً ص ۲۶۴

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

ایک سو دینار روزانہ مقرر کر دیا۔

آلِ بویہ نے عباسی خلفائے کے ساتھ نہایت ناروا سلوک جائز رکھا۔ ان کی سیاست تمام تر خود غرضی اور انانیت پر مبنی تھی، علاوہ ازیں یہ غالی شیعہ تھے اسی لئے سرٹامس آرنلڈ کے الفاظ میں :-

"سنی عباسی خلیفہ کے تمام عالمِ اسلامی پر حقِ سیادت کو تسلیم نہیں کرتے تھے وہ عباسیوں کی خلافت کے منکر تھے" [۱]

سلاطین بویہ عراق میں مطلق العنان فرمانروا کی حیثیت سے حکومت کرتے تھے عباسی خلفاء کا ان کی نگاہوں میں کوئی احترام نہ تھا، ان پر جبر و استبداد اور ان کے حقوق غصب کرنے میں کوئی تامل نہ ہوتا تھا معزالدولہ کے دل میں خیال پیدا ہوا تھا کہ خلافتِ عباسیہ کا خاتمہ کر کے اس کی جگہ خلافت علویہ کی تاسیس عمل میں لائی جائے۔ لیکن اس نے اپنی اس سیاست کو عملی جامہ پہنانے سے گریز کیا [illegible] نے سوچا علوی خلافت کے قیام کے [illegible] پورے طور پر اس کے طرفدار ہوں گے اور خلیفہ کے ہاتھ میں ہوں گے۔ خلیفہ اپنی مصلحت کے مطابق حسبِ منشا ان کو استعمال کر سکیگا۔ ابن الاثیر[۲] نے لکھا ہے کہ جب معزالدولہ نے بغداد میں عباسی خلافت کو فنا کر کے علوی خلافت کو قائم کرنا چاہا تو اس کے ایک درباری نے اس اقدام سے اس کو روکا اس کے الفاظ یہ تھے۔

"تمہارا گروہ عباسی خلیفہ کو اس منصب کا مستحق نہیں سمجھتا، اگر خلیفہ کے قتل کا حکم دو تو انہیں تعمیل میں تامل نہ ہوگا وہ اُس کے خون کو حلال سمجھیں گے، لیکن علوی خلیفہ ہوگا تو یہی جماعت اس کو خلافت کا صحیح حقدار تصور کرے گی اور اس کے حکم پر تمہیں قتل کرنے سے بھی گریز نہ کرے گی" [۳]

معزالدولہ کی سمجھ میں یہ بات آگئی اور اُس نے یہ خیال چھوڑ دیا اُسے خطرہ تھا کہ کہیں

---

۱ الفخری ص ۲۵۷ ۲ Noeldalle - ۳ The Caliphate. P.61.

۴ Sketches from Eastern History ۵ ابن اثیر ج ۲ ص ۱۶۸

یہ اپنی قبر آپ کھودنے کے مترادف نہ ہوں۔[1]

۳۶۷ھ میں عزالدولہ بختیار حاکم عراق اور عضدالدولہ فرمانروائے ایران میں جنگ ہوئی اس میں عزالدولہ مارا گیا اور طائع باللہ نے مذہبی فرمانروا ہونے کی حیثیت سے عضدالدولہ کی مملکت پر تسلیم کر لیا اور جواہرات سے جڑا ہوا تاج بھیجا، طوق اور کنگن پہنائے اور عضدالدولہ کے لئے ایک ہدایت نامہ تحریر کیا گیا جو خلیفہ کے سامنے پڑھا گیا یہ معمول کے خلاف تھا، معمول یہ تھا کہ گورنروں کو لائحہ عمل امیرالمومنین کے دربار سے لکھ کر بھیجدیا جاتا تھا۔ جب عضدالدولہ نے یہ ہدایت نامہ لیا تو امیرالمومنین نے فرمایا تو اس کا ذمہ دار ہے، اس پر عمل کرنا۔

جب خلیفہ طائع باللہ نے عضدالدولہ کو سات خلعتیں، سیاہ عمامہ، کنگن اور ایک تاج اور دوسرے اعزازات سے سرفراز فرمایا تو اس نے یہ موقع غنیمت جانا اور خلیفہ پر زور ڈالا کہ میرے لئے [illegible] گورنروں کے لئے خلفار کا معمول تھا۔ اس نے خلافت کی روایات کے خلاف تفویض کی تحریر کو لوگوں کے سامنے سنانے کے لئے خلیفہ کو آمادہ کر لیا ورنہ خلیفہ کا قاعدہ تھا کہ اپنے خود مختار گورنروں کے لئے ایک تحریر لکھتا تھا اور بغیر دکھائے ہوئے سربمہر کر دیتا تھا اور اس سے کہتا تھا۔ یہ "تفویض" ہے جو کچھ اس میں ہے اس پر تمہیں عمل کرنا چاہیئے، عضدالدولہ نے خلیفہ سے جو کچھ کرایا وہ اس کا فرض نہ تھا مگر وہ مجبور تھا، اس کی مجبوری کا اندازہ اس سے کیجئے کہ جب کسی سفر سے عضدالدولہ بغداد لوٹتا تھا تو اس کے استقبال کے لئے خلیفہ کا باہر آنا ضروری تھا۔[2]

عضدالدولہ اور طائع باللہ کے تعلقات جب خراب ہو گئے تو اس نے دو ماہ کے لئے بغداد اور دوسرے بڑے بڑے شہروں میں طائع باللہ کے نام کو خطبہ سے خارج کرا دیا اور خلیفہ کو مجبور کر کے اپنی ڈیوڑھی پر فجر، مغرب اور عشار کے وقت تین مرتبہ نوبت بجنے کا حکم صادر کرا لیا، اس سے قبل یہ امتیاز صرف قصر خلافت کے ساتھ خاص تھا۔

عضدالدولہ نے اختلافات کی ایک وسیع خلیج حائل ہونے کے باوجود انہیں عام مجلسوں

---

[1] الفاطمیون فی مصر۔ از ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن ایم اے، پی ایچ ڈی [2] ابن الاثیر ج ۸ ص ۲۷۴

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

میں کبھی محسوس نہ ہونے دیا، ان اوقات میں وہ نیاز مندانہ حیثیت سے پیش آتا تھا۔ اس پالیسی کا عوام اور خلوت کے معاملات سے ناواقف نفوس پر نہایت اچھا اثر پڑتا تھا[1]

سیوطی نے ۳۶۹ھ کے حوادثات کے ذیل میں بیان کیا ہے کہ عضد الدولہ عام مجلسوں میں خلیفہ کے ساتھ نہایت عزت و احترام سے پیش آتا تھا اور عوام کو یہ باور کرانے کی ہمیشہ کوشش کرتا کہ میرا اثر و اقتدار خلیفہ کی جوتیوں کا صدقہ ہے، اس میں سیاسی غرض یہ پنہاں تھی کہ رائے عامہ قابو میں رہے۔ عوام خلیفہ کی اس بے بسی کے دور میں بھی اُسے سب سے بڑا مذہبی اور سیاسی فرمانروا خیال کرتے تھے اور اس کی اطاعت خدا اور رسول کی اطاعت سمجھتے تھے۔

۳۷۲ھ میں عضد الدولہ کا انتقال ہو گیا اور اس کا لڑکا صمصام الدولہ اس کا جانشین ہوا دربارِ خلافت سے اُسے شمس الملت کا خطاب اور دوسرے اعزازات مرحمت فرمائے گئے۔ تھوڑے عرصہ بعد اس کے بھائی شرف الدولہ نے اس پر چڑھائی کر دی اور گرفتار کر کے اس کی آنکھوں میں سلا [illegible] بعد بغداد آیا۔ جہاں خلیفہ نے اُسے فتح و کامیابی پر تہنیت پیش کی اور دربارِ خلافت سے اس کا قبضہ صحیح تسلیم کر لیا گیا، اس وقت ایک معاہدہ لکھا گیا جو خلیفہ کے سامنے پڑھا گیا[2]

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

شرف الدولہ کی وفات (۳۷۹ھ) کے بعد اس کا بھائی ابو نصر جانشین مقرر کیا گیا۔ اسے دربارِ خلافت سے بہار الدولہ اور ضیاء الملت کے خطابات عطا ہوئے۔ جب یہ دربارِ خلافت گیا تو طائع نے اعیانِ خلافت کے سامنے اُسے سات خلعتیں مرحمت فرمائیں، ان میں سیاہ خلعت جو غیر معمولی اعزاز کی حامل تھی، نیز ایک سیاہ عمامہ، ایک بڑا سا طوق اور دو کنگن عنایت کیے گئے اور دربار میں حاجبوں کی تلواروں کے سایہ میں خلیفہ کے حضور میں لایا گیا اور زمین بوس ہو کر کرسی پر اُسی کے پاس بیٹھ گیا اس وقت "تفویض" کی تحریر کو سنایا گیا[3]

۳۸۱ھ میں بہاالدولہ نے طائع باللہ کو معزول کر دیا، الزام یہ لگایا گیا کہ اس نے بہار الدولہ کے ایک خاص آدمی کو محبوس کر دیا تھا۔ اس واقعہ کی خبر سن کر بہار الدولہ خلیفہ کے پاس پہنچا اس وقت وہ صحن میں تلوار ڈالے بیٹھا تھا، بہار الدولہ نے زمین بوسی کی رسم ادا کی اور کرسی پر

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۲۷۰ [2] سیوطی ص ۲۷۱ [3] ایضاً ص ۲۷۲

بیٹھ گیا۔ اتنے میں بہاء الدولہ کے آدمی خلیفہ پر ٹوٹ پڑے اور اُسے تخت سے گھسیٹ کر ایک گٹھڑی میں باندھ لیا اور اپنے دار الحکومت میں لے گئے۔ جہاں بہاء الدولہ نے خلیفہ سے دست برداری کا اقرار نامہ لکھوایا اور ممتاز افراد کی شہادت اس پر ثبت کرائی اور اس کی جگہ اس نے قادر باللہ کو خلیفہ مقرر کر دیا۔ یہ ۱۹۔ شعبان ۳۸۱ھ کا واقعہ ہے۔ معزول خلیفہ اپنی موت ۳۹۳ھ تک، نہایت عزت و احترام کے ساتھ قادر باللہ کے محل میں نظر بند رہا۔

قادر اور قائم | قادر باللہ خطیب بغدادی کے الفاظ میں "حکومت کی صلاحیت رکھتا تھا تہجد گزار تھا، خیرات و صدقات کا خوگر تھا، حُسنِ سیرت اور حُسنِ اطوار میں ممتاز تھا، سب سے بڑی بات یہ تھی کہ مذہبی عقائد نہایت اچھے تھے"۔[1]

بہاء الدولہ کا اقتدار قادر باللہ کے عہد میں اور بھی بڑھ گیا، خلیفہ کو کوئی قوت حاصل نہ رہی اور سارا اقتدار اس کے ہاتھ میں آگیا، بہاء الدولہ نہایت متعصب شیعہ تھا اور ہمیشہ فاطمیوں کی حمایت کرتا تھا۔ ان حالات نے دونوں کے اندر طبعی طور سے اختلافات پیدا کر دیئے تھے ذہبی کی روایت کے مطابق ا [illegible] امراء درمیان میں پڑے تھے اور اس مقصد کے لئے ایک عظیم الشان دربار خلیفہ القادر کے سال جلوس ماہ شوال ۳۸۱ھ میں منعقد ہُوا تھا۔ جس میں ایک دوسرے کے ساتھ رواداری کا عہد کیا گیا تھا۔

بہاء الدولہ کے زمانہ میں عراق میں بنی بویہ کی حکومت پر خطرات نے یورش شروع کی۔ ۴۰۱ھ میں قرواش بن مقلد، موصل، انبار، مدائن اور کوفہ کے فرمانروا نے اپنے حدودِ مملکت میں فاطمی خلیفہ کا خطبہ پڑھا۔ بہاء الدولہ نے یہ سنا تو ایک فوج اس غرض سے بھیجی کہ وہ خلیفہ عباسی کا خطبہ پڑھنے کے لئے اس پر دباؤ ڈالے۔[2] اس کاروائی سے سیاسی غرض عراق میں بنو بویہ کے اقتدار کا استحکام تھا، عراق میں سنیوں کی اکثریت تھی اور ان پر اس قسم کی باتوں کا نہایت اچھا اثر پڑتا تھا۔

قادر باللہ کے بعد اس کا بیٹا قائم بامر اللہ (۴۲۲-۴۶۷ھ ؍ ۱۰۳۱-۱۰۷۵ء) خلیفہ ہُوا۔ بنی بویہ کا تسلط اور استبداد حکومت اس کے زمانہ میں بھی بدستور قائم رہا۔ سر ٹامس آرنلڈ

---

[1] تاریخ بغداد ج ۴ ص ۳۷ [2] حاشیہ کتاب تجارب الامم لابی شجاع ص ۵۴ و ابن اثیر ج ۹ ص ۴۲

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

کے الفاظ میں" اس وقت عباسی خلیفہ کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی، اُن کی سیاسی حیثیت کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ وہ عالم اسلامی پر حکومت ضرور کرتے تھے مگر نظم و نسق میں دخل تو بڑی بات ہے اُن سے کبھی کوئی مشورہ تک نہیں لیا جاتا تھا۔ وہ سلاطین بنی بویہ کے ہاتھوں میں ایک کھلونا تھے۔ جب جی چاہتا تخت پر بٹھا دیتے اور جب جی اُکتا جاتا اُتار دیتے۔[۱] اس سیاسی ماحول میں بساسیری[۲] نے بغداد پر (۴۵۰ھ) چڑھائی کر دی اور وہاں سے آلِ بویہ کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا اب بساسیری نے خلیفہ کو نظر بند کر دیا اور اس پر ظلم و ستم ڈھانے شروع کر دیے۔ ان مصائب سے تنگ آکر خلیفہ نے طغرل بک سے امداد کی درخواست کی جس نے ۴۵۱ھ میں بساسیری کو نکال باہر کیا۔

آلِ بویہ کے زمانہ میں خلافت عباسیہ کا نظم و نسق ایک اجنبی طاقت کے اشارہ سے گردش کرتا [illegible] خارج کو حکومت میں کوئی دخل نہ تھا۔ وہ صرف مذہبی اجارہ دار تھا۔ خطبہ میں اس کا نام لیا جاتا اور سکہ اس کے نام سے جاری تھا [illegible] نے کیلئے کیا جاتا، ان نمائشی [illegible] نظر تھا۔ خلفار کی اس انتہائی بیچارگی کے باوجود آلِ بویہ کی یہ شاطرانہ پالیسی تھی کہ وہ محفلوں اور اجتماعی مجلسوں میں انکے آداب و احترام کا بے حد خیال رکھتے تھے اور عوام کو یہ محسوس کرانے کی کوشش کرتے کہ وہ خلیفہ کو مسلمانوں کا سب سے بڑا فرمانروا سمجھتے ہیں، خلیفہ ان مجلسوں میں سفیروں، کا استقبال کرتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ردائے اقدس اوڑھتا اپنے سامنے مصحفِ عثمانؓ رکھتا، یہ سب مذہبی اقتدار کی نمود و نمائش کے لئے کیا جاتا۔ عضد الدولہ کا عہد آلِ بویہ کے انتہائی عروج کا زمانہ ہے۔ اس کا دائرہ حکومت ان ممالک تک وسیع تھا، جو بحر قزوین، خلیج فارس اور اصفہان سے حدود سوریہ تک پھیلے ہوئے ہیں، ان ملکوں میں خطبہ اور سکہ بھی اسی کے نام کا جاری تھا!

---

[۱] The Caliphat. P. 68.

[۲] ابوالحارث ارسلان بن عبداللہ۔ بسا فارس میں ایک شہر ہے اس کی طرف انتساب ہے۔ یہ بہار الدولہ کا غلام تھا۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

خلافتِ عباسیہ سلاطینِ سلجوق کے عہد میں

(۴۴۷-۶۵۶ھ ۱۰۵۵-۱۲۵۸ء)

عراق میں سلاطین سلجوق

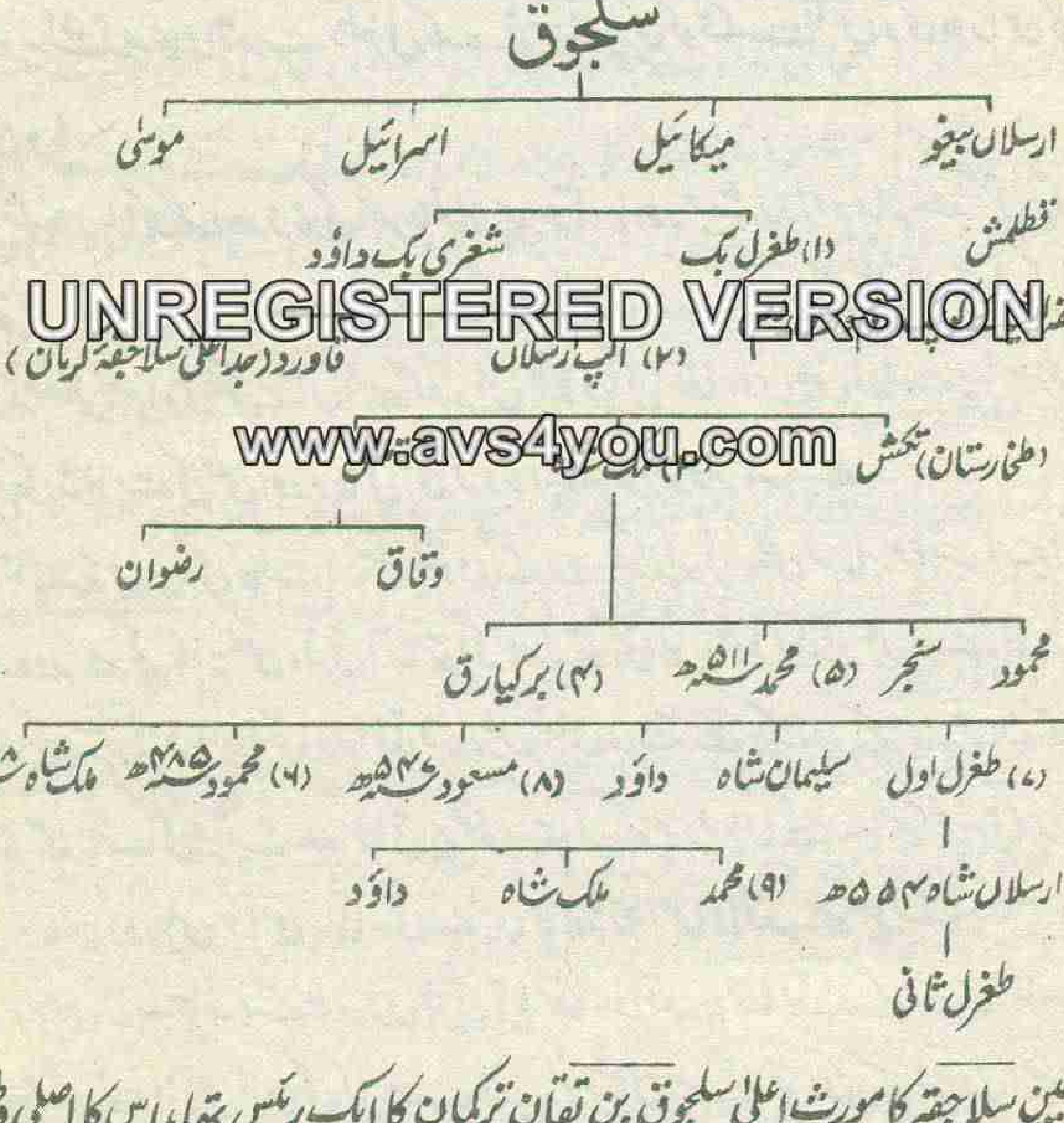

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

سلاطینِ سلاجقہ کا مورثِ اعلیٰ سلجوق بن تقان ترکمان کا ایک رئیس تھا، اس کا اصلی وطن بلاد ماوراء النہر تھا، عراق میں سلجوقیوں کی حکومت کا موسس طغرل بک سلجوقی تھا اس نے بلادِ خراسان پر حملہ کیا اور حکومتِ غزنی کے مغربی ممالک پر قبضہ کر لیا، اسی زمانہ میں طغرل نے آلِ بویہ کی سلطنت کا جنازہ عراق میں دفنا دیا اور وہاں سلجوقیوں کی حکومت کا سنگ بنیاد رکھا، اس

کے بعد ۴۴۷ھ میں بغداد میں داخل ہوا اور تاتاریوں کی یورش ۶۵۶ھ ۱۲۵۸ء تک وہ اور اس کے جانشین وہاں کے سیاسی فرمانروا رہے۔

بساسیری کی یورش ۴۵۰ھ میں ارسلان ترکی نے جو بساسیری کے نام سے معروف تھا بغداد پر ترکوں اور مصریوں کی امداد سے تسلط قائم کر لیا اور قریباً ایک سال تک بغداد کے منبروں پر مستنصر فاطمی کے نام کا خطبہ پڑھا گیا اور اذان میں "حی علیٰ خیر العمل" کا فقرہ بڑھا دیا گیا۔ بساسیری نے خلیفہ کو نظر بند کر دیا تھا، خلیفہ نے طغرل بک سے امداد کی درخواست کی طغرل بک نے خلیفہ کو اس کی قید سے رہائی دلائی اور نہایت عزت و احترام کے ساتھ بغداد روانہ کر دیا، یہ ۴۵۱ھ کا واقعہ ہے طغرل بک نے بساسیری کو شکست فاش دی اور اس کا سر بغداد بھیج دیا۔

خلیفہ رہائی کے بعد زندگی بھر جانماز پر سوتا رہا اور ہمیشہ روزہ و نماز سے شغل رکھتا تھا۔ کہتے ہیں نظر بندی کی حالت میں اس نے اپنی [illegible] تفصیل لکھ کر مکہ معظمہ بھجوادی تھی [illegible] لٹکا دیا گیا تھا، اس میں خدا سے بساسیری کے ظلم و ستم کی شکایت کی تھی اور دعا کی تھی کہ وہ اپنے کیفرِ کردار تک پہنچے۔

خلفائے عباسیہ کی حالت سلجوقیوں کے دورِ اقتدار میں بھی خلفاء عباسیہ کی بیچارگی۔ آل بویہ کے دور سے کچھ کم نہ تھی، فرق اتنا تھا کہ امرائے بنی بویہ خود بغداد میں رہتے اور فرمانروائی کرتے تھے لیکن سلجوقی فرمانروا خود دار الخلافت میں نہیں رہتے تھے بلکہ ان کے بجائے ان کے سپہ سالار ان کے نائب کی حیثیت سے عراق پر حکومت کرتے اور وہاں کی سیاسی مشینری پر قابض تھے۔ اس دور میں عباسی خلفاء کی بے بسی کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے جو قائم باللہ (۴۲۲ - ۴۶۷ھ) کے عہد میں پیش آیا تھا۔ واقعہ یہ تھا بغداد کے شہری شراب نوشی اور ناچ گانے والی عورتوں کی کثرت سے جب پریشان ہو گئے تو ان کے خلاف احتجاج کیا۔ اسی دوران میں کسی شہری نے ایک سپاہی کی داشتہ مغنیہ کے عود کے تار توڑ دیے۔ داشتہ نے سپاہی سے شکایت کر دی۔ سپاہی نے اس شہری کو زدوکوب کیا۔ اہل شہر خلیفہ کے پاس پہنچے، ان میں بہت سے جلیل القدر ائمہ بھی شامل تھے۔ ان لوگوں نے خلیفہ سے اس واقعہ کی تحقیق اور مجرم

کیفر کردار تک پہنچانے کی التجا کی اور درخواست کی کہ تمام شراب خانے منہدم کر دیے جائیں اور آئندہ کے لئے ان کے رواج کو ممنوع قرار دیا جائے۔ خلیفہ نے ان سے وعدہ کرتے ہوئے کہا بہت اچھا! اس واقعہ کے متعلق میں سلطان (سلجوق) کو لکھوں گا۔[1]

آلِ بویہ کی طرح سلجوقیوں نے بھی خلفائے عباسیہ کی معیشت اور گزر اوقات کیلئے جاگیریں مقرر کر دی تھیں، ان کا انتظام ایک وزیر اور اس کے پرائیویٹ سکرٹری کے سپرد ہوتا تھا۔[2] خلفاء کو حکومت کے نظم و نسق میں دخل دینے کا کوئی مجاز نہ تھا، خطبہ اُن کے نام کا ضرور پڑھا جاتا تھا یہ اپنے اوقات محلات کی تعمیر اور مرمت میں صرف کرتے تھے۔[3]

خلفاء عباسیہ کیساتھ سلجوقیوں کا برتاؤ

عباسی خلفاء کے ساتھ سلجوقی فرمانرواؤں کا برتاؤ آلِ بویہ سے بہت بہتر تھا، وُہ خلفاء کا بے حد پاس اور لحاظ کرتے تھے، ان کے ادب اور احترام پر طغرل بک کی قائم باللہ سے وہ ملاقات بھی روشنی ڈالتی ہے جو ۴۴۹ھ [illegible] دونوں میں ہوئی تھی، جب وہ موصل پر قبضہ کرنے اور دبیس بن فرید اور قریش بن بدران کی شورشوں کو دبانے کے بعد بغداد آیا تھا۔[4]

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

طغرل بک نے یہاں سے واپس جانے کے بعد بہت سے ہدایا خلیفہ کی خدمت میں بھیجے تھے، جن میں پچاس ہزار دینار (۲½ لاکھ روپیہ) پچاس ہزار ترک غلام اور بہت سے گھوڑے اور اسلحہ وغیرہ شامل تھے۔

آلِ بویہ میں عضد الدولہ نے بھی خلیفہ طائع باللہ کے ساتھ ایک عام دربار میں بیحد عقیدت اور نیازمندی کا اظہار کیا تھا لیکن اس کی اس پردہ زنگاری میں سیاسی غرض پنہاں تھی اور وہ خلیفہ فاطمی عزیز کے قاصد کے سامنے جو اس وقت دربار میں موجود تھا اپنے اثر و اقتدار کا مظاہرہ کرنا تھا۔

شاہانہ تقریبات کے موقعوں پر خلفائے عباسیہ اور سلاطین سلاجقہ ایک دوسرے کو خلعت بھیجتے تھے، یہ ان کے خوش گوار مراسم کا آئینہ دار ہے۔ جب کوئی خلیفہ عباسی تخت پر بیٹھتا تو وہ سلجوقی فرمانروا سے اپنی بیعت کے لئے نمائندہ روانہ کرتا اور خلعت و ہدایہ سے اُسے نوازتا تھا

۱؎ ابن اثیر ج ۱۰ ص ۳۸ ۲؎ بغدادی زبدۃ الفکر۔ ص ۱۹۴۔ ۳؎ Le-Strange. R327 ۴؎ تفصیل دیکھئے ابن اثیر ج ۹ ص ۲۶۴-۲۶۵۔

اور سلجوقی فرمانروا اپنی رسم مسند نشینی کے بعد خلیفہ سے اس کا نمائندہ ہونے کی حیثیت سے حکومت کرنے کی اجازت حاصل کرتا تھا۔[۱] مورخین ان خوشگوار تعلقات کی حقیقی وجہ مذہبی عقائد اور خیالات کی وحدت قرار دیتے ہیں، عباسی خلفاء کی طرح ان کا مذہب بھی سنی تھا۔ سر ٹامس آرنلڈ کے الفاظ میں :-

"سلجوقی فرمانروا خلیفہ عباسی کا اس لئے احترام نہیں کرتے تھے کہ انہیں وہ عالم اسلامی کا سیاسی مرکز خیال کرتے تھے بلکہ اس لئے کہ وہ ان کے نقطۂ نظر سے خدا کے نائب تھے۔"[۲]

یہ تعلقات باہمی شادی بیاہ کے مراسم سے اور زیادہ مستحکم ہو گئے تھے، ۴۵۴ھ میں طغرل بک نے خلیفہ قائم باللہ کی بیٹی سے شادی کی تھی، قائم باللہ کے بیٹے مقتدی باللہ کی شادی الپ ارسلان کی بیٹی سے ۴۶۴ھ میں ہوئی تھی۔ خلیفہ مستظہر باللہ (۴۸۷ھ-۵۱۲ھ) نے ۵۰۲ھ میں سلطان ملک شاہ سلجوقی کی بیٹی سے شادی کی تھی، خلیفہ مقتفی (۵۳۰ھ-۵۵۵ھ) نے سلطان محمود کی بہن فاطمہ بنت محمد بن ملک شاہ سے شادی کی تھی، ان شادیوں [illegible] پر نہایت اچھا اثر ڈالا تھا۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

ان مستحکم مراسم کے باوجود عباسی خلفاء اور سلجوقی سلاطین میں باہم تصادم ہوتا رہا، سلطان ملک شاہ سلجوقی کا عتاب خلیفہ مقتدی باللہ پر نازل ہوا تھا اور اس نے بغداد سے اُسے بصرہ جلاوطن کر دیا تھا، اسباب مختلف بیان کئے جاتے ہیں، سر ولیم میور کا خیال ہے "حکومت کے نظم ونسق میں خلیفہ نے دخل دیا تھا"[۴] ابن خلکان کی رائے ہے "ملک شاہ جعفر بن مقتدی کو ولی عہد خلافت بنانا چاہتا تھا، خلیفہ نے اس کی خواہش کو ٹھکرا دیا تھا"[۵]

سر ٹامس آرنلڈ کی تحقیق ہے :-

"سلجوقیوں نے اپنے لئے "ظل اللہ" کا لقب اختیار کیا تھا جو خلفاء عباسیہ کے لئے مخصوص تھا اور خلیفہ مسترشد (۵۱۲ھ-۵۲۹ھ) سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ردائے اقدس لے لی تھی، جسے خلفاء عباسیہ خلافت کی بیعت کے وقت اور مذہبی مجالس میں شرکت کے وقت

(۱) ابن اثیر ج ۱۰ ص ۴۰، ۴۴ [۲] The Caliphate P-80 [۳] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۸، ۲۹، ۱۱۹-
[۴] Sir William Muir P. 577 [۵] ابن خلکان ج ۲ ص ۱۶۴- ابن خلکان ج ۲ ص ۱۶۲، ۱۶۳

زیب تن فرماتے تھے [1]

اسی طرح ملک شاہ سلجوقی نے اپنے لئے "امیر المومنین" کا لقب اختیار کر لیا تھا جو صرف خلفاء عباسیہ کے لئے خاص تھا" [2]

مگر حقیقت یہ ہے کہ آل بویہ کے مقابلہ میں سلجوقی فرمانرواؤں سے اس قسم کی بہت کم حرکتیں سرزد ہوتی تھیں۔

خلفاء عباسیہ کے اقتدار کا احیاء

سلجوقی فرمانرواؤں کے حسن سلوک نے عباسی خلفاء کے دل میں اپنے کھوئے ہوئے اقتدار و نفوذ کے احیاء کی خواہش پیدا کر دی تھی اور انہوں نے اس کے لئے عملی جدوجہد بھی شروع کر دی تھی، سلجوقیوں کے آخری عہد میں عباسی خلفاء اپنے مقصد میں کسی قدر کامیاب بھی ہو گئے تھے۔ اس وقت اُن کے داخلی اختلافات نے ان کی قوت کو منتشر کر دیا تھا اور [illegible] موقع سے فائدہ اٹھایا

مقتدی اور مسترشد

خلیفہ مقتدی (۴۶۷ ر ۴۸۷ھ) نے حکومت کے نظم و نسق میں ملک شاہ سلجوقی کے عہد میں دخل [illegible] سے نکل جانے کا حکم صادر ہوا تھا۔ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ ملک شاہ جب آخری مرتبہ بغداد آیا تو اُس نے خلیفہ کے بصرہ چلے جانے پر اصرار کیا۔ اُس نے بیان کیا ہے کہ خلیفہ کے دو لڑکے تھے۔ مستظہر باللہ اور ابو الفضل جعفر ابن بنت ملک شاہ۔ خلیفہ نے مستظہر باللہ کو ولی عہد مقرر کیا تھا کیونکہ وہ سب سے بڑا لڑکا تھا، لیکن ملک شاہ نے خلیفہ کو مجبور کیا کہ وُہ مستظہر باللہ کے نام کو قلمزد کر دے اور اس کی جگہ جعفر کو ولی عہد مقرر کرے اور بغداد جعفر کو سونپ کر خود بصرہ چلا جائے، یہ خلیفہ پر گراں گذرا، خلیفہ نے بہت کوشش کی کہ سلطان اپنے اس حکم کو واپس لیلے۔ مگر وہ نہ مانا، خلیفہ نے دس روز کی مہلت مانگی کہ وُہ اپنی روانگی کے انتظامات کرلے۔ یہ مہلت دیدی گئی۔ بیان کیا گیا ہے خلیفہ ان دونوں میں برابر روزہ رکھتا تھا اور افطار کے وقت خاکستر پر بیٹھ کر سلطان کے لئے بددعائیں کرتا تھا، غالباً انہی بددعاؤں کا اثر تھا کہ سلطان انہی ایام میں بیمار پڑا اور

---

[1] Cambridge Medeval History. Vol IV. P. 307 [2] The Caliphate P. 800

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

مرگیا۔ اور خلیفہ اس کے فرعونی حکم سے مامون رہا۔[1]

ملک شاہ کا جب انتقال ہوگیا تو اس کی بیوی ترکان خاتون نے اس کی موت کو پوشیدہ رکھا اور امراء کو مخفی طور سے جمع کیا اور اپنے بیٹے محمود کے بارے میں جو صرف پانچ برس کا تھا حلف وفاداری لے لیا، زاں بعد مقتدی کے پاس اپنے نمائندوں کے ذریعہ جدید فرمانروا کی حکومت تسلیم کرنے کی درخواست کی، خلیفہ نے اُسے شرف قبول بخشا۔ اور جدید سلطان کو "ناصر الدین والدنیا" کا لقب دیا۔ دوسرے روز اچانک اس خلیفہ کا انتقال ہوگیا اور خلیفہ مقتدی کے بیٹے مستظہر کی بیعت کرلی گئی۔[2]

ملک شاہ کے عہد میں خلیفہ مقتدی نے جو پالیسی اختیار کی تھی اس کے جانشینوں نے بھی اسی پر عمل کیا، خصوصیت کے ساتھ مسترشد باللہ (۵۱۲-۵۲۹ھ = ۱۱۱۸-۱۱۳۵ء) کے عہد میں یہ پالیسی کھل کر سامنے آئی، اس کی سب سے بڑی تمنا یہ تھی کہ عباسیہ کے دورِ عروج کا احیاء کیا جائے۔ یہ اپنے [illegible] پرہیزگار اور بلند ہمت خلیفہ تھا۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

سیوطیؒ نے اس کی تعریف میں لکھا ہے کہ "وہ بلند ہمت، نہایت ہی بہادر، جری، مدبر اور بڑا باہیبت خلیفہ تھا، اس نے خلافت کے نظم ونسق کو درست کیا اور اس میں صحیح اور بہتر تنظیم و ترتیب قائم کی، خلافت کے امتیازات کو زندہ کیا اور اس کی عظمت کو بڑھایا، ارکان شریعت کو مستحکم کیا، یہ خلیفہ بذاتِ خود جنگوں میں شریک ہوتا تھا"۔[3]

۵۲۰ھ میں مسترشد باللہ نے سلطان محمود بن محمد بن ملک شاہ سلجوقی پر چڑھائی کردی اور اُسے شکست دی، ممکن تھا، اس وقت وہ سلجوقیوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیتا۔ لیکن بدقسمتی سے محمود کو حاکم بصرہ، زنگی کی کمک پہنچ گئی اور وہ سنبھل گیا۔ جب سلطان محمود کا انتقال ہوگیا تو مسترشد نے خاندانِ سلجوقی کے بعض امراء کو جدید سلجوقی سلطان کے خلاف ابھار دیا، یہ باہم دست وگریبان ہوگئے تو اس نے زنگی کی بُری طرح خبر لی اور موصل تک اسے بھگا دیا، جہاں تین ماہ تک محاصرہ رہا۔ یہ ۵۲۷ء کا واقعہ ہے اس کے بعد ہمدان کے قریب مسعود کے لشکر سے اس

---

[1] ابن خلکان ج ۲ ص ۱۶۴ [2] تاریخ الخلفاء ص ۲۸۱-۲۸۲ [3] ایضاً ص ۲۰۶۔

کا مقابلہ ہوا؎۱ اس حملہ میں سلجوقی خاندان کا ایک امیر سلجوق نامی خلیفہ کا ہمرکاب تھا۔ اس میں مسترشد باللہ کو شکست ہوئی اور وہ اسیر ہوا اور اسے ایک خیمہ میں محبوس کر دیا گیا جہاں فرقہ باطنیہ کے ایک گروہ نے اُسے قتل کر دیا۔

اب سلطان مسعود کے راستہ سے اگرچہ ایک بہت بڑا روڑا ہٹ گیا تھا لیکن اُسے مسرت کی جگہ انتہائی افسوس ہوا اور ایک وسیع پیمانہ پر مجلسِ عزا منعقد کی جس میں اپنے شدید رنج والم کا اظہار کیا۔ یہ خبر بغداد پہنچی تو وہ ماتم کدہ بن گیا۔ شہری بڑے بڑے جلوسوں کی شکل میں چاک گریباں، ماتم کناں باہر نکلے۔ عورتوں کا یہ حال تھا کہ بال بکھرے ہوئے تھے اور سر پیٹتی ہوئی مرثیے پڑھ رہی تھیں، وجہ یہ تھی کہ مسترشد عالمگیر مقبولیت رکھتا تھا اور نیک سلوک شجاعت عدل وانصاف، رواداری و نرم خوئی نے اُسے غیر معمولی طور پر ہر دلعزیز بنا دیا تھا۔

راشد اور مقتفی مسترشد کے بعد اس کا بیٹا راشد (۵۲۹-۵۳۰ھ = ۱۱۳۵-۱۱۳۶ء) خلیفہ ہوا اس [illegible] اسی تاثر کا نتیجہ تھا کہ انتقام کے جوش میں اس نے سلطان مسعود [illegible] بے حرمتی کی تھی اور رائے عامہ کو مسعود کی بربادی کے لئے بھڑکایا تھا۔ مسعود کو جب ان باتوں کی خبر ہوئی تو اس نے بغداد کا محاصرہ کر لیا۔ اس وقت خلیفہ موصل بھاگ گیا۔ اور زنگی کی پناہ لینے پر مجبور ہوا مسعود نے بغداد میں قاضیوں اور ممتاز اشخاص کو جمع کر کے راشد کی مذمت کی اور برطرفی کی تحریر لکھوالی، وزیر اعظم زینبی نے اس کی تصدیق کر دی اور اسی کے مشورہ سے راشد کے چچا محمد مقتفی کو سلطان مسعود نے خلیفہ مقرر کر دیا؎۲ معزولی کے چند روز بعد اصبہان کے پھاٹک پر راشد قتل کر دیا گیا۔ یہ ۵۳۲ھ کا سانحہ ہے۔ سر ولیم میور کی تحقیق ہے " اسے بھی باپ کی طرح فرقہ باطنیہ کے کسی فرد نے قتل کیا تھا؎۳

راشد بن مقتفی باللہ (۵۲۰-۵۵۵ھ = ۱۱۳۶-۱۱۶۰ء) خلیفہ ہوا، اس کی سیاسی پالیسی بھی وہی رہی جو مسترشد کی تھی اور اس میں بڑی حد تک وہ کامیاب بھی ہوا۔

سلطان مسعود کا ۵۴۶ھ میں انتقال ہو گیا اور اس کا جانشین اس کا بھتیجا ملک شاہ

؎۱ ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۷۱، ۲۷۰، ۲۷۲، ۲۹۹۔ ؎۲ ۲۱۱، ۲ و ابن خلکان ج ۲ ص ۱۶۴۔ ؎۳ الفخری ص ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۴

Muir P. ...

بن محمد ہوا، اس کا وقت لہو لعب، عیش و عشرت اور سرخوشی کے عالم میں بسر ہوتا تھا حکومت کے نظم و نسق کی اُسے فرصت نہ تھی، اس کی جگہ خاصبک بن بلنکری فرمانروائی کرتا تھا۔ خاصبک نے جب اس عیاش سلطان کو حکومت کا نااہل دیکھا تو اس کے بھائی محمد بن محمود سے نظم و نسق سنبھالنے کی درخواست کی اور امراء دولت نے محمد کو اپنا سلطان منتخب کر لیا۔ محمد بن محمود کی تخت نشینی کے بعد خلیفہ عباسی اور سلجوقی فرمانروا میں پھر کشمکش شروع ہو گئی۔

سیوطیؒ نے ذہبی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:

"مقتفی اعاظم خلفاء میں سے تھا وہ عالم اور ادیب تھا، شجاع اور بردبار تھا، وہ خوش خلق تھا اور سیادت و سروری کے تمام اوصاف اس میں پائے جاتے تھے۔ اس میں امامت کی پوری صلاحیت تھی، ائمہ میں ایسی مثالیں کم ہیں، اس کی حکومت میں کوئی حکم خواہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو بغیر اس کے دستخط کے جاری نہ ہوتا تھا۔ اس نے امامت کی تمام خصوصیات

UNREGISTERED VERSION

کی بجائے [illegible] تمام نظم و نسق اپنے ہاتھ میں رکھتا تھا اور ایک سے زائد بار فوج کی کامیاب قیادت کر چکا تھا۔ مستعصم

www.avs4you.com

کے عہد کے بعد اب تک کوئی ایسا خلیفہ نہیں ہوا تھا جو باوجود چشم پوشی، نرم خوئی اور رحمت و رافت کے اس قدر صاحب جاہ و جلال، طبیعت کا صاف اور شجاع ہو، یہ نہایت عابد زاہد اور پرہیزگار خلیفہ تھا، آخر دم تک اس کی فوجوں کو کبھی ناکامی کا منہ نہیں دیکھنا پڑا۔"[1]

مورخین نے خلیفہ مقتفی کے اتقار جرأت و عظمت اور خلافت کی رفتہ شان و شوکت کے از سر نو احیار کے لئے اس کی آرزو کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ مصنف الفخری کے بیان سے وضاحت کے ساتھ سامنے آجاتا ہے۔ مصنف مذکور نے لکھا ہے:

"مقتفی نہایت بلند مرتبہ خلیفہ تھا، اس نے عباسیہ کے دورِ عروج کی تجدید میں سعی و عمل کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ سلطان مسعود نے اسے تخت خلافت پر متمکن کرنے کے بعد خلافت کا تمام سیم و زر اور مال و اسباب سمیٹنے اور عراق کے نظم و نسق کے تمام اختیارات اپنے نائبین کے تصرف میں دینے کے بعد جب خلیفہ مقتفی کی خدمت میں اپنا قاصد بھیج کر دریافت کیا کہ آپ اُو

---

[1] تاریخ الخلفاء۔ ص ۲۹۷۔

آپ کے متعلقین کے مصارف کے لئے کتنی رقم درکار ہوگی لکھیئے تاکہ میں جاگیر مقرر کردوں تو مقتفی نے جواب میں لکھ بھیجا "میرے اور میرے متعلقین کے روزانہ پینے کے لئے اتنی خچر دجلہ سے پانی لاد کر لاتے ہیں، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مصارف کے لئے کیا درکار ہوگا"، مسعود نے جواب پاکر کہا تھا "خدا خیر کرے بڑے بے ڈھب آدمی کا میں نے انتخاب کیا ہے"۔[1]

۵۵۱ھ میں سلطان مسعود نے بغداد کا محاصرہ کر لیا لیکن اُسے بری طرح ناکامی ہوئی اس ناکامی کے بعد عراق سے سلجوقی حکومت کا گویا جنازہ اُٹھ گیا تھا۔

خلفاء عباسیہ کا مذہبی اقتدار ایک مدت تک خلافت عباسیہ موت و زندگی کی کشمکش میں مبتلا رہی، خلفاء کبھی امرائے ترک کے بازیچۂ اطفال بنے، کبھی بنی بویہ اور سلاجقہ کے کھلونہ بنے مگر ان کا مذہبی اقتدار اور حیثیت ہر زمانہ میں قائم رہی۔ سلجوقیوں کے عہد میں ان کا یہ اقتدار ان امرار [illegible] تھی

UNREGISTERED VERSION

کہ یہ چیز ذہنوں میں جاگزیں تھی کہ خلافت ایک ایسا نظام ہے جو اصلاح عالم اور دنیا کے نظام

www.avs4you.com

کو صحیح حالت میں رکھنے کے لئے ناگزیر ہے اور خلیفہ اس نظام خلافت اور اس اقتدار کا مرکز اور سرچشمہ ہے۔ جب خلیفۂ عباسی سے دنیاوی اقتدار سلب ہوچکا تھا اور طاقت ور امرا نے جب جی چاہا قید کر دیا۔ جب جی چاہا معزول کر دیا اور جی میں آیا تو قتل کر دیا، اس وقت بھی یہ عالمگیر ذہنیت فنا نہیں ہوئی تھی اور خلیفہ کا مذہبی اقتدار اپنی جگہ پر تھا۔ ایک زمانہ خلفاء پر وہ گذرا تھا جب فقیروں کی طرح اُس کی زندگی بھی صدقات پر قائم تھی، اس وقت بھی ان کی مذہبی فرمانروائی پر کوئی اثر نہ پڑا تھا۔ مسلمانوں کے بہت سے حکمراں اس زبوں حالی میں بھی اس کے اقتدار کے معترف اور اس سے تفویض (نیابت) کی التجا کرتے تھے کہ ان کے عقیدہ میں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین اور مسلمانوں کی قوت کا سرچشمہ تھا۔ ان امرار کی حکمت عملی اس "تفویض" سے یہ ہوتی تھی کہ وہ اپنی بزورِ شمشیر حکومت کو مذہبی حیثیت دے دیں۔ اسی پالیسی کے ماتحت سلطان محمود غزنوی (۳۸۸-۴۲۱ھ / ۹۹۸-۱۰۳۰ء) نے خلیفہ مقتدی باللہ (۵۳۰-۵۵۵ھ) کی خلافت کے سامنے سر جھکایا تھا اور یوسف بن تاشفین شاہ "مرابطین"

---

[1] الفخری ص ۲۷۴

نے اس کی خلافت کو تسلیم کیا تھا اور اس سے شرعی "تفویض" کی التجا کی تھی، خلیفہ مقتدی نے اسے "تفویض" عنایت کی اور اس کے اختیار کردہ لقب "امیر المسلمین" کو برقرار رکھا۔

سیوطی نے لکھا ہے :۔

"۴۷۹ھ میں یوسف بن تاشفین نے سبتہ و مراکش کے حاکم و مقتدی کی خدمت میں بھیجا تاکہ جن ممالک پر اس نے قبضہ کیا ہے ان پر حکومت کرنے کی اجازت اس کے لئے خلیفہ سے حاصل کرے اور اس کے سلطان ہونے کا اعلان کرائے، خلیفہ نے اس کی اس فرمائش کو شرفِ قبول بخشا اور اس کے پاس خلعت، نشان اور فرمان بھیجا اور اس کو امیر المسلمین کا لقب عطا فرمایا، اس سے اُسے انتہائی خوشی ہوئی اور فقہاءِ مغرب بھی بیحد مسرور ہوئے "مراکش" کی بنیاد اسی ابن تاشفین نے رکھی ہے"۔[1]

عباسی خلفاء کے مذہبی اقتدار کا جائزہ لینے کے بعد یہ یقین کرنے میں تامل نہیں ہوتا کہ عباسی خلیفہ عالمگیر مذہبی اقتدار کا مرکز تھا [illegible] خلیفہ اگرچہ عضوِ معطل کی حیثیت رکھتا تھا، لیکن [illegible] تھا۔ یہ اس وقت کا ذکر ہے جب خلافتِ فاطمیہ اپنے پورے عروج پر تھی اور خلافتِ عباسیہ انحطاط کے آخری نقطہ پر تھی تھوڑی مدت میں فاطمیوں کا آفتاب دجلہ و فرات کے کنارہ (۵۶۷ھ - ۱۱۷۱ء) میں غروب ہو گیا اور سیاست کی دنیا میں صلاح الدین ایوبی نمودار ہوا، جس نے عباسی خلیفہ مستضئ (۵۶۶-۵۷۵ھ، ۱۱۷۰-۱۱۸۰ء) کے نام کا خطبہ مصر، بلادِ مغرب یمن اور سوریہ (شام) کے منبروں پر پڑھا، اور خلیفہ نے بطورِ اظہارِ خوشنودی اسے ان ممالک کی نیابت کا شرف بخشا تھا۔ خلیفہ مستنصر (۶۲۳-۶۴۰ھ - ۱۲۲۶-۱۲۴۲ء) نے نور الدین عمر (۱۲۲۹-۱۲۴۹ء) کو بلادِ یمن کی "نیابت" عنایت فرمائی تھی۔ اسی خلیفہ نے شمس الدین التمش کو ہندوستان کی "نیابت" اور سلطان کا خطاب عطا فرمایا تھا۔ التمش نے بھی اپنی سلطنت میں سکہ خلیفہ کے نام سے جاری کیا تھا۔[2]

اس بحث و نظر کے بعد عباسی خلفاء کے عالمگیر مذہبی اقتدار کا اندازہ دشوار نہیں رہتا۔

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۲۸۱ [2] The Caliphate. P. 83.

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

خلافتِ عباسیہ کا آخری دَور

عالمِ اسلامی کی حالت سلطان مسعود کی موت ۵۴۷ھ کے بعد سلجوقیوں کی حکومت کا شیرازہ پراگندہ ہوگیا اور ان کی سلطنت مختلف حکومتوں میں تقسیم ہوگئی جو اتابکہ کی حکومت کے نام سے موسوم تھیں۔

ساتویں صدی ہجری یا تیرھویں صدی عیسوی کے اوائل میں چھوٹی چھوٹی اسلامی حکومتیں مغربی ایشیا، اور شمالی افریقہ میں قائم تھیں۔ یہ ایک دوسرے کی حریف تھیں اور ہمیشہ آمادۂ پیکار رہتی تھیں۔ مصر، فلسطین اور بلادِ شام کا بڑا حصّہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے زیرِ نگیں تھا سلجوقیوں کا ایشیائے کوچک پر تسلّط تھا جو خلافتِ عباسیہ کے خاتمہ تک قائم رہا۔

مشرق میں خوارزم کی بہت بڑی سلطنت موجود تھی۔ یہ ان امراءِ ترک کی حکومت تھی جو خیوہ ([illegible]) آئے تھے اور دولتِ سلجوقیہ کے صوبوں پر تسلّط جما لیا تھا۔ ان کا دائرہ حکومت دریائے گنج اور دجلہ کے درمیانی علاقہ تک وسیع تھا۔ اگرچہ خوارزم شاہ ہندوایران کے شہریوں میں مستحکم رشتہ قائم نہ کر سکا تھا۔

دولتِ خوارزم اس زمانہ میں اسلامی دنیا چند چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں منقسم تھی، یہ حکومتیں ہمیشہ ایک دوسرے سے نبرد آزما رہتی تھیں، ان میں دولتِ خوارزم جو اتابکہ[1] کی ایک سلطنت تھی۔ خاص طور سے سلجوقیوں سے برسرِ پیکار رہتی تھی!

اس سلطنت کی بنیاد محمد بن انوشتگین نے ڈالی تھی۔ اس کا باپ کسی سلجوقی امیر کا غلام تھا، محمد کی نشوونما اور تعلیم و تربیت نہایت اعلیٰ پیمانہ پر ہوئی تھی، یہ بلند پایہ ادیب اور فاضل تھا۔ عالی ہمت اور بلند حوصلہ تھا اسے ایک حبشی جنرل برکیاروق نے بلاد خوارزم پر

---

[1] ان کا مورثِ اعلیٰ اتابک عساکر کہا جاتا ہے۔ اس کی اصل اتا بک ہے اور اس کے معنی "ولد امیر" کے ہیں سب سے پہلے یہ لقب نظام الدولہ وزیر ملک شاہ سلجوقی کو دیا گیا تھا۔ جب اسے وزیرِ اعظم ۴۶۳ھ میں مقرر کیا گیا تھا۔ اتابک کے معنی "امیر اب" کے بھی بتائے گئے ہیں۔ اس سے مراد ابوالامرائے ہے۔ وزیرِ اعظم کے بعد اس کا درجہ ہوتا تھا یہ مرتبہ اعزازی تھا۔ نظم و نسق میں اس کا دخل نہ ہوتا تھا۔ قلقشندی ج ۴ ص ۱۸ و تاریخ سلطان عماد الدین

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

حاکم مقرر کیا تھا اور "خوارزم شاہ" کا لقب دیا تھا۔ جب سلطان سنجر بلادِ خراسان کا فرمانروا ہوا تو اس نے محمد کی فرمانروائی خوارزم اور اس کے صوبوں پر برقرار رکھی۔ یہ سلطان سنجر کا اپنی موت (۵۲۱ھ) تک معتمد رہا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا اتسز جانشین ہوا۔ یہ بھی باپ کی طرح سلطان کی نظروں میں وقیع تھا، سلطان کی اس پر بے حد شفقت تھی۔ یہ گھرانا ۶۲۸ھ تک حکمران رہا اس کے بعد تاتاریوں نے اسے موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

مستضئ باللہ (۵۶۶ - ۵۷۵ھ = ۱۱۷۰ - ۱۱۸۰ء) کے عہد میں خوارزم شاہ ایل ارسلان بن اتسز نے وفات پائی اور اس کا چھوٹا بیٹا سلطان شاہ ابن ایل ارسلان اپنی ماں کی زیرِ نگرانی فرمانروا ہُوا، چند روز بعد اس کے بڑے بھائی علاء الدین تکش نے اس پر چڑھائی کر دی، اور بلادِ خوارزم پر قبضہ کرنے کے بعد وہاں کا خود مختار حاکم بن بیٹھا۔ اُسی نے ۵۹۰ھ میں سلجوقیوں کی حکومت کا جنازہ عراق میں دفنا دیا، اس کے بعد عراق سے ان کی فرمانروائی کا خاتمہ ہو گیا۔

UNREGISTERED VERSION

[illegible] تکش [illegible] اس کا جانشین ہُوا جو ۶۱۷ھ تک فرمانروا رہا۔ اسی سنہ سے مغلوں کی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا ہے، اس

www.avs4you.com

کی موت کے بعد جلال الدین منکبرنی تخت نشین ہوا جو [illegible] تک حکومت کرتا رہا، یہ اس خاندان کا آخری فرمانروا تھا۔

عباسی خلیفہ ناصر الدین اللہ (۵۷۵ - ۶۲۲ھ = ۱۱۸۰ - ۱۲۲۵ء) کے عہدِ حکومت میں طغرل بن الپ ارسلان سلجوقی، علاء الدین تکش کے ہاتھ سے مارا گیا، سلجوقیوں کی حکومت کے لئے یہ زبردست دھچکا تھا اور مستقبل میں انہیں پھر کبھی پنپنے کا موقع نہ ملا۔

علاء الدین تکش کی حکومت کا دائرہ عمل مشرقی بلاد ماوراء النہر سے بلادِ رے تک وسیع تھا بلادِ رے کا الحاق سلجوقیوں کی شکست کے بعد ہُوا تھا، پہلی دفعہ یہاں اس کا اقتدار زیادہ مدت تک قائم نہ رہ سکا تھا اور علاء الدین کی وہاں سے روانگی کے بعد ہی خلیفہ ناصر کی فوجوں نے اس کے گورنر سے بلادِ رے خالی کرا لئے تھے۔ علاء الدین نے یہ خبر سُنی تو بلادِ رے واپس آیا اور خلیفہ کی فوجوں سے انہیں واپس لے لیا۔

علاء الدین تکش کی وفات (۵۹۶ھ) کے بعد اس کا بیٹا قطب الدین محمد خوارزم شاہ

جانشین ہُوا، اس نے خلیفہ سے درخواست کی کہ عراق کے ممالک محروسہ میں میرا نام سلجوقیوں کی جگہ خطبہ میں لیا جائے۔ خلیفہ نے اس سے انکار کر دیا۔ قطب الدین کو یہ چیز سخت ناگوار گذری اور اس نے بھی اپنی قلمرو میں خلیفہ کا نام خطبوں سے خارج کر دیا، اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ دونوں میں شدید کشمکش پیدا ہو گئی۔

تاتاری خلیفۂ عباسی اور قطب الدین خوارزم شاہ کی شدید دشمنی کی وجہ سے بعض مورخین کا خیال ہے کہ خلیفہ ناصر نے جب شاہ خوارزم کی بے پناہ فوج کے اجتماع کی خبر سُنی تو اپنے لئے شدید خطرہ محسوس کیا اور تاتاریوں سے سازباز کی۔ مقصد یہ تھا کہ دو "موذیوں" تصادم کرا دے اور خود اس شر سے مامون رہے۔

ممکن ہے یہ غلط نہ ہو، خلفاء عباسیہ کی یہ سیاست کاری ایک مدت سے چلی آتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے بنی بویہ سے خط و کتابت کی تھی کہ ترک امراء کے چنگل سے بچائیں، طغرل بک سلجوقی [illegible] سیہ کو

UNREGISTERED VERSION

خلافت فاطمیہ میں تبدیل کر دینے کی ٹھان لی تھی، خوارزم شاہ کے پاس ڈیپوٹیشن اس غرض سے گئے تھے کہ سلجوقیوں کے اقتدار سے چھٹکارا دلائے جن اسباب کی بناء پہ خلفاء عباسیہ نے بنی بویہ

www.avs4you.com

سلاجقہ اور خوارزم شاہ سے امداد مانگی تھی۔ وہی اسباب تاتاریوں سے امداد مانگنے میں کار فرما ہو سکتے تھے۔

یہ شبہ سادہ لوحی پر مبنی ہے کہ بنی بویہ، سلاجقہ اور خوارزم شاہ مسلمان تھے اسلئے خلیفہ عباسی نے ان سے امداد مانگنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کی تھی لیکن تاتاری بت پرست تھے اُن سے ایک خلیفہ کا مدد مانگنا قرین قیاس نہیں ہے۔ اہلِ بصیرت جانتے ہیں کہ سیاست کی دنیا میں مذہبی وحدت خلیفہ ناصر کے راستہ میں کبھی حائل نہیں ہوئی۔ اس کی سیاسی زندگی اس کی گواہ ہے۔ سلطنت کی فلاح و بہبود کے لئے وُہ کسی چیز کی بھی پرواہ نہیں کرتا تھا، عباسی مملکت کے تحفظ کے خیال سے خوارزم شاہ اور تاتاریوں میں تصادم کی پالیسی اس کے نزدیک ایک معمولی بات تھی، وُہ جانتا تھا، تاتاریوں سے عباسی خلافت کو اس وقت کوئی خطرہ نہیں ہے وُہ جغرافیائی لحاظ سے عباسی حدود مملکت سے بہت دُور ہیں، دوسرے درمیان میں خوارزم شاہ کی بے پناہ

فوج حائل ہے۔
ابن الاثیر[1] کے نزدیک خوارزم شاہی ممالک پر تاتاریوں کے حملہ اور بلادِ اسلامیہ پر انکی للچائی ہوئی نگاہ کا سبب دوسرا ہے اور وہ یہ کہ ۶۱۲ھ میں چنگیز خاں نے اپنی مملکت کے چند ممتاز مسلمانوں کو خوارزم شاہ کے پاس باہمی معاہدہ کے لئے روانہ کیا تھا۔ اُن کے ساتھ بیش قیمت ہدایا بھی بھیجے تھے، خوارزم شاہ نے اس کے شرائط معاہدہ مان لئے اور دونوں حکومتوں میں ایک معاہدہ ہوگیا اس کے بعد دونوں ملکوں کے تاجر امن و آزادی سے آنے جانے لگے۔ ارباب سیاست کا خیال ہے کہ یہ چنگیز خان کی سیاسی حکمت عملی تھی، اُس نے ان تاجروں کے ذریعہ خوارزم شاہ کی فوجی طاقت کا جائزہ لیا تھا۔
اس معاہدہ کو زیادہ مدت نہیں گذری کہ تاتاریوں نے بخارا اور سمرقند پر یورش کر دی اس وقت سمرقند اور بخارا، بلادِ ماوراء النہر میں علما کا مرکز اور دولت و ثروت کے منبع تھے، اس تاتاری سیلاب [illegible] رخ کیا اور انہیں بہالے گیا، اس سے فرصت ہوئی تو جرجان اور آرمینیہ کبریٰ کی طرف بڑھا اور وہاں انتہائی بربریت اور بہیمیت کا مظاہرہ کیا۔ رفتہ رفتہ ان کی فتوحات کا دائرہ یورپ تک وسیع ہوگیا۔ یہاں تک کہ کوبلا خاں (۶۵۵-۶۹۳ھ ؛ ۱۲۵۷-۱۲۹۴ء) کے زمانہ میں ان کا اقبال انتہائی عروج پر تھا، اسی کے دور میں خلافتِ عباسیہ کا خاتمہ ہوا تھا۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

بغداد میں خلافتِ عباسیہ کا زوال

مستعصم اور ہلاکو خاں بغداد، پانچ سو برس تک عباسیہ کا دار الخلافت اور علم و فن اور عالمِ اسلامی کا مرکز رہا، مستعصم کے عہد میں مغل تاتاریوں کے ہاتھوں سے اس کی بربادی عمل میں آئی۔ بربادی کا اہم سبب مستعصم کے ارد گرد نا اہلوں کا حلقہ، حکومت کی صلاحیت سے عاری ہونا اور لہو و لعب میں اس کا انہماک تھا۔ وزیر مؤید الدین بن علقمی تاتاریوں کے بڑھتے ہوئے خطرے سے

[1] الکامل ج ۱۲ ص ۲۳۶

مستعصم کو برابر آگاہ کرتا رہا مگر اس نے مطلق توجہ نہ کی۔ اس کی غفلت سے دشمن نے فائدہ اُٹھایا اور برابر اپنی قوت کو مجتمع کرتا رہا، اور مستقبل میں ایک کوہِ آتش فشاں بن کر بغداد پر ٹوٹ پڑا۔

یہ صحیح ہے کہ مستعصم نیک سیرت، متدیّن، نرم خو، نیک طبیعت، گفتگو میں محتاط، خوش اخلاق اور مرنج مرنجاں انسان تھا، مگر اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ وہ فہم و فراست سے بڑی حد تک بے بہرہ، فوجی صلاحیتوں سے عاری، امورِ سلطنت سے بے خبر، لا پچیوں کی اُمید گاہ اور بے رعب و دبدبہ کا خلیفہ تھا اور معاملات کی تہ تک پہنچنے کی صلاحیت نہ رکھتا تھا اس کا زیادہ وقت نغمہ و سرود اور مسخروں کی صحبت میں گذرتا تھا، اس کے خود غرض اور نمک حرام مصاحب اس پر حاوی تھے اور بدقسمتی سے سب کے سب جاہل اور ہیچ ذات تھے۔ صرف ایک وزیرِ اعظم مؤیدالدین بن علقمی ضرور صاحبِ علم اور دانش مند تھا اور اس کا تعلق ممتاز خاندان سے تھا مگر [illegible] تھا آخر زمانہ میں جب ہلاکو خاں کے حملہ کی افواہیں ہر طرف پھیل گئی تھیں، اس وقت بھی مستعصم نہایت مطمئن تھا اور اُسے ذرہ بھر تشویش نہ تھی۔ جتنی افواہیں خوفناک ہوتی جاتی تھیں اتنی ہی خلیفہ کی طرف سے سہل انگاری ظاہر ہوتی تھی۔

مؤیدالدّین بن علقمی اصل حالات کو خوب جانتا تھا اور اسی لئے نہایت دلسوزی سے مستعصم کو فوجی استحکامات، بیدار مغزی اور احتیاط کا مشورہ دیتا تھا، مگر اس کی باتوں کو ایک مجذوب کی بڑ سے زیادہ حیثیت نہ دی تھی، خلیفہ کے نااہل مصاحب اسے یقین دلاتے تھے کہ تاتاریوں کا کوئی خطرہ نہیں ہے وزیرِ اعظم صرف اس لئے اہمیت دے رہا ہے کہ اپنی ذات نمایاں کرے اور جنگی تیاریوں کے نام سے خزانہ سے دولت لیکر اسے اپنے گھر میں سمیٹ کر رکھ لے[۱]

یہ خلیفہ اور اس کے ماحول کا یہ ایک سرسری جائزہ تھا۔ اب ہلاکو خاں اور اسکے ساتھیوں پر بھی ایک نظر ڈالیئے۔

پروفیسر براؤن[۲] کا بیان ہے "ہلاکو خاں نے باطنیہ اور حشاشیوں کا بلادِ فارس میں سنیوں کی خوشنودی کے لئے استیصال کیا تھا۔ حشاشیوں کا صفحہ ہستی سے خاتمہ کرنے کے بعد اس نے

ؐ۱ الفخری فی آداب السلطانیہ ص ۲۶۴، ۲۶۷ ؐ۲

BROUNE, LITERARY HISTORY OF PETSIA VOL, II- 440

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

خلیفہ مستعصم باللہ کے پاس ہمدان سے جو اس کا فوجی مرکز تھا الٹی میٹم بھیجا کہ اگر خلیفہ نے اپنے آپ کو اور اپنے دار السلطنت کو مغلوں کے حوالہ نہ کر دیا تو طاقت سے کام لیا جائے گا۔ اس الٹی میٹم کے جواب میں شرف الدین عبداللہ بن جوزی کو قاصد کی حیثیت سے ہلاکو خاں کے دربار میں ہمدان روانہ کیا گیا، ہلاکو نے جب اس سے تبادلہ خیالات کیا اور خلیفہ کا جواب سنا تو فوراً سمجھ گیا کہ یہ دفع الوقتی کی چال ہے اس کے بعد اس نے بغداد پر حملہ کے انتظامات شروع کر دیے اور فوجوں کو تیاری کا حکم دیدیا[1] یہ ستمبر ۱۲۵۷ء ۔ ۶۵۵ھ کا ذکر ہے۔

سقوطِ بغداد نومبر ۱۲۵۷ء ، ۶۵۵ھ میں ہلاکو خاں بغداد پر حملہ کے ارادہ سے روانہ ہوا اس کے ہمراہ بہت سے مسلمان امرا بھی تھے۔ ابو سعد زنگی، اتابک شیراز (حضرت شیخ سعدی کا ممدوح) بدر الدین لو لو اتابک موصل (جس کی طرف مصنف "الفخری" اکثر اپنی تصنیف میں اشارہ کرتا ہے) اور اس کے پرائیویٹ سیکرٹری، عطا ملک جوینی، مصنف تاریخ "گوہاں گوشا" [illegible] (Gohan Gu Sha) [illegible] ہیں[2]

مغلوں کا لشکر عظیم [illegible] دجلہ کی طرف بڑھا اور تکریت پہنچا، جہاں دجلہ کی مغربی جانب عبور کر کے شہر انبار پر جو فرات کے ساحل پہ واقع ہے تسلط قائم کیا اس کے بعد دریائے علیلی کے راستہ سے ہو کر فرات کے مغربی جانب بڑھا اور فوج کے میسرہ نے "باب کلواذی" کے قریب ڈیرے ڈال دیے، یہ بغداد کا مشرقی پھاٹک تھا۔ مغلوں کی فوجوں کا کمانڈر انچیف چنگیز خاں کا پوتا ہلاکو خاں تھا، یہ قلب لشکر کی کمان خود کر رہا تھا۔ اس نے وسطِ محرم ۶۵۶ھ، ۱۲۵۸ء میں بغداد کی مشرقی سمت اپنی فوجیں اتار دیں، اس وقت مغلوں کے لئے شیعوں کی ان ریشہ دوانیوں نے آسانیاں پیدا کر دیں جو سنیوں کے خلاف اس وقت اندرونِ بغداد کی جا رہی تھیں ان سازشوں کا مرکز خاص طور سے محلہ کرخ اور محلہ حی الکاظمیہ تھا، جہاں اثنا عشری فرقہ کے امام سابع موسیٰ کاظم کا مشہد ہے۔ ان دونوں محلوں کی اکثریت شیعوں پر مشتمل تھی جو سنیوں سے انتہائی بغض و عداوت اور تعصب رکھتے تھے۔ آخر میں یہ کھلم کھلا غنیم سے مل گئے اور اُن کی اپنے ہم مذہب بھائیوں کے خلاف عملی امداد کی۔

[1] الفخری ص ۲۹۷ ۔ [2] Browne, Vol, II. P. 460.

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

غنیم کی ہیبت سے بغداد کے باشندے انتہائی سراسیمہ تھے۔ دجیل، اسحاقی، رودبار ملک اور رودبار عیسیٰ کی آبادیاں پریشانی کے عالم میں معہ اپنے اہل و عیال کے بغداد میں پناہ لینے کے لئے آ رہی تھیں، اس گھبراہٹ میں مرد اور عورتیں اپنے آپ کو موجوں کے حوالے کر دیتے تھے اور پار جانے کی کوشش کرتے تھے۔ ملاح ایک جانب سے دوسری جانب پہنچانے کے عوض ایک ایک شخص سے سونے کا کنگن، منقش سنہری چادر یا دیناروں کی معتد بہ رقم وصول کرتے تھے جب ہلاکو خاں کا ایک جرار لشکر تیس ہزار سواروں کا دجیل پہنچا ہے، اس وقت خلیفہ کی فوج کا ایک ہراول دستہ مجاہد الدین ایبک دویدار کی قیادت میں نکلا۔ یہ بہت قلیل تعداد میں تھا۔ ان دونوں کا بغداد کی مغربی جانب، شہر کے قریب تصادم ہوا۔ شروع میں خلیفہ کا لشکر غالب رہا اور ہلاکو خاں کے لشکر کو سخت ہزیمت اٹھانا پڑی، کثرت سے ان کے سپاہی ہلاک اور اسیر ہوئے۔ اس وقت غنیم کے لئے وہ رودبار ایک مصیبت ثابت ہوئی جسے اُسنے شب میں فتح کر لیا تھا، کیچڑ کی زیادتی [illegible] جنہوں نے اپنے آپ کو پانی میں ڈال دیا [illegible] خشکی [illegible] شام کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے لیکن دویدار صحیح سالم اپنے دستہ کے ساتھ بغداد پہنچا، اس کے بعد باجو ایک عظیم الشان فوج لے کر مغربی جانب سے بغداد میں داخل ہوا اور چند روز تاج کے سامنے فروکش رہا اور اپنے جاسوسوں کے ذریعہ حالات کا جائزہ لیا اور اپنے موافق فضا پیدا کی۔ چند روز میں ہلاکو خاں کا لشکر ۱۲۔ محرم ۶۵۶ھ میں سیلاب کی طرح بغداد کی مشرقی طرف یعقوبی درب سے اُمنڈ پڑا اور پورے شہر پر چھا گیا۔ اُس وقت لوگ گھبرا کر چھتوں اور مناروں پر چڑھ گئے۔ ہلاکو کے لشکر نے بغداد کے چاروں طرف سے محاصرہ کر لیا اور سامان رسد وغیرہ بند کر دیا۔ خلیفہ کا لشکر ۱۹۔ محرم ۶۵۶ھ تک مدافعت کرتا رہا۔

۱۹ محرم ۶۵۶ھ کا آفتاب بغداد کی تباہی لے کر طلوع ہوا اور "برج عظمی" پر جو "باب کلواذی" کی جانب واقع تھا مغلوں کا پرچم لہرانے لگا۔ یہ برج فصیل شہر کا سب سے چھوٹا دروازہ تھا۔ اس روز ہلاکو کی فوجیں بغداد میں داخل ہوئیں اور جس بربریت کا مظاہرہ کیا، اس کی نظیر تاریخ کے خونیں صفحات میں نہیں ملتی ہے۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

وکان ما کان مما لست اذکرہ   فظن خیرا ولا تسال عن الخبر

اس دن جو کچھ ہُوا، میں اس کا ذکر کرنا نہیں چاہتا   تم گمان اچھا ہی رکھو اور حالات کو نہ پوچھو (الفخری ص۲۹)

خلافتِ عباسیہ کا خاتمہ تسخیرِ بغداد کے بعد عباسیوں کا آخری فرمانروا مستعصم اور تمام شاہی خاندان کے افراد گرفتار کر لئے گئے اور انہیں فوجوں کی حراست میں دیدیا گیا۔

ہلاکو خاں قصرِ مامونیہ جو مشرقی بغداد میں تھا، ٹھہرا اور تاتاریوں نے اس کے اشارہ سے سوادِ اعظم کو بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کیا، اور شہر میں آگ لگا دی، اس آگ نے خلیفہ کی مسجد، امام موسیٰ کاظم کا مشہد، رصافہ کا شاہی قبرستان اور بڑی بڑی سڑکوں اور عمارتوں کو خاکستر کر دیا اور چند روز میں یہ "بہشت ارضی" (بغداد) کھنڈر نظر آنے لگی۔

اس خونی ڈرامہ کا خاتمہ مستعصم اور شاہی خاندان کے سفاکانہ قتل پر ہُوا۔ بغداد سے یہ تاتاری بھیڑئیے دوسری حکومتوں کی گھات میں روانہ ہوئے۔ روانگی سے قبل ہلاکو خاں نے مسجدِ خلیفہ [illegible]

UNREGISTERED VERSION

بغداد، تاتاریوں کے حملہ کے بعد تاتاری سیلاب (۶۵۶ھ) کے بعد بغداد مسلمانوں کا دارالسلطنت پھر کبھی نہ بن سکا، اگرچہ عراقِ عرب کا ایک اہم شہر ہمیشہ رہا، ہلاکو خاں کی اولاد کی حکومت فارس اور بلادِ جزیرہ پر زیادہ دن تک قائم نہ رہ سکی، ان کی حکومت کی مدت اتنی بھی نہ تھی جتنی کہ جلائیری خاندان کے سردار شیخ حسن بوزرگ (Buzurg) کی تھی جس نے ۱۳۴۰ء میں بغداد پر پھر تسلط قائم کر لیا اور دو ماہ وہاں مقیم رہا۔ روانگی کے وقت اپنے گورنر میرزا ابوبکر کو حکم دیا کہ بغداد کی از سرِ نو تعمیر کرائی جائے۔

www.avs4you.com

اس وقت پیہم یورشوں کی وجہ سے اس کا اکثر حصہ برباد اور ویران ہو چکا تھا۔ تھوڑی

Le Strange, Bagdad during the Abbasid caliphate P. 343 ؎

بغداد کی بربادی پر عبدالمومن (۷۳۹ھ) نے اپنی کتاب مراصد الاطلاع میں جو یاقوت کی کتاب "اسماء الاماکن والبقاع" کی شرح ہے۔ نہایت تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے، یہ کتاب ۶۲۶ھ و ۱۲۲۹ء کی تصنیف ہے۔ اس میں سلسلہ واران بربادیوں کا نہایت وضاحت سے ذکر کیا ہے جو ایرانی، ترکی، اور تاتاریوں کے ہاتھوں میں عمل میں آئیں، ان میں ہر ایک نے اپنے پیشرو کی تعمیر کو تباہ و برباد کیا۔

مدت کے بعد سلطان احمد جلائیری نے بغداد پر پھر تسلط جما لیا اور ۱۴۱۱ء تک وہاں حکومت کرتا رہا۔ اسی سال قرہ کیونلی (Qara Kuyunli) یا ترکمان شاہ سودا رنے بغداد پر قبضہ کر لیا۔ ۱۴۶۹ء تک اس کے خاندان کی فرمانروائی رہی، ۱۴۶۹ء میں اس خاندان کے رقیب آق کیونلی (Aq Kuyunli) یا ترکمان شاہ بیغنا رنے بغداد کو اس سے چھین لیا۔

۱۵۰۸ء میں اسماعیل صفوی شاہِ ایران کی فوجیں بغداد میں داخل ہوگئیں۔ ۱۵۳۴ء میں سلطان سلیمان قانونی کے دورِ حکومت میں ایک ترکی جنرل نے اس پر قبضہ کر لیا اور عثمانیوں کی حکومت بغداد پر قائم ہوگئی۔ لیکن شاہ عباس کے زمانہ میں ترکوں سے صفویوں نے اُسے پھر چھین لیا۔ یہ بیکر آغا انکشاری کی غداری کا نتیجہ تھا۔ ۱۶۳۸ء میں ترکوں نے ایرانیوں سے اُسے دوبارہ واپس لے لیا۔

بغداد کا سقوط اور قونیہ میں سلجوقیوں کی خود مختاری کا خاتمہ ساتھ ساتھ ہوا۔ مغلوں کی یورش سے [illegible] بلادِ ارض روم میں خاک اُڑنے لگی۔ لیکن مغلوں کے پاس رسد کا فی سامان اور دیگر ضروری اشیا تھیں کہ وُہ سوریہ باآسانی پہنچ گئے اور حلب کو لوٹا اور ۱۶۲۰ء میں دمشق پر قبضہ کر لیا۔ ان غارت گریوں کی وجہ سے وہاں کے باشندوں پر فقر و فاقہ اور صدہا مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

مستعصم کے قتل کے بعد مسلمانوں کے دلوں میں یہ خیال قائم ہوگیا کہ اب قیامت قریب آگئی ہے اور دنیا صرف چند دن کی ہے۔ اس وقت ہر واقعہ کی تعبیر خدا کے قہر و غضب سے کی جانے لگی اور ان حادثات سے یہ استدلال کیا جانے لگا کہ اب دنیا خلیفہ نہ ہونے سے زیر و زبر ہونے والی ہے[1]۔ کیونکہ عوام کا عقیدہ تھا کہ نظمِ کائنات کے لئے خلیفہ کا ہونا ضروری ہے۔ اسی مذہبی جذبے یا دینی ذہنیت کا یہ اثر تھا کہ ہندوستان کے ایک بادشاہ (محمد تغلق ۱۳۲۵-۱۳۵۱ء) کی قلمرو میں مقتول خلیفہ مستعصم باللہ کے بعد تیس برس تک اسی کے نام سے سکہ جاری رہا۔ تاتاریوں نے بغداد پر یورش کے دوران میں وہاں کے سنہرے قبوں کا سونا علیحدہ کر لیا اور قصروں کے ایرانی تحائف اور چینی نوادرات لوٹنے کے بعد انہیں منہدم کر دیا۔ مکاتب و مدارس کو تباہ و برباد کیا اور ان کی لائبریریوں کی کتابیں نذرِ آتش کر دیں یا انہیں دجلہ میں پھینک دیا۔ شہریوں کی اکثریت

[1] تاریخ الخلفا، ص ۳۰۹۔

کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس میں بچّے، بوڑھے، عورت اور مرد، بیمار و تندرست اور عالم و جاہل کا کوئی امتیاز نہ تھا۔[1]

متعدد خلافتیں علماء کی زبانوں پر عام طور سے جاری تھا کہ خلیفہ صرف ایک ہی شخص ہو سکتا ہے۔ اگر ایک سے زیادہ ہوں تو ان کی حکومت غیر شرعی ہوگی اور اُن سے جنگ اور انکا استیصال ضروری ہے اس عالمگیر ذہنیت کے باوجود خلافتِ عباسیہ کے ضعف اور خلیفہ کے اقتدار کے خاتمہ کے بعد متعدد خلافتیں قائم ہوگئیں تھیں، یہ حسب ذیل تھیں:۔

۱:۔ خلافت فاطمیہ: ۲۹۷ھ میں بلادِ مغرب میں اس کی تاسیس عمل میں آئی اور ۳۶۲ھ میں مصر کے اندر اس کی نشاۃِ ثانیہ ہوئی۔ تفصیل آئندہ آئے گی۔

۲:۔ اُندلس میں اموی فرمانروا عبد الرحمٰن ثالث (۳۰۰۔۳۵۰ھ) کے عہد میں اموی خلافت کا سنگِ بنیاد رکھا گیا، یہ بلادِ اندلس کے حکمرانوں میں سب سے اولو العزم فرمانروا تھا۔ بلادِ اندلس کے فر[illegible]ط تھا، جو اسلام کا گہوارہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مولد اور وحی کا مہبط تھا۔ مسلمانوں کا اعتقاد تھا کہ خلافت اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتی جب تک خلیفہ کی حرمین (مکہ و مدینہ) پر حکومت نہ ہو۔[2]

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

مگر جب خلفاءِ عباسیہ کی حیثیت کا خاتمہ ہو گیا اور وہ ترک امراء کے کھلونہ بن گئے دوسری طرف بنی فاطمہ کی خلافت بلادِ مغرب میں قائم ہوگئی اور وہاں کے حکمران اپنے آپ کو "امیر المؤمنین" کہنے لگے تو عبد الرحمٰن ثالث نے اپنی سیاست کو عمل میں لانے کیلئے حالات کو سازگار پایا۔ اور "امیر المؤمنین الناصر" کا لقب اختیار کیا۔ اس سے قبل اموی فرمانروا "بنی الخلفا" کے لقب پر اکتفا کرتے تھے[3] عبد الرحمٰن نے فرمان جاری کر دیا تھا کہ اسے اس جدید لقب سے مخاطب کیا جائے اور منبروں پر خطبہ میں اس کا ذکر کیا جائے۔ اس طرح اس وقت تین خلافتیں قائم تھیں۔ مشرق میں خلافتِ عباسیہ، بلادِ مغرب میں خلافتِ فاطمیہ اور اُندلس میں خلافتِ امویہ۔

خلافتِ عباسیہ "فرمانروائی کے خداداد نظریہ" پر قائم تھی۔ خلافت فاطمیہ کی اساس سبائیوں

---

[1] تفصیل دیکھئے صبح الاعشیٰ ج ۱ ص ۴۶۶ والمختصر فی اخبار البشر ج ۳ ص ۲۰۳

[2] Adam Mez, The Peniussance of Islam, P.3 [3] ایضاً P.2

کے موروثی نظامِ مملکت اور معاہدہ اجتماعی کے نظریہ پر تھی، لیکن خلافتِ امویہ نے نہ نظریہ خداداد حق فرمانروائی کی پناہ لی اور نہ اپنے اقتدار کو جمہور کا عطیہ سمجھا بلکہ وہ فرمانروائی کا حق اپنی قوت اور جد و جہد کا نتیجہ خیال کرتی تھی۔

۳:۔ ۳۴۲ھ، ۹۵۳ء میں سجلماسہ (جبل اطلس کے جنوب میں) کے حاکم نے اپنے لئے امیر المومنین کا لقب اختیار کیا۔[1]

۴:۔ خلافتِ عباسیہ کے دورِ انحطاط میں عبدالرحمٰن بن علی دولت موحدین (۵۲۴-۶۶۷ھ) کے موسس نے اپنے لئے خلیفہ اور امیر المومنین کا لقب اختیار کیا تھا اور تمام لوازم خلافت کا بلادِ مغرب میں احیار کیا تھا۔

۶۵۶ھ میں خلافتِ عباسیہ کا لاشہ تڑپ کر سرد ہو گیا اور اس کے ساتھ خلافت کے قدیم نظام کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اب ہر طاقت ور حاکم خود خلیفہ بن بیٹھا تھا اور اپنی حکومت کے شرعی جواز کے لئے [illegible] ن

UNREGISTERED VERSION

نے مسلمان ہونے کے بعد قاہرہ میں خلفا عباسیہ کی کوئی پرواہ نہ کی۔ فارس میں غازان (۱۲۹۵ء

www.avs4you.com

۱۳۰۴ء) مسلمان ہونے کے بعد "سلطان اعظم سلطان الاسلام والمسلمین" بن گیا تھا۔ شاہ رخ اور تونس کا حاکم ابوعبداللہ محمد حفصی (۱۲۴۹-۱۲۷۷ء) نے بھی خلیفہ کا لقب اختیار کیا۔ ابو عنان فارس (۱۳۴۸-۱۳۵۸ء) مراکش کے خانوادہ مرینیہ کے ایک فرد نے اپنے لئے خلیفہ امیر المومنین اور امام کا لقب اختیار کیا تھا، سلطان علاء الدین خلجی (۱۲۹۶-۱۳۱۶ء) اور اوزن حسن ترکمانی (۱۴۵۳-۱۴۷۷ء) بھی خلافت کے مدعی تھے۔ بلادِ ماوراء النہر میں دولت ازبک (Uzbek) کے بانی، محمد شیبانی (۱۵۰۰-۱۵۱۰ء) اور مصر کے بعض مملوک سلاطین قائتبائی اور قانصوہ غوری نے بھی اپنے لئے امامت کا دعویٰ کیا تھا۔[2]

غرض متعدد خلافتوں کے قیام خصوصاً سقوطِ بغداد کے بعد خلیفہ کے مفہوم کا دائرہ عالم اسلامی کے روحانی اور مذہبی فرمانروا تک محدود نہ رہا تھا بلکہ اب اس کا اطلاق ہر طاقتور فرمانروا پر کیا جانے لگا تھا۔

[1] کتاب المغرب فی ذکر بلاد افریقہ والمغرب ص ۱۵۱ ۔ [2] The Caliphate. P.P. 101, 102

خلافتِ فاطمیہ

(۲۹۷-۵۶۷ھ = ۹۰۹-۱۱۷۱ء)

خلفائے فاطمیہ:

(۱)	۲۹۷ھ	مہدی	۹۰۹ء
(۲)	۳۲۲ھ	قائم	۹۳۴ء
(۳)	۳۳۴ھ	منصور	۹۴۵ء
(۴)	۳۴۱ھ	معز	۹۵۲ء
(۵)	۳۶۵ھ	عزیز	۹۷۵ء
(۶)	[illegible]ھ	حاکم	[illegible]ء
(۷)	۴۱۱ھ	ظاہر	۱۰۲۰ء
(۸)	۴۲۷ھ	مستنصر	۱۰۳۵ء
(۹)	۴۸۷ھ	مستعلی	۱۰۹۴ء
(۱۰)	۴۹۵ھ	آمر	۱۱۰۱ء
(۱۱)	۵۲۴ھ	حافظ	۱۱۳۰ء
(۱۲)	۵۴۴ھ	ظافر	۱۱۴۹ء
(۱۳)	۵۴۹ھ	فائز	۱۱۵۴ء
(۱۴)	(۵۵۵-۵۶۷ھ)	عاضد	(۱۱۶۰-۱۱۷۷ء)

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

خلافتِ فاطمیہ کی تاسیس خلافتِ فاطمیہ کی تاسیس ۲۹۷ھ میں بلادِ مغرب میں ہوئی۔ اور ۳۶۲ھ میں معز الدین اللہ فاطمی کے دورِ خلافت میں اس کا مرکز مصر قرار پایا۔ فاطمی، حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہ زہراؓ کی اولاد میں تھے۔ یہ شیعہ تھے، ان کا اعتقاد تھا کہ خلافت کا حق خانوادۂ علی تک محدود رہے۔ ابوبکرؓ، عثمانؓ، اور بنی اُمیہ و بنی عباسؓ کی خلافت اُن کے عقیدہ میں غاصبانہ

قبضہ سے زیادہ حیثیت نہ رکھتی تھی۔

شیعی ذہنیت، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہی پیدا ہو گئی تھی۔ حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں یہ ذہنیت اوجِ کمال کو پہنچ گئی تھی۔ لیکن اس وقت تک اس کی حیثیت ایک نظری عقیدہ کی تھی۔ اس نظریہ نے عملی شکل واقعۂ کربلا (۶۱ھ) کے بعد اختیار کی اس الم انگیز سانحہ سے شیعوں کی سیاسی زندگی کی ابتداء ہوئی اور وہ اپنے نظریۂ خلافت کو عملی شکل دینے میں منہمک ہو گئے، اس وقت ان میں دو طبقے پیدا ہو گئے تھے۔ ایک کیسانیہ جو حضرت محمد بن حنفیہ بن علیؓ کی جانشینی کا حامی تھا۔ دوسرا امامیہ تھا۔ امامیہ کے اندر چند اور فرقے پیدا ہو گئے تھے، ان میں دو فرقے امتیازی درجہ رکھتے تھے ایک اثنا عشری جو حضرت حسین علیہ السلام کے بعد حضرت امام زین العابدین کی امامت کا قائل تھا اور ان کے بعد ان کی اولاد کو بہ سلسلہ حضرت موسیٰ کاظم تک اس منصب کا مستحق سمجھتا تھا۔ حضرت موسیٰ کاظم کے بعد ان کا عقیدہ تھا کہ یہ مرتبہ ان کے بارہویں امام کو ملنا چاہیے اور وہ ان کے امام منتظر محمد ہیں۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

دوسرا فرقہ امامیہ اسما[illegible] امام جعفر صادقؒ تک اثنا عشریہ کا ہم آہنگ تھا، امام موسیٰ کاظمؒ کے بارے میں اسے اختلاف تھا۔ وہ امام جعفرؒ کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت اسماعیلؒ کو امامت کا مستحق خیال کرتا اور ان کے بعد ان کی اولاد کو نسلاً بعد نسلٍ اس منصب کا حقدار سمجھتا اور حضرت "الحبیب" کی ذات پر اس سلسلہ کو ختم کر دیتا، فاطمی خلفاء اسی اسماعیلیہ فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لئے ان کو اسماعیلیہ بھی کہا جاتا ہے۔

۲۶۰ھ۔ ۸۷۳ء میں امامیہ کے گیارہویں امام کی وفات کے بعد ان کی کھلی جدوجہد کا آغاز ہوا، اس لئے خلفاءِ عباسیہ نے ان کی سخت داروگیر اور کڑی نگرانی شروع کر دی۔ مجبوراً اس فرقہ نے بلادِ شام میں اپنی دعوت و عمل کے مرکز مقام "سلمیہ" کو خیر باد کہا اور شمالی افریقہ کے ان علاقوں میں اپنی جدوجہد کا سلسلہ شروع کیا جو اس تحریک کو قبول کرنے کی کافی صلاحیت رکھتے تھے۔

شیعوں نے اس سرزمین کو اپنی دعوت و تبلیغ کے لئے کافی زرخیز سمجھا اور اسی لئے اس کا انتخاب کیا، ایک تو یہ مقام بغداد کی مرکزی حکومت سے دور تھا، دوسرے یہاں کے "بربر" باشندے

جاہل اور ان پڑھ تھے۔ اسلامی تہذیب و تمدن کا رنگ ان پر نہ جم سکا تھا، مزید براں اپنے عرب حاکموں کے بھاری بھاری ٹیکسوں سے نالاں اور بے حد بیزار تھے۔

شمالی افریقہ کے سیاسی حالات اور بنی کتامہ کے مذہبی رجحانات نے جن پر شیعہ مبلغین کی تعلیم نے اپنا گہرا نقش قائم کر دیا تھا، مہدی کے لئے راستہ کو ہموار بنا دیا اور وہ اس قابل ہو گیا کہ بحیثیت امام منتظر اور اولادِ آلِ علی کے لوگوں کے سامنے آئے چنانچہ ۲۹۷ھ میں روسا کتامہ نے عبید اللہ مہدی کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اس کو امیر المؤمنین کا لقب دیا۔

خلافتِ فاطمیہ اور امویہ اندلس کے تعلقات کبھی خوشگوار نہ رہے، وجہ یہ تھی کہ دونوں حکومتیں اپنی مذہبی تحریک و ترغیب میں ایک دوسرے کی مخالف تھیں اور بلادِ مغرب میں اپنے اپنے دائرہ عمل کو وسیع کرنا چاہتی تھیں، اسی بنا پر اکثر اندلسی بیڑا فاطمیوں کی سرحدوں پر یورش کرتا رہتا تھا۔

فت [illegible] بنیادیں مستحکم

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

کرنے کے بعد مصر پر چڑھائی کر دی، لیکن ناکام رہا۔ اس کا بیٹا قائم (۳۲۲-۳۳۴ھ) اور پوتا منصور (۳۳۴-۳۴۱ھ) بھی اس مہم میں ناکام رہا تھا اور ان کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ درحقیقت مصر میں خلافتِ عباسیہ کی طاقت ابھی اتنی مضمحل نہ تھی کہ غنیم کو دریائے نیل میں ڈبو دینے کی استطاعت کھو بیٹھی ہو۔

تسخیرِ مصر کی مہم میں فاطمی خلفاء اگرچہ اس زمانہ میں ناکام رہے تھے لیکن ان کے ان حملوں کا اثر شیعیت کی نشر و اشاعت پر نہایت گہرا پڑا تھا۔ فاطمیوں کی فوجوں کے ساتھ ساتھ ان کے مبلّغین بھی ہوتے تھے جو اپنا فرض نہایت تندہی سے ادا کرتے تھے۔ اسی جدوجہد کا نتیجہ تھا کہ مصر فتح کرنے سے قبل یہاں شیعوں کی ایک بہت بڑی تعداد موجود تھی۔

فاطمی خلفائے نے تسخیرِ مصر کی طرف اپنی توجہ خاص طور سے مبذول کی، وجہ یہ تھی کہ مصر فوجی اور سیاسی دونوں لحاظ سے نہایت اہم مقام تھا۔ مصر کے فرمانروا کا دائرۂ حکومت شام اور حجاز تک وسیع تھا، اس لئے مصر پر تسلّط قائم کرنے کا مفہوم شام و حجاز پر قبضہ تھا۔ حجاز و شام کی جو سیاسی اہمیت اس وقت تھی اسے بیان کرنے کی شاید ضرورت نہیں۔ مصر پر تسلط کا لازمی

اثر یہ پڑتا تھا کہ اس عہد کے تین عظیم الشان اسلامی مرکزوں فسطاط، مدینہ اور دمشق میں فاطمیوں کے مذہبی اور سیاسی اقتدار کا سنگِ بنیاد رکھ دیا گیا۔ اسی لئے جب معز (۳۴۱۔ ۳۶۵ھ) نے اپنے باپ منصور کی وفات کے بعد زمام خلافت سنبھالی تو اسے اپنے بزرگوں کی خواہش پورا کرنے کا خیال پیدا ہوا، اس وقت خوش قسمتی سے حالات بھی ساز گار تھے۔ اس طرف اندرونِ حکومت امن و امان تھا اور دوسری طرف کافور اخشیدی کی موت کے بعد مصر شورشوں اور بدامنیوں کا مرکز بن گیا تھا۔ خلافت عباسیہ مرد بیمار کی حیثیت رکھتی تھی۔ دوسرے بیزنطینیوں کے مقابلہ کی وجہ سے اس وقت وہ دوسری طرف بھی توجہ نہیں کر سکتی تھی۔ معز الدین نے اس سیاسی ماحول سے پورا فائدہ اٹھایا۔

معز الدین اللہ معز الدین اللہ کے دورِ خلافت میں فاطمیوں کے سپہ سالار جوہر صقلی نے مصر پر قبضہ کر لیا، جوہر نے شہر قاہرہ کی بنیاد رکھی اور شیعوں کو فاطمی مذہب کے عقائد کی تعلیم دینے کے لئے جامع ازہر کی تعمیر شروع کی، جب جوہر کو یقین ہو گیا کہ فضا پُر سکون ہو گئی ہے اور خلیفہ بنفس [illegible] بھیجی کہ مصر، شام اور حجاز ظلِ ہمایونی کے ماتحت آ گئے ہیں اور دعوتِ فاطمی ملک کے تمام اطراف میں پھیل گئی ہے۔ معز نے یہ خبر پاکر بلادِ مغرب کے دار الخلافت منصوریہ کو خیر باد کہا اور اپنے ساتھ بیش بہا مال و دولت اور ممتاز ارکان حکومت اور اپنے تین پیش رو خلفاء کے مجسموں کو لیکر مصر کا رُخ کیا اور ۲۴ شعبان ۳۶۲ھ ۔ ۳۰ مئی ۹۷۳ء کو اسکندریہ پہنچا۔ چند روز وہاں قیام کیا پھر قاہرہ آیا اور اس قصر میں فروکش ہوا، جسے جوہر نے خاص اسی کے لئے تعمیر کرایا تھا، قصر میں داخل ہوتے ہی سجدہ میں گر پڑا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ دو رکعت شکرانہ نماز ادا کی۔

مصر پہلے بلادِ مغرب کے فاطمی خلفاء کے زیرِ نگیں صرف ایک دار الامارۃ تھا، لیکن اب یہ دار الخلافت میں تبدیل ہو گیا اور قاہرہ منصوریہ کے بجائے وسیع و عریض خلافتِ فاطمیہ کا مرکز قرار پایا، بوسیدہ و ضعیف العمر خلافتِ عباسیہ ختم ہوئی اور جوان شیعی فاطمی خلافت نے اس کی جگہ لی۔[۱] آدم مز (Adam Mez) کے الفاظ ہیں:-

"خلیفہ فاطمی، خلیفہ عباسی کے مقابلہ میں ایک زبردست حریف ثابت ہوا۔ اس کا اثر و نفوذ عالمگیر ہو گیا اور بلادِ مغرب، مصر، بلادِ یمن اور شام میں خلیفہ عباسی کی جگہ اس کے نام کا خطبہ

۱؎ Stanley Lane pod the Story of Cairo. P. 119, 120.

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

پڑھا گیا"۔[۵۱]

خلیفہ معز الدین اور اس کے جانشین نماز جمعہ ادا کرنے جس شان و شوکت سے جاتے تھے وہ ان کے جاہ و جلال اور شان و شکوہ کا آئینہ دار ہے، خلیفہ کے پہنچنے سے چند منٹ قبل قاضی القضاۃ جامع مسجد میں داخل ہوتا تھا اور منبر اور اس قبہ کو جس کے نیچے خلیفہ خطبہ دیتے وقت کھڑا ہوتا تھا۔ بخورات کی خوشبوؤں سے معطر کرتا تھا، خلیفہ اس روز سفید ریشمی لباس زیب تن کرتا تھا اور نہایت نفیس سفید ریشمی صافہ باندھتا تھا، شاہی عصا ہاتھ میں ہوتا تھا۔ اور خاص محافظ پولیس افسروں اور ممتاز امراء کے جلو میں جامع مسجد روانہ ہوتا تھا، پیچھے پیچھے عام لوگوں کا جم غفیر ساتھ ہوتا۔ شاہی جلوس کے ساتھ جھانجھ اور نقارہ بجتا ہوتا اور رقت انگیز آواز میں کلام پاک کی تلاوت ہوتی رہتی یہاں تک کہ وہ ایک خاص نشستگاہ تک پہنچ جاتا تھا جہاں کمانڈر انچیف، حاجب اور شاہی پولیس کے افسر، حفاظت کے لئے کھڑے رہتے، اذان کے بعد [illegible] ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، الصلاۃ یرحمک اللہ" یہ سُن کر خلیفہ اپنے خاص حجرہ سے برآمد ہوتا، پیچھے وزیر اعظم اور مسلح شاہی باڈی گارڈ ہوتا تھا۔ خلیفہ منبر کے پاس اپنی خاص نشستگاہ تک اسی ہیئت میں پہنچتا اور منبر کے قریب بیٹھ جاتا۔ اس وقت مسلح شاہی باڈی گارڈ آس پاس منتشر ہو جاتا اور وزیر اعظم منبر کے پاس خلیفہ کی طرف رُخ کرکے کھڑا ہو جاتا، جب خلیفہ اشارہ کرتا تو وہ اس کے ہاتھ پیروں کو بوسہ دینے کے بعد منبر کے سامنے دو پردے چھوڑ دیتا اور اس کی وجہ سے منبر کا قبہ ہودج کی شکل کا نظر آنے لگتا۔ اب خلیفہ خطبہ شروع کرتا اور وزیر اعظم کھڑا رہتا خلیفہ خطبہ کے خاتمہ پر وزیر اعظم اور مسلمان فوجوں کی کامیابی کے لئے دعا مانگتا اور خطبہ کے آخر میں اذکر اللہ یذکرکم (خدا کو یاد کرو وہ تم کو یاد کریگا) خطبہ کے خاتمہ پر وزیر اعظم محراب کے پردوں کو چھوڑ دیتا اور وہ اور قاضی القضاۃ محراب کے دروازوں پر کھڑے ہو جاتے کابینہ کے ممبر، ممتاز فوجی اور سویلین افسر بھی محراب کی حفاظت کے لئے آس پاس کھڑے ہو جاتے خلیفہ نماز شروع کرتا تو وزیر اعظم قاضی القضاۃ اور موذن حسب ترتیب تکبیر کا فرض انجام دیتے، نماز کے خاتمہ کے بعد جب جامع مسجد کا مجمع کم ہو جاتا تو خلیفہ اس شان

[۵۱] The Renaissance of Islam. P. 2.

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

سے نکلتا کہ دائیں جانب وزیر اعظم ہوتا اور بائیں جانب قاضی القضاۃ، داعی الدعاۃ اور شاہی باڈی گارڈ ساتھ ساتھ چلتا، اسی ہیبت و جلال سے جامع مسجد سے محل پہنچتا۔

عزیز باللہ خلیفہ عزیز فاطمی (۳۶۵ - ۳۸۶ھ) کی حکومت اپنی وسعت کے لحاظ سے اس کے باپ کی حکومت پر فوقیت لے گئی تھی اور بلادِ عرب سے لیکر بحرِ اخضر تک اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ "قاعۃ الذہب" کی تعمیر نے اس کی دور کو خاص طور پر ممتاز بنا دیا ہے اس عمارت کی تفصیلات سے پتہ چلتا ہے کہ خلفاء فاطمیہ کی مجلسیں کس شان و شکوہ کی حامل ہوتی تھیں۔ یہ دیوانِ خانہ بہترین فرنیچر، قیمتی پردوں اور ریشمی، زریں حاشیہ کے قالینوں سے سجایا گیا ان پردوں اور قالینوں کے رنگ اور نقش و نگار ایک طرح کے تھے "قاعۃ الذہب" کے وسط میں گدّے دار فرش پر خلیفہ کا تخت بچھا تھا جو پردوں سے مستور رہتا تھا، دربار کے وقت جب خلیفہ تخت پر بیٹھ جاتا تھا تو یہ پردے اُٹھا دیئے جاتے تھے۔

UNREGISTERED VERSION

شاہی [illegible] ریشمی پردوں کو رئیس القصر کے اشارہ سے جو "زمام القصر" کے نام سے مشہور تھا الٹ دیتے تھے اور خلیفہ

www.avs4you.com

کی شخصیت یک بیک نمودار ہو جاتی تھی اور اس کے اردگرد قاریوں کی ایک جماعت کلام پاک کی ترتیل کے ساتھ بلند آواز سے تلاوت کرتی ہوتی تھی۔ تلاوت کے بعد حاملِ دوات آتا اور گدّے دار فرش کے ایک کنارے دوات لاکر رکھ دیتا جو خاص اسی کے لئے مخصوص ہوتا تھا جب سب درباری اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ جاتے تو رئیس قصر، افسر بیت المال، حاجب اور معتمد امراء دروازہ کے پاس اپنی اپنی جگہوں پر چلے جاتے، اس وقت ایک معتمد امیر مرتبہ کے لحاظ سے ایک ایک شخص کو خلیفہ کے سامنے باریابی کے لئے پیش کرتا۔ سب سے پہلے وزیر اعظم کی باری آتی، وہ خلیفہ کی طرف بڑھتا، خلیفہ کو سلام کرتا، اس کے دست و پا کو چومتا اور پھر اپنی جگہ پر واپس آتا اور کھڑا ہو جاتا۔ پھر اس کے بعد اسے ایک گاؤ تکیہ کی طرف بیٹھنے کا اشارہ کیا جاتا جو خلیفہ کے دائیں جانب ہوتا تھا۔ اس کے بعد قاضی القضاۃ کی باری آتی اور وہ خلیفہ کے قریب جاکر اپنا دایاں ہاتھ اُٹھاتا اور سلام کرتا اور انگشتِ شہادت سے اشارہ کرتے ہوئے کہتا "السلام علیک یا امیر المؤمنین ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"، جب وزیر اعظم محسوس کرتا کہ خلیفہ سے کسی امر میں

اُسے مشورہ کرنا چاہیئے تو وہ اس کے قریب ہو جاتا اور تلوار پر سہارا لے کر نہایت ادب اور توجہ سے گفتگو کرتا۔

خلیفہ کا دربار معمولاً تین گھنٹہ تک جاری رہتا، اس میں مہماتِ حکومت پر بحث مباحثہ ہوتا اور ان کے بارے میں خلیفہ کے احکام حاصل کئے جاتے اور وزیرِ اعظم ان لوگوں کے لئے عطائے خلعت و مناصب کی تجویز پیش کرتا جن کے نام زیرِ غور ہوتے۔ جب دربار ختم ہو جاتا تو حاضرین منتشر ہو جاتے، وزیرِ اعظم خلیفہ کے دست و پا کو دوبارہ بوسہ دینے کے بعد سب سے آخر میں دربار کو چھوڑتا اور تمام اعضائے مجلس کے جلو میں اپنے گھر کو لوٹ جاتا، اب خلیفہ اپنے تخت سے نزول فرماتا اور ایوان سے روانہ ہو جاتا۔ اس روانگی کے بعد پردے چھوڑ دیئے جاتے۔ اور دروازہ مقفّل کر دیا جاتا۔ فاطمی دربار کے جاہ و جلال کا یہ ایک اجمالی جائزہ ہے۔

حاکم بامر اللہ شعبان ۳۸۳ھ میں خلیفہ عزیز نے اپنے بیٹے منصور کو ولی عہد مقرر کیا۔ رمضان ۳۸۶ھ [illegible] سے تختِ خلافت پر متمکن ہُوا۔ اس وقت اس کی عمر صرف ۱۱½ برس تھی۔ اس لئے اس کا اتالیق برجوانِ وکیلِ سلطنت مقرر ہُوا۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

حاکم کا سب سے بڑا کارنامہ دعوتِ فاطمی کے دونوں پہلوؤں ۔ سیاسی و دینی ۔ کی تبلیغ و اشاعت ہے اس نے اپنی حکمتِ عملی اور جابرانہ قوانین کے ذریعہ شیعیت کا دائرہ بہت وسیع کر دیا اور رعایا کی بہت بڑی تعداد نے شیعہ مذہب قبول کر لیا تھا۔ اس کا حکم تھا کہ ہفتہ میں دو بار عام لوگ ان مجلسوں میں شریک ہوں جہاں شیعہ مذہب کی تبلیغ کی جاتی ہے۔ حاکم نے خدائی کا دعویٰ بھی کیا تھا اسے غلط فہمی تھی۔ کہ میرے اندر تمام خدائی صفات موجود ہیں عالم الغیب کا بھی اسے دعویٰ تھا۔ بعض لوگوں کی عقیدت کا تو یہ حال تھا کہ موت و زندگی کو بھی اسکے اختیار میں سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب یہ سڑکوں سے گزرتا تو عوام شہری سجدے میں گر جاتے اور زمین کو بوسہ دیتے تھے۔

حاکم بامر اللہ خلفائے فاطمیہ میں سب سے زیادہ شان و شوکت اور نمائش کا جذبہ رکھتا تھا ایک دفعہ جب اُسے یہ خبر ملی کہ قیصرِ روم کا سفیر آ رہا ہے تو اس کے دربار کو اس شان و شوکت سے

ملے دیکھو تفصیل ابوالمحاسن ج ۲ رقم ۱ص ۷۷

سمجھا جاتا تھا کہ ساسانیوں کے دربار کی عظمت بھی اس کے سامنے ہیچ نظر آنے لگی تھی۔

ظاہر اور مستنصر ۴۱۱ھ میں حاکم کی وفات ہوئی اور اس کا بیٹا ظاہر (۴۱۱ - ۴۲۷ھ) جانشین ہوا، اس کی عمر اس وقت سولہ برس کی تھی، چار برس تک حکومت کا نظم و نسخ اس کی پھوپھی کی زیر ہدایت چلتا رہا۔ جس نے ریاست کا نظم و نسق نہایت قابلیت سے چلایا، نظام حکومت میں نہایت اچھی اصلاحیں کیں، فوجوں پر مال و دولت بے دریغ صرف کیا۔ اس اپنی غیر معمولی انتظامی صلاحیت سے حکومت کے تمام شعبوں کی سطح بہت بلند کر دی تھی۔ اس بیدار مغز خاتون نے ۴۱۵ھ میں وفات پائی۔

ظاہر کی وفات کے بعد اس کا بیٹا مستنصر (۴۲۷ - ۴۸۷ھ) جانشین ہوا، جس کی عمر صرف سات برس کی تھی، وہ ساٹھ سال تک تخت خلافت پر متمکن رہا۔ اس کا دورِ حکومت فاطمیوں کے لئے نہایت نامبارک ثابت ہوا، اس کے زمانہ میں مصر کا سکون و اطمینان رخصت ہو گیا اور وہ بعد ازاں مصائب کا [illegible] اپنی شورشوں کے دوران میں انتہائی [illegible] ظلم و ستم کا مظاہرہ [illegible] کے خوبصورت محلات فنی نوادرات اور بے نظیر کتب خانوں کو تباہ و برباد کر دیا۔ اس اضطراب انگیز ماحول میں دریائے نیل کا پانی گھٹ گیا، جس کی وجہ سے عالمگیر اور شدید قحط رونما ہوا۔ یہ صبر آزما حالت سات برس تک قائم رہی، ۴۶۵ھ میں وزیر اعظم بدر جمالی اپنے عزم و ہمت، سیاسی شعور اور غیر معمولی صلاحیتوں کی وجہ سے حالات پر قابو پا سکا۔ اور نظم و نسق اور معاشی حالات کو اعتدال پر لے آیا اور نہایت سختی سے باغیوں کی سرکوبی اور ان کا استیصال کر دیا، ان خدمات کی وجہ سے وہ محبت اور عقیدت کا مرکز بن گیا اور حکومت کی مشینری پر چھا گیا اور مستنصر اس کے سامنے ایک بے بس انسان سے زیادہ نہ تھا بدر جمالی نے ۴۸۷ھ میں دنیا کو خیر باد کہا اور اس کا بیٹا افضل شاہنشاہ وزیر اعظم ہوا۔ شوال ۴۸۷ھ میں قاہرہ کے اندر مستنصر نے بھی وفات پائی۔

نزار اور مستعلیہ مستنصر نے اپنی وفات سے چند روز قبل اپنے بیٹے نزار کی بیعت لینا شروع کی تھی مگر وزیر اعظم افضل نے سہل انگاری برتنا شروع کی۔ اسی اثنا میں خلیفہ کی وفات ہو گئی۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

اور بیعت پایۂ تکمیل تک نہ پہنچ سکی۔ خلیفہ کی وفات کے بعد فوراً وزیرِ اعظم نے اسکے دوسرے لڑکے ابوالقاسم احمد کو مستعلی باﷲ کے لقب سے خلیفہ مقرر کر دیا۔ مستعلی باﷲ (۴۸۷-۴۹۵ھ) کی بیعت جب قاہرہ کے باشندوں نے کر لی تو وہ اسکندریہ گیا، وہاں کے شہریوں نے بھی اس کی بیعت کر لی۔ لیکن مستعلی چند سال کے بعد قتل کر دیا گیا۔ مستعلی کی تولیت کے سلسلہ میں وزیرِ اعظم کی اس دخل اندازی کا نتیجہ یہ ہُوا کہ اسماعیلیہ فرقہ میں دو پارٹیاں قائم ہو گئیں، ایک مستعلی کی خلافت کی حامی تھی، دوسری نزار کی طرفدار تھی۔ مستعلی افضل کے ہاتھوں بے بس خلیفہ تھا۔ اسے حکومت میں مطلق کوئی دخل نہ تھا۔ اس کا نظم و نسق وزیرِ اعظم کے اشارہ سے گردش کرتا تھا۔

آمر باحکام اﷲ مستعلی کا جانشین اس کا بیٹا آمر باحکام اﷲ (۴۹۵-۵۲۴ھ) ہوا، اسوقت اس کی عمر پانچ برس ایک ماہ اور چند روز کی تھی، سیاسی شعور اور بیدار مغزی کے لحاظ سے خلفائے فاطمیین میں آمر نہایت ممتاز خلیفہ تھا۔[۱]

UNREGISTERED VERSION

آمر کے ابتدائی عہد میں وزیرِ اعظم [illegible] اسماعیلیہ اثنا عشری مذہب قبول کرنے کے [illegible] جشن [illegible] مجالس [illegible] کو قانوناً بند کر دیا تھا۔ جنہیں فاطمی ہر سال

www.avs4you.com

نہایت تزک و احتشام سے مناتے تھے، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت حضرت علیؓ کی ولادت حضرت فاطمہ کی ولادت اور موجودہ خلیفہ (آمر) کی ولادت کے جشن مسرت تھے۔ آمر نے یہ تقریبیں دوبارہ جاری کر دی تھیں۔

حافظ آمر باحکام اﷲ کے بعد حافظ (۵۲۴-۵۴۴ھ) خلیفہ ہوا، اس کے عہد میں وزیرِ اعظم ابو علی بن افضل حکومت پر چھایا ہُوا تھا۔ اس نے خلیفہ کو گرفتار کر کے نظر بند کر دیا اور قصر کے مال و دولت پر قبضہ کر لیا، باپ کی طرح ابو علی بھی امامیہ اثنا عشری فرقہ سے تعلق رکھتا تھا، اس نے خطبہ سے اسماعیل بن جعفر، فرقہ اسماعیلیہ کے رکن رکین کا نام خارج کر دیا، یہ امر قابلِ لحاظ ہے کہ خلفائے فاطمیہ اسی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے اس نے اپنے نام کے ساتھ چند جدید القاب کا اضافہ کر لیا۔ مثلاً "ناصر امام الحق وہادی القضاۃ الیٰ اتباع شرع الحق واعتمادہ مولی النعم ورافع الجور عن الامم ومالک فضیلتی السیف والقلم"[۲]، وزیرِ اعظم کی سیاسی پالیسی سے فاطمیوں کے ممتاز افراد اور امراءِ خلافت برانگیختہ ہو گئے نتیجہ یہ ہُوا کہ اس کو دھوکے سے ۵۲۶ھ میں قتل کر دیا گیا۔

---

[۱] تفصیل دیکھیے حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ ج ۲ ص ۱۴-۱۶ [۲] تاریخ مصر لابن میسر ص ۵۔

وزیر اعظم کی موت کے ساتھ اثنا عشری فرقہ کے اقتدار کا جنازہ اٹھ گیا اور اسماعیلیہ فرقہ کے ہاتھ میں دوبارہ نظم و نسق آگیا۔ اس فرقہ نے عصبیت کا ثبوت دیا اور اب خلیفہ حافظ کی حکومت کی بنیادیں نہایت مستحکم ہوگئیں، اس وقت منبروں پر ان الفاظ میں اس کا تذکرہ کیا جاتا:

"خدا بھلا کرے اس خلیفہ کا جس نے اسلام کو بربادی سے بچا لیا اور اسے ابھرنے کا موقع ملا، وہ ہمارا آقا اور سردار "امام العصر والزمان ابوالمیمون عبدالمجید الحافظ الدین اللہ" ہے۔[1]

خلافتِ فاطمیہ کا زوال مستنصر کے آخر عہد میں وزارتِ عظمیٰ کا اقتدار بہت بڑھ گیا اور تدریجاً یہ بڑھتا ہی رہا نوبت یہاں تک پہنچی کہ وزیر اعظم اپنے لئے ملک (بادشاہ) کا لقب اختیار کرنے لگے۔ ان کے اقتدار کے بڑھنے کا سبب یہ تھا کہ اُمرائِ خلافت میں انتخاب کے وقت رسہ کشی ہوتی ایک کسی کا حامی ہے دوسرا کسی اور کا۔ دوسرا ایک اہم سبب یہ بھی تھا کہ بچے خلیفہ ہونے لگے تھے جس [illegible] آسانی سے حکومت کے شعبوں پر چھا جاتے۔ ان حالات کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ مناصب کے لئے شدید باہمی رقیبانہ کشمکش شروع ہوگئی اگر ایک فریق نے اپنے حصولِ مقصد کے لئے صلیبیوں سے امداد کی درخواست کی تو دوسرے فریق نے صلاح الدین ایوبی کو دعوت دی۔ فاطمیوں کی بربادی میں ان فتنہ انگیز عناصر کا بہت بڑا دخل تھا۔

صلاح الدین ایوبی کی چشمِ بیدار نے مصر پر اثر و اقتدار قائم کرنے کے لئے یہ ماحول نہایت مناسب دیکھا اور فاطمی امرا کو اپنا آلۂ کار بنا لیا۔ اسی زمانہ میں خوش قسمتی سے فاطمی خلیفہ عاضد بیمار ہوا تو صلاح الدین نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور خلیفہ عباسی مستضئ کے نام کا خطبہ محرم ۵۶۷ھ ۱۱۷۱ء میں مصر میں پڑھوا دیا۔ اسی طرح اس نے خلافتِ فاطمیہ کے زیرنگیں ممالک شام، فلسطین اور بلادِ یمن کو حکم بھیجا کہ آئندہ سے منبروں پر خطبہ میں خلیفہ عباسی کا نام لیا جائے۔ خلیفہ عباسی نے اس کے صلہ میں ان کو ان محروسات کی حکومت تفویض کی اور اس طرح یہ انقلاب بغیر کسی خونریزی کے عمل میں آگیا، اس کے متعلق ابن الاثیر نے لکھا ہے "اس بارہ میں ان دونوں ملینڈھوں میں ٹکر کی نوبت نہ آئی"۔[2]

[1] حسن المحاضرہ۔ سیوطی ج ۲ ص ۱۶ [2] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۴۷-۱۴۹۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

خلیفۂ فاطمی بھی جلد ہی ۱۰ محرم ۵۶۷ھ کو فوت ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی خلافتِ فاطمیہ کا جنازہ مصر سے اٹھ گیا، صلاح الدین ایوبی کا اب ان ممالک میں کوئی حریف نہ تھا۔ اس نے اپنی سیاسی حکمتِ عملی سے میدان اس سے قبل ہی ہموار کر لیا تھا۔ اس لئے آسانی سے اس کی حکومت مصر میں قائم ہو گئی۔ تاہم گو وہ خلافتِ عباسیہ کے ماتحت تھا اور منبروں پر نام بھی خلیفہ عباسی کا لیا جاتا، لیکن دراصل صلاح الدین ان ممالک کا خود مختار فرمانروا تھا۔

خلافتِ فاطمیہ کا سرسری جائزہ

خلافتِ فاطمیہ، خلافتِ عباسیہ کی حریف بن کر عالم وجود میں آئی، اس کا دائرہ عمل مغرب میں بحر اخضر، مشرق میں دریائے فرات، شمال میں ایشیائے کوچک اور جنوب میں بلادِ نوبہ تک وسیع تھا۔ دوسری طرف جزیرہ سسلی اور بلاد حجاز اس کی قلمرو میں داخل تھے۔ یمن، موصل اور بلاد ماوراء النہر میں فاطمی خلیفہ کے مذہبی اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کیا جاتا تھا، وہاں خطبہ بھی اسی کے نام کا جاری تھا۔

UNREGISTERED VERSION

[illegible] مت مصر کی [illegible] (Rene Dussaud) [illegible]

عالمگیر فلاح و بہبود کا ضامن تھا۔ اس دور میں جو عام مذہبی آزادی حاصل تھی، وہ تاریخ اسلام

www.avs4you.com

میں بہت کم نظر آتی ہے[۱]۔ فاطمیوں کا کتب خانہ، قرطبہ، بغداد وغیرہ کے کتب خانوں کی نظیر تھا قاہرہ کی شان و شوکت اور عظمت و جلال سے دوسرے اسلامی مرکزوں کو کوئی نسبت نہ تھی[۲] اس وقت مسلمان سب سے بڑا اسلامی مرکز اسی کو سمجھتے تھے۔ تمام دنیا کے مسلمانوں کے لئے مصر جائے پناہ تھا اور مصیبت کے وقت اسی کی طرف ان کی نظریں اٹھتی تھیں" فاطمی خلفاء نے ایک عالمگیر اور وسیع سلطنت اور ایک اعلیٰ تہذیب کی بنیاد رکھی تھی، جس سے قریب قریب مشرق ناواقف تھا۔ یہ تہذیب اپنے بے مثل اداراتی نظام، اپنے فنون اور فوجی نظام، زبردست بحری بیڑہ، اپنے محکمۂ عدلیہ اور اپنی مذہبی رواداری کی وجہ سے امتیازی درجہ رکھتی تھی، اس دور میں مصر کی سرزمین علم و فن اور تہذیب و تمدن کا گہوارہ تھی[۳]۔

---

۱ History at Religion des No Sairis. P.49.

۲ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین ج۱ ص ۲۰۰

۳ "الفاطمیون فی مصر" از ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن۔ پی ایچ ڈی ص ۳۱۵

مصر میں خلافتِ عباسیہ کی نشأۃِ ثانیہ

مملوکوں کے عہد ۶۴۸-۹۲۳ھ = ۱۲۵۰-۱۵۱۷ء میں

ظاہر بیبرس اور خلافت مستعصم باللہ کے قتل اور سقوطِ بغداد کے بعد مصر میں خلافتِ عباسیہ کا احیاء ہوا، یہ مملوک فرمانروا ظاہر بیبرس (۶۵۸-۶۷۶ھ = ۱۲۶۰-۱۲۷۷ء) کے زمانہ کا واقعہ ہے۔ ظاہر نے جب یہ دیکھا کہ اہل مصر مملوکوں کے استحقاقِ حکومت کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں تو اس نے استحکامِ حکومت کے لئے یہ حکمتِ عملی اختیار کی کہ عباسیہ خاندان کے ایک ممبر احمد بن امام ظاہر کو جو تاتاریوں کے پنجہ سے بچ گیا تھا۔ مصر آنے کی دعوت دی جب احمد بن امام ظاہر مصر کے قریب پہنچا تو اس کا نہایت شان و شوکت کے ساتھ استقبال کیا گیا۔ احمد بن امام اس وقت عباسی خلفاء کے خاص لباس میں تھا۔ بیبرس نہایت عزت و احترام سے اپنے [illegible] داخل ہونے اور اس کے برابر بیٹھنے اور ہمسری کی دوسری باتوں سے احتراز کیا۔ اس طرزِ عمل میں احترام سے زیادہ سیاسی پالیسی کا دخل تھا۔

احمد کی آمد پر بیبرس نے ایک عظیم الشان دربار منعقد کیا۔ جس میں قضاۃ، علماء، امراءِ حکومت اور ملک کے ممتاز افراد مدعو تھے۔ اس دربار کا مقصد عباسی امیر کے نسب کی تحقیق تھا دربار میں لوگوں نے بیان کیا کہ آپ امام احمد بن الخلیفہ الظاہر بامر اللہ بن الخلیفہ الناصر لدین اللہ ہیں اور آپ خاندانِ عباس بن عبد المطلب سے تعلق رکھتے ہیں۔ قاضی القضاۃ اور دوسرے قاضیوں نے لوگوں کی شہادت قبول کی اور امام کے صحتِ نسب کی تصدیق کی۔ اس کے بعد سب سے پہلے قاضی القضاۃ اور دوسرے قاضیوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور مستنصر باللہ کا لقب دیا۔ آخر میں بیبرس نے قرآن و حدیث، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، جہاد فی سبیل اللہ اور مالیات کے شرعی نظام کے قیام پر بیعت کی۔[1]

اس کاروائی کے بعد ظاہر نے مختلف طبقوں سے خلیفہ کے لئے بیعت لی، اور مصر میں خلیفہ کے نام کا سکہ اور جمعہ کے خطبہ میں اپنے نام سے پہلے اس کے دعا کئے جانے کا فرمان جاری کر

---

[1] نہایۃ الارب للنویری ج ۲۸ القسم الاول ص ۱۸-۱۹۔

دیا۔ یہ دربار جمعہ کے دن منعقد ہُوا تھا۔ دربار کے خاتمہ پر خلیفہ پہلے جامع قلعہ میں آیا، وہاں اس سے خطبہ اور نماز پڑھانے کی درخواست کی گئی، خلیفہ نے اس وقت ایک بلند پایہ فصیح و بلیغ خطبہ دیا جس میں خلافتِ عباسیہ کے دورۂ احیاء پر بیبرس کی بیحد مدح و ستائش کی۔

۴ شعبان ۶۵۹ھ میں ایک دوسرا عظیم الشان دربار ظاہر بیبرس کو خلیفہ کی طرف سے شرعی نیابت (تفویض) دینے کے لیے منعقد ہُوا اس میں بیبرس کی سیاسی غرض یہ مضمر تھی کہ مملوکوں کی مصر پر فرمانروائی شرعی حیثیت اختیار کرے، تاکہ رائے عامہ کی طرف سے اطمینان ہو جائے دربار میں خلیفہ کی طرف سے شرعی نیابت کی سند پڑھ کر سنائی گئی۔ اس میں حمد و ثنا کے بعد ظاہر بیبرس کی خدمات کا اعتراف اور اس کے استحقاقِ خلافت اور صلاحیتوں کا ذکر کیا گیا، آخر میں طرزِ حکومت عدل و انصاف رعایا کی فلاح و بہبود اور نظم و نسق کے بارے میں دوسری ہدایات درج [illegible]

[illegible] خلعت سر ولیم میور کا بیان ہے "خلیفہ نے سندِ نیابت پڑھنے کے بعد سلطان ظاہر بیبرس کو خلعت حکومت عطا فرمایا۔ یہ [illegible] سونے کے طوق اور ایک تلوار پر مشتمل تھا، بیبرس نے اس خلعت کو زیبِ تن کیا اور جلوس روانہ ہوا۔ راہ میں باب النصر سے قلعہ تک لمبے لمبے قالین بچھے ہوئے تھے۔ سلطان ظاہر جلوس کے آگے آگے تھا، اس کے پیچھے خلیفہ تھا۔ خلیفہ کے پیچھے بہاء الدین بن حنا اپنے سر پر سندِ حکومت لئے چل رہا تھا اور ان سب کے پیچھے عام مجمع تھا۔

تھوڑی مدت کے بعد بیبرس کے دل میں خیال پیدا ہُوا کہ بغداد میں خلافتِ عباسیہ کی نشاۃِ ثانیہ کی جائے اور زمامِ خلافت مستنصر باللہ کو سونپ دی جائے۔ اس خیال سے خلیفہ کے ساتھ بغداد کے ارادہ سے روانہ بھی ہُوا تھا، مگر دمشق پہنچ کر اُسے یہ خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں بغداد میں خلافت کی بنیادوں کا استحکام مستقبل میں ہماری حکومت کے لئے پیغامِ موت نہ ثابت ہو اس اندیشہ سے وُہ مصر واپس آگیا اور خلیفہ کو دمشق میں تنہا چھوڑ دیا۔ خلیفہ اپنے چند سواروں کے ساتھ یہاں سے بغداد روانہ ہوا۔ بدقسمتی سے تاتاریوں کو اس کی روانگی کی خبر ہو گئی اور راستہ میں وُہ خلیفہ کی مختصر جمعیت پر ٹوٹ پڑے اور خلیفہ کو قتل کر دیا۔ بیبرس نے جب یہ سنا تو اُسے بیحد

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

صدمہ ہُوا، لیکن اپنی سیاسی حکمتِ عملی کے پیشِ نظر دوسرے عباسی فرد کی تلاش میں قاصد روانہ کیا اور ۶۶۱ھ میں[1] جب خانوادۂ عباسیہ کا ایک ممبر ابوالعباس احمد مصر پہنچا تو ظاہر بیبرس نے خلیفہ سابق کی طرح اس کا بھی نہایت شان و شوکت اور عزت و تکریم کے ساتھ خیر مقدم کیا۔ اور تحقیق نسب کے لئے دربار منعقد کیا گیا۔ اس کے بعد اس نے اور تمام ارکانِ حکومت اور رعایا نے اسکی بیعت کرلی اور "حاکم بامر اللہ" لقب دیا گیا۔ لیکن اس دفعہ بیبرس کے دل میں بغداد میں خلافت عباسیہ کے قیام کا خیال پیدا نہیں ہُوا اور اس نے عباسی خلیفہ کا دائرہ عمل مذہبی اجارہ داری تک محدود رکھا حکومت کے نظم و نسق میں اس کا مطلق دخل نہ تھا۔

حاکم بامر اللہ کی خلافت کو تین سال بھی نہیں گذرے تھے کہ بیبرس نے اپنے فقہ کالم کے ذریعہ بغداد میں دو آدمیوں کو اور اُبھار دیا۔ ایک نے دعویٰ کیا میں مبارک بن خلیفہ مستعصم باللہ ہوں، دوسرا بھی خلفاء عباسیہ کی اولاد میں ہونے کا مدعی تھا۔ اس سلسلہ میں ایک وفد بھی آیا تھا، جب [illegible]

UNREGISTERED VERSION

اس پالیسی سے بیبرس کا مقصد یہ تھا کہ خلافت کا وجود برابر قائم رہے۔ اگر ایک

www.avs4you.com

خلیفہ مرجائے تو اسٹاک میں کمی نہ ہو اور دوسرے کو اس کی جگہ فوراً مقرر کردیا جائے اور تلاش کرنے کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔ دوسرا مقصد خلیفہ کی تہدید اور اس کے اثر و اقتدار کو روکنا تھا خلیفہ کو اندیشہ رہتا تھا کہ اگر میں نے ذرا بھی حکومت کے نظم و انتظام میں دخل دیا تو مجھے برطرف کرکے دوسرے کو خلیفہ بنا دیا جائے گا اس وقت خلیفہ کی حیثیت صرف ایک نظر بند قیدی کی تھی جو عزت نشینی کی زندگی کا خوگر تھا اور قلعہ میں نظر بند رہتا تھا[2]۔ بیبرس نے اپنی اس سیاسی روش سے خوب فائدہ اٹھایا، ملک کو وسعت دی اور اپنے دائرہ اقتدار کو "حامی دین" کے پردہ میں بہت وسیع کرلیا۔ مصر میں خلافت کا یہ نظام سلطان سلیم اول کی تسخیر تک قائم رہا تھا۔ سلطان سلیم مصر پر تسلط قائم کرنے کے بعد خلیفہ عباسی کو اپنے ساتھ لے گیا تھا اس کے بعد خلیفہ عباسی کو اپنے ساتھ لے گیا تھا اس کے بعد وہاں کسی کو یہ شرف نصیب نہ ہُوا۔

---

[1] المختصر فی اخبار البشر (ابوالفدا) ج ۳ ص ۲۱۵۔ یہ وہی امیر ہے جو اپنے سات سو سپاہی لیکر خلیفہ مستنصر کی مدد کو تاتاریوں کے خلاف گیا تھا۔ جب بیبرس نے شام میں اُسے تنہا چھوڑ دیا۔ [2] السلوک (مقریزی) ج ۱ قسم ثانی ص ۵۵۴۔

بیبرس کے بعد مصر میں خلافت کی حالت

بیبرس کے بعد اس کے جانشینوں نے بھی اسی کی پالیسی پر عمل کیا اُن کے عہد میں بھی خلیفہ کو حکومت کے نظم و نسق میں مطلق دخل دینے کا مجاز نہ تھا وُہ صرف ایک آلۂ کار تھا جس کے ذریعہ سلاطین اپنی حکومت کو مذہبی رنگ دے کر اُس کی حیثیت و قوت کو عوام میں وقیع و مستحکم بنا دیتے تھے۔ خلیفہ کی یہ بے بسی کوئی حیرتناک امر نہیں، مذہب و سیاست کے جدا ہو جانے سے خلیفہ کا اقتدار گھٹ گیا اور سلاطین کا اثر و نفوذ اور جبر و استبداد ترقی کر گیا۔

خلافتِ راشدہ، خلافتِ بنی اُمیہ اور خلافتِ عباسیہ کے دورِ عروج میں مذہب اور سیاست جدا جدا نہ تھے، خلیفہ مذہبی اور سیاسی دونوں قسم کی فرمانروائی کا مظہر ہوتا تھا، لیکن قاہرہ میں خلیفۂ عباسی کو حکومت کے معاملات میں ذرّہ برابر بھی دخل نہ تھا اور اس کا تمام وقت عبادت، علماء اور باحیثیت لوگوں سے ملاقات میں گذرتا تھا اور سرکاری مجالس میں اس کو [illegible] ور اس کو تکلیف دی جاتی تھی، غرض یہ تھی کہ وُہ مسلمانوں کے سب سے بڑے (مقتدر اعلیٰ) حاکم کی حیثیت سے جدید سلطان کو سندِ فرمانروائی عطا کرے۔ خلیفہ کا یہ بھی فرض تھا کہ جنگ پر روانگی کے وقت فوجوں کو خیر و برکت اور فتح و نصرت کی دعائیں دے اور جنگ میں سلطان کے ساتھ محاذ پر مع دیگر ممتاز اراکینِ قصر کے موجود رہے۔ مصر میں خلافتِ عباسیہ کا یہ بے روح ڈھانچہ قریباً ڈھائی سو برس تک باقی رہا۔

قاہرہ میں خلفاءِ عباسیہ کا سب سے اہم فرض یہ تھا کہ وہ سلاطین کو "سندِ نیابت" عطا کر دیتے اور بس، سلاطین کے دل میں خلیفہ کا کوئی ادب و احترام کم سے کم اس کی مذہبی حیثیت کی وجہ سے نہ تھا۔ بعض سلاطین نے تو یہاں تک بے نیازی کا ثبوت دیا کہ خلیفہ کو اس "سندِ نیابت" عطا کرنے کی زحمت دینے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی۔ چنانچہ سلطان قلاوون (۶۷۸ - ۶۸۹ھ، ۱۲۷۹ - ۱۲۹۰ء) نے خلیفہ سے "سندِ نیابت" حاصل کرنے کی حاجت نہیں سمجھی، اور اس کے بیٹے ناصر محمد بن قلاوون نے ایک قدم اور بڑھایا اور خلیفہ مستکفی باللہ کو قلعہ جبل میں نظر بند کر دیا۔ اور اجتماعی مجلسوں میں شرکت کی ممانعت کر دی ۷۳۸ھ میں اسے اور اس

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

کے خاندان کے ایک ایک فرد کو قوص بھیج دیا گیا اور اُن کے لئے معمولی وظائف مقرر کر دیئے گئے اسی حالت میں شعبان سنہ ۷۴۰ھ میں اس نے قوص میں داعیِ اجل کو لبیک کہا۔

اس عتاب کی وجہ[1] صرف یہ تھی کہ خلیفہ کا ایک خط پکڑا گیا تھا جس میں یہ تحریر تھا شرعی لحاظ سے سلطان کو عام مجلسوں میں شرکت کرنا چاہیئے، سلطان کی جبین حکومت پر اس "جسارت" سے شکن پڑ گئی، اور اُس نے اس "جرم" میں جلاوطن کر دیا۔ عام رعایا پر اس کا بہت بُرا اثر پڑا اور سلطان کی اس حرکت سے ان میں جوش و ہیجان پیدا ہو گیا۔ مگر دارالسلطنت سے خلیفہ کے دُور ہونے کی وجہ سے یہ عملی شکل اختیار نہ کر سکا۔

خلیفہ مستکفی کی وفات کے بعد سلطان نے اس کے بیٹے احمد کی طرف جسے خلیفہ اپنی زندگی میں ولی عہد مقرر کر چکا تھا کوئی التفات نہ کیا اور واثق باللہ ابراہیم بن احمد کی بیعت کر لی۔

و[illegible] سلطان کو اپنے فعل پر ندامت ہوئی اور اس نے ابراہیم کو معزول کر کے احمد کی بیعت کر لی اور الحاکم باللہ کا لقب دیا۔ یہ محرم سنہ ۷۴۲ھ کا ذکر ہے۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

مملوکوں کے دورِ حکومت میں خلیفۂ عباسی بے بال و پر پرندہ کی طرح بے بس تھا اور وہ نظم و نسق میں دخل دینے کا مجاز نہ تھا، مصر کے ماسوا بلادِ حجاز کے منبروں پر اس کا نام تک نہ لیا جاتا تھا۔ حالانکہ وہ مملوکوں کے قلمرو میں داخل تھے، خلیفہ مستعین باللہ ابوالفضل ضرور مستثنیٰ تھا، جس کی خلافت اور بادشاہی دونوں کی بیعت کی گئی تھی۔ یہ واقعہ ناصر فرج کی موت کے بعد پیش آیا تھا۔ ابتداء میں خلیفہ مستعین باللہ نے اس منصب کے قبول کرنے میں تامل کیا تھا، مگر جب اس کی یہ شرط مان لی گئی کہ حکومت کے اختیارات مستقبل میں اگر سلب کر لئے گئے تو کم سے کم خلافت کے منصب سے محروم نہ کیا جائے گا، اس وقت وہ رضامند ہو گیا۔ دمشق کے اکناف میں مستعین کے منصب خلافت پر فائز ہونے کی خبر مسرت سے سُنی گئی۔ سرولیم کے الفاظ میں:-

"مسلمانوں کے خلیفہ نے ایک مدت کے بعد تاج شاہانہ سر پر رکھا تھا، اگرچہ اس کی

[1] تاریخ الخلفاء ج ۲ ص ۳۲۲۔

حیثیت صرف نام کی تھی۔ ساده لوح مسلمانوں کو یہ مسرت تھی کہ خلافت نے اب نیا جنم لیا اور اُسے گزشتہ اقتدار حاصل ہو گیا۔"

مصر واپس آنے کے بعد مستعین قلعۂ جبل میں قیام فرما ہوا، اور اس کے سامنے ایک فرمانروا کی حیثیت سے شاہی کاغذات دستخطوں کے لئے پیش ہونے لگے۔ سلطان ابوالنصر شیخ کو خلیفہ کا یہ اثر و اقتدار ناگوار گذرا اور اس نے حکم دیدیا کہ خلیفہ کے دستخط شدہ کاغذات اس وقت تک ناقابل نفاذ ہیں جب تک مجھے دکھا کر میری منظوری حاصل نہ کر لی جائے۔ خلیفہ کی خودداری کو اس سے ٹھیس لگی اور دونوں میں کشمکش شروع ہو گئی، نتیجہ یہ ہُوا کہ خلیفہ کو دستبردار ہونا پڑا۔ ابوالنصر نے اب عنان حکومت خود سنبھال لی۔ ملک مؤید کے لقب سے فرماں روا ہُوا، مؤید نے مستعین کی معزولی کے بعد اس کے بھائی داؤد سے بیعت کر لی اور معزول خلیفہ کو قلعے کے ایک مکان میں نظر بند کر دیا گیا اور اُسے کسی شخص سے ملاقات کی اجازت نہ تھی۔ اس معزولی کا علم جب نوروز گورنر شام کو ہوا تو اس نے علماء اور مفتیوں کو جمع کیا اور خلیفہ مستعین کے مقابلہ میں ابوالنصر شیخ کی شرعی حیثیت کے متعلق فتویٰ دریافت کیا۔ سب نے ہمنوا ہو کر خلیفہ کی معزولی کو ناجائز قرار دیا۔ اس کے بعد گورنر شام نے مؤید پر چڑھائی کا فیصلہ کر لیا۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

مؤید کو نوروز کے ارادوں کی اطلاع ہوئی تو ایک بے پناہ فوج لے کر مقابلہ کے لئے نکلا اور بطور پیش بندی یہ کیا کہ مستعین باللہ کو قاہرہ سے اسکندریہ روانہ کر دیا تاکہ رائے عامہ نہ بھڑک اُٹھے۔ مؤید کو اس مہم میں کامیابی ہوئی اور نوروز کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا گیا۔ پھر چند روز بعد اُسے قتل کر دیا گیا۔ اور اس کا سر قاہرہ کے دروازہ پر لٹکایا گیا۔

یہ ۸۱۷ھ کا واقعہ ہے۔ مستعین باللہ مؤید کی وفات تک اسکندریہ میں نظر بند رہا۔ مؤید کے جانشین نے اسے آزاد کر دیا اور قاہرہ آنے کی اجازت دیدی مگر اس نے اسکندریہ میں قیام کو ترجیح دی اور وہیں ۸۳۳ھ میں وفات پائی۔

لہ تاریخ الخلفاء، ص ۳۴۸

خلافتِ عثمانیہ

خلیفہ متوکل اور سلطان سلیم اول

مئی ۱۵۱۶ء میں مصری فوج قانصوہ غوری کی قیادت میں مصر سے روانہ ہوئی، اس کے ہمراہ خلیفہ متوکل اور مذاہب اربعہ کے قاضی بھی تھے۔ اگست ۱۵۱۶ء میں حلب کے قریب "مرج دابق" کے مقام پر سلطان سلیم اول نے اسے شکست دی، اس میں سلطان قانصوہ مارا گیا، سلطان سلیم نے حلب کے باہر اپنی فرودگاہ میں خلیفہ کا خیر مقدم کیا اور جب اُسے علم ہوا کہ خلیفہ کا اصل وطن بغداد ہے تو وُہ اسے بغداد بھیج دینے پر آمادہ تھا۔ سلطان سلیم نے اس وقت خلیفہ کو خلعتِ شاہانہ مرحمت فرمایا اور اس کے ساتھ بہت سا مال و دولت بھی دیا اور اس کو حلب لوٹ جانے کی اجازت بھی دے دی آخر ستمبر ۱۵۱۶ء میں جب سلطان سلیم دمشق میں داخل ہوا، اُس وقت خلیفہ متوکل بھی اس کی معیت [illegible] تھا۔

مملوکوں نے اس موقع پر [illegible] سلطان کا انتخاب ضروری سمجھا چنانچہ طومان بائی کے ہاتھ پر انہوں نے بیعت کرلی، لیکن دستور کے مطابق جدید سلطان کو سندِ حکومت عطا کرنے کے لئے ایک خلیفہ کا وجود بھی ناگزیر نظر آیا، اتفاق سے مستمسک (متوکل کا باپ) موجود تھا جو اپنے بڑھاپے کی وجہ سے ۱۵۰۹ء میں خلافت سے علیحدہ ہو گیا تھا۔ مستمسک نے اس دربار میں متوکل کی نیابت فرمائی جو اکتوبر ۱۵۱۶ء میں منعقد ہُوا تھا۔

دسمبر ۱۵۱۶ء میں سلطان سلیم نے مصر کی طرف پیش قدمی کی اور غزہ میں مصر کی ایک محافظ فوج کو شکست دی، چند روز بعد ۲۲۔ جنوری ۱۵۱۷ء میں ریدانیہ کے مقام پر طومان بائی کی فوجوں نے اس کا مقابلہ کیا اور شکست کھائی۔ دوسرے روز قاہرہ کے منبروں پر سلطان سلیم کے نام کا خطبہ پڑھا گیا اور ان الفاظ میں اس کا ذکر کیا گیا۔ "اللھم انصر السلطان ابن السلطان ملك البرين والبحرين السلطان العراقين والخادم الحرمين الملك الناصر السلطان سليم شاه"

سہ شنبہ ۲۶، جنوری ۱۵۱۷ء کو طومان بائی نے قاہرہ پر چڑھائی کردی اور تین روز تک قاہرہ کی سڑکوں پر مصری و عثمانی لشکروں میں قتل و خونریزی کا بازار گرم رہا، جمعہ ۲۹ جنوری

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

۱۵۱۷ء کو قاہرہ کے منبروں پر طومان بائی کے نام کا خطبہ پڑھا گیا مگر اسی روز سلطان سلیم نے طومان بائی کی فوجوں سے شہر خالی کرا لیا۔ طومان بائی "وجہ بحری" کی طرف فرار ہو گیا اور وہاں سے نمائندوں کے ذریعہ سلطان سلیم اور اس کے درمیان گفت و شنید شروع ہوئی۔ سلطان سلیم نے گفت و شنید کی سب سے پہلی شرط یہ پیش کی کہ مملوک فرمانروا کا خط میرے پاس خلیفہ اور مذاہب اربعہ کے قاضی لے کر حاضر ہوں، یہ شرط پوری کی گئی، صرف خلیفہ نے ضعف و نقاہت کی وجہ سے اپنا نمائندہ دوسرے کو بنا کر بھیج دیا تھا۔ آخر میں سلطان سلیم نے طومان بائی کو باوجود امان دینے کے پھانسی پر لٹکا دیا۔

مصر پر پورا تسلط قائم کرنے کے بعد سلطان سلیم نے خلیفہ متوکل کو کسی حد تک نظم و نسق میں دخیل کر لیا۔ حاجتمند سلطان سلیم تک رسائی کے لئے خلیفہ کو واسطہ بناتے اور سلطان عموماً اس کی سفارش رد نہ کرتا۔ ستم رسیدہ افراد اپنی مقصد براری کے لئے اس کثرت سے خلیفہ کے پاس آتے کہ ان کے [illegible] کی جگہ نہ رہی۔

سلطان سلیم کا اس [illegible] حکومت میں مصالحت کی فضا پیدا کرنا اور عثمانیوں کی حکومت کے لئے زمین ہموار کرنا تھا۔ سلطان نے خلیفہ متوکل کے پاس ہدایا اور سوغات کی ایک بارش سی کر دی تھی۔ اس سے پہلے کوئی اور خلیفہ ان الطاف بے پایاں سے بہرہ مند نہ ہوا تھا، لیکن خلیفہ کو جب ان باتوں سے اپنے بارے میں کچھ "غلط فہمی" پیدا ہو گئی تو سلطان نے جون ۱۵۱۷ء میں اسے قسطنطنیہ بھیج دیا۔

جولائی ۱۵۱۸ء میں قسطنطنیہ سے قاہرہ آنے کی سلطان سلیم نے دوبارہ اجازت دیدی اور تھوڑے بہت اختیارات بھی سونپ دیئے گئے مگر جب اس نے دیکھا کہ خلیفہ ان سے ناجائز فائدہ اُٹھا رہا ہے۔ اور اپنے اعزا اور اقربا کے ذریعہ اپنا پروپیگنڈا کر رہا ہے اور باندیوں اور مغنیوں کی خرید میں دی ہوئی دولت بے اعتدالی سے لٹا رہا ہے، اس وقت اُسے سخت غصہ آیا اور اُسے ایک محل میں نظر بند کر دیا، جہاں ۱۵۲۰ء تک نظر بند رہا۔ اس کے بعد سلطان سلیمان قانونی کے زمانہ میں قاہرہ آنے کی اجازت دیدی گئی اور حسب معمول خلافت کے منصب پر مامور کر دیا گیا۔ ۱۵۲۳ء میں احمد پاشا گورنر مصر کی شورش خلیفہ متوکل کا آخری

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

اور قابلِ ذکر کارنامہ تھا۔ متوکل نے ۱۵۴۳ء میں قاہرہ میں وفات پائی۔

خلافت عثمانیہ
مختلف مؤرخین کے زاویہ نگاہ سے

مصری مورخ ابن ایاس نے جو عثمانی فتوحات کے عہد میں موجود تھا اور جس نے ان فتوحات کا تفصیل کے ساتھ تذکرہ کیا ہے، سلطان سلیم اور خلیفہ متوکل کے تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

خلیفہ متوکل نے سلطان سلیم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات سونپ دیے تھے، ان تبرکات میں ایک ردائے اقدس جسے بغداد کے خلفاء عباسیہ خاص موقعوں پر زیب تن کرتے تھے۔ چند ریش مبارک کے بال اور حضرت عمرؓ کی ایک تلوار تھی"[1]

سر ٹامس آرنلڈ کا بیان ہے:

"سلطان سلیم یہ نہایت اہم اور قابلِ قدر تبرکات قسطنطنیہ لے گیا، جہاں وہ اس وقت تک جامع ایوب میں موجود ہیں، اس نے اسے سب سے اہم اور قابلِ احترام غنیمت خیال [illegible]

UNREGISTERED VERSION

کے واقعات سے نہیں ملتا ہے"[2]

www.avs4you.com

ان مورخین کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ تبرکاتِ رسول کے قسطنطنیہ بھیج دیے جانے کو ان کے نزدیک کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں تھی، ان معاصر مورخین میں ابن ایاس مصری بھی شامل ہے۔ اس نے خلیفہ اور اس کی سرگذشت کو پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ لیکن ان تمام تفصیلی معلومات میں ہمیں اس کا کہیں اشارہ تک نہیں ملتا کہ سلطان سلیم نے اپنے لئے خلیفہ کا لقب اختیار کر لیا تھا، البتہ اتنا ضرور ہے کہ ابن ایاس اپنی تصنیف میں جب خلیفہ کے قسطنطنیہ بھیج دیے جانے کے بعد قسطنطنیہ کا ذکر کرتا ہے تو اس کو "مرکزِ عرش آلِ عثمان" کے نام سے تعبیر کرتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ قسطنطنیہ کو عالم اسلامی کا مرکز قرار دینے کا خیال سلیم کے دل میں بعد کو پیدا ہوا۔ فتح مصر کے وقت غالباً اس قسم کا اس کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ سلیم نے انہی ایام میں اپنے بیٹے سلیمان کے پاس ایک خط بھیجا تھا، اس خط میں اُس نے ان تمام واقعات اور فتوحات کو تفصیل کے ساتھ لکھا تھا جو بالآخر فتح مصر پر جا کر ختم ہوتی ہیں، لیکن اس تمام تفصیل کے باوجود اس خط میں ہمیں خلیفہ کی طرف کوئی اشارہ یا اس کے متعلق کوئی

---

[1] تاریخ مصر ج ۳ ص ۱۲۶

[2] The Caliphate P. 143

ذکر نہیں ملتا، حالانکہ اگر اس قسم کی کوئی خواہش ہوتی تو وہ ضرور ذکر کرتا۔

سر ٹامس آرنلڈ فرماتے ہیں:-

"جب عالم اسلامی کے اس مرکز (مصر) پر پوری طرح سے تسلط قائم ہو گیا اور سلطان سلیم خلافت کے لقب کا بیحد خواہشمند بھی تھا تو طبعی طور سے فتوحات کے ذیل میں اس خواہش کا اظہار کرنا چاہیئے تھا۔ سلطان سلیم نے اپنے طویل خط میں "مرج دابق" کی جنگ سے لے کر فتح مصر تک تمام فتوحات کا وضاحت سے ذکر کیا ہے، لیکن اپنی اس خواہش کی طرف کوئی اشارہ تک نہیں کیا۔ سلطان سلیم کی فتوحات کا دائرہ شام، فلسطین، مصر، بلاد حبشہ، حجاز، مکہ و مدینہ، جنوب میں یمن اور مغرب میں حدود قیروان تک وسیع تھا۔ اپنے خطوط میں ان سب فتوحات کا وضاحت سے ذکر کیا ہے مگر خلافت کا نام تک نہیں لیا۔ حجاز اور حرمین کی فرمانروائی پر اُسے بیحد مسرت ہوئی تھی اور نہایت فخر و انبساط کے ساتھ اپنے نام کے ساتھ "[illegible] سلیم نے یہ لقب مملوک فرمانروا قانصوہ غوری کی موت کے بعد اختیار کیا تھا۔ جنوری ۱۵۱۷ء میں جامع حلب کے اندر سب سے پہلے خطبہ میں اس لقب سے اس کا ذکر کیا گیا۔"[1]

ان باتوں کا ذکر بھی اپنے طویل خطوں میں کیا ہے۔ مگر خلیفہ بننے کی خواہش کے بارے میں کوئی اشارہ تک نہیں کیا۔

سر ٹامس آرنلڈ، فان ہامر (Van Hammer) کی تائید کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:-

"خلیفہ کا لقب اس زمانہ میں معمولی امراء کے ساتھ مخصوص تھا، اس میں قرون اولیٰ کی شان تقدیس اور احترام باقی نہ رہا تھا۔ اس لئے شاید سلطان سلیم نے اس لقب کو مبتذل سمجھ کر اپنے لئے پسند نہ کیا ہو، چند سال قبل ۱۵۰۸ء میں اس کے حریف شاہ اسمٰعیل صفوی نے جس سے اُسے بیحد نفرت و عداوت تھی، بغداد پر تسلط قائم کرنے کے بعد ایک خصی غلام کو وہاں کا حاکم مقرر کیا اور اُسے "خلیفۃ الخلفاء" کا لقب دیا۔ سلیم کی خوددار طبیعت کے لئے یہ واقعہ بھی کم نہ تھا۔"

سلطان سلیم اور اس کے اسلاف ایک مدت سے خلفاء کے سیاسی اور مذہبی اثر و اقتدار

---

[1] The Caliphate. P. 144.

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

سے بہرہ مند تھے اور اپنے ساتھ خلافت کے لقب کا انتساب بھی فتح مصر سے قبل کرتے تھے مگر جب فتح مصر کے بعد قاہرہ کے خلیفہ عباسی کی حیثیت پر نظر پڑی جسے اپنے آباؤ اجداد کے اثر و نفوذ سے ایک شمہ نہ ملا تھا اور وُہ صرف مملوک سلاطین کی خواہشات و جذبات کا آلۂ کار تھا۔ اس وقت یہ منصب اس کی نظروں سے گر گیا۔ تاریخ اس زمانہ کے ایک اسلامی خاندان کا پتہ دیتی ہے جس کے فرمانروا کی شخصیت مطلق مذہبی اور سیاسی فرمانروائی کی حامل تھی۔ قیاس یہ ہے کہ یہ آلِ عثمان کے ماسوا اور کوئی خاندان نہیں ہو سکتا۔ سلطان سلیم کا وہ خط بھی اس پر ایک ادا اس روشنی ڈالتا ہے جو دسمبر ۱۵۱۷ء میں گورنر مازندران کے نام لکھا تھا۔ جس میں اپنے خاندان کا ان الفاظ میں ذکر کیا تھا" یہ خاندان آلِ عثمان خلافت کا قید خانہ (معقل) ہے۔ یہ خط مصر کے آخری خلیفہ متوکل کو قسطنطنیہ روانہ کرنے کے چند ماہ بعد لکھا گیا تھا۔

یہ دعویٰ بے دلیل ہے کہ متوکل نے باقاعدہ خلافت کا چارج سلطان سلیم کو دیدیا تھا۔ سب سے پہلے [illegible] کیا تھا۔[1] مگر اس دعوے کی کوئی دلیل بیان نہیں کی اور نہ مابعد کے ان مورخوں نے کوئی سند پیش کی، جنہوں نے اس کا یہ دعویٰ اپنی تاریخوں میں نقل کیا ہے۔ دوسون کی کتاب سے یہ دعویٰ مشرق و مغرب کی تاریخوں میں نقل کیا گیا اور اس پر اتنا رنگ و روغن چڑھا کہ اب یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت بن گیا۔ یورپ نے عثمانیوں کے دعوئے خلافت کی تائید میں پروپیگنڈا کیا اور تمام عالمِ اسلامی تک اس کا دامن وسیع کر دیا۔

سر ٹامس آرنلڈ نے ان الفاظ میں دوسون کے دعوے پر حاشیہ آرائی کی ہے۔

"ممکن ہے دوسون کا یہ دعویٰ صحیح ہو۔ اس کا قرینہ سلطان سلیم کا وہ لقب "خادم الحرمین" ہے جو مصر کی کامیابی کے دوسرے دن ۲۱ جنوری ۱۵۱۷ء) مصر کے منبروں پر سنا گیا۔ اس خطبہ میں سلطان کا لقب متعدد بار آیا ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ وہ اس لقب کو اپنے نام کے ساتھ ذکر کرنا باعثِ عزت سمجھتا تھا۔[2]

ترک مورخین اپنے سلاطین کا ذکر اسی سادہ مگر وسیع مفہوم کے لقب "خادم الحرمین" سے کرتے ہیں اور القاب کی اس طویل فہرست کو نظر انداز کر دیتے ہیں جن سے یہ سلاطین یاد کئے جاتے

[1] Tableau Generale Empire Othoman
[2] Caliphate. P.145

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

تھے، سلطان سلیم نے اس لقب کے ماسوا، کوئی لقب سکہ میں کندہ نہیں کرایا، یہی معمول سلطان سلیم سے پیشرو اور اس کے جانشین سلاطین کا رہا ہے۔ سلطان سلیم کے باپ بایزید ثانی (۱۴۸۱ء ۱۵۱۵ء) نے سکہ میں یہ عبارت کندہ کرائی تھی "صاحب القوۃ والنصر فی البر والبحر" سلیم کے پوتے مراد ثالث (۱۵۷۴-۱۵۹۵ء) کا لقب "سلطان البرین وخاقان البحرین" تھا، محمود ثانی (۱۸۰۸-۱۸۳۹ء) نے "سلطان السلاطین العصر" اپنے لئے استعمال کیا تھا، لیکن کسی عثمانی سلطان نے اپنے لئے خلیفہ امام یا امیر المومنین، کا لقب اختیار نہیں کیا اور نہ اپنے سلسلۂ نسب کو خلفاء عباسیہ سے ملانے کی کوشش کی ہے۔

عالمِ اسلامی عثمانیوں کے جاہ جلال اور قوت وحشمت سے ناواقف نہ تھا، اپنے زمانہ میں سلطان سلیم مسلمانوں کا سب سے بڑا فرمانروا تھا، اس نے ایرانیوں اور مصر کے مملوکوں کی حکومتوں کو شکست دی اور یورپ کی مسیحی حکومتوں کا شجاعانہ مقابلہ کیا اور انہیں پیہم شکستیں دیں حرمین (مکہ ومد [illegible] تھے اسلام میں خلافت اور حرمین میں جو مستحکم رشتہ ہے اس کے بیان کرنے کی غالباً ضرورت نہیں۔ مسلمانوں کے اعتقاد میں خلیفہ اس وقت ہو ہی نہیں سکتا جب تک وہ حامیِ حرمین نہ ہو اس دعوے کی دلیل کے لئے یزید بن معاویہ اور عبدالملک بن مروان کے زمانہ کی تاریخ کے اوراق الٹنا پڑیں گے اور اُن واقعات کو پیش نظر رکھنا پڑے گا۔ جو عہد عباسیہ میں رونما ہوئے تھے۔ جب قرامطہ کا حرمین پر (۳۱۸-۳۳۸ھ، ۹۳۰-۹۵۰ء) کے دوران میں تسلط تھا اور ان حوادثات کا جائزہ لینا ہوگا جو (۶۳۸-۶۵۰ھ = ۱۲۳۸-۱۲۵۰ء) کے دوران میں ظہور پذیر ہوئے تھے، جب حرمین پر دولتِ رسولیہ کا قبضہ تھا۔ یہی عقیدہ مسلمانوں کے دل ودماغ پر مصر کے فاطمیوں، ایوبیوں اور مملوکوں کی حکومت کے وقت کارفرما تھا۔ اس سرسری جائزہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمان فرمانروا حرمین کی فرمانروائی کے لئے کتنی جدوجہد سے کام لیتے تھے۔

سلطان سلیم نے جب مملوکوں کے ملک پر جس میں حرمین بھی داخل تھے قبضہ کیا، اسوقت اس نے بہت فخر وانبساط کے ساتھ اپنے لئے "خادم الحرمین" کا لقب استعمال کیا اور ہمیشہ اپنے

لے The Caliphate. P. 147-146,

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

لئے باعثِ صد عزت خیال کرتا رہا۔

سلطان سلیم فتح مصر سے قبل خلیفہ کے لقب سے انتساب رکھتا تھا۔ اور اس کے آباؤ اجداد ڈیڑھ سو برس سے اس لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔ لیکن فتح مصر کے بعد یہ لقب اس کے نام کے ساتھ نظر نہیں آتا۔ مقصادۂ بروسہ" فتح مصر کے بعد سلطان سلیم کو ان القاب صاحب الجلالۃ" ظل اللہ، بادشاہ، حامی العالم، فلیثبت اللہ ہٰذہ الاُسرہ تحمل و عائم الخلافۃ (خدا اس خاندان کو بقائے دوام عطا فرمائے جو خلافت کے ستونوں کو اٹھائے ہوئے ہے) سے مخاطب کرتے تھے۔ ان القاب سے سلاطینِ عثمانیہ کو ڈیڑھ سو برس سے مخاطب کیا جاتا تھا۔ عثمانیوں کی تاریخ میں امام یا امیر المؤمنین کا لقب کسی جگہ دکھائی نہیں دیتا ہے۔

سلطان سلیم اگر اصطلاحی مفہوم میں خلیفہ ہوتا تو اس کا ذکر ان خطوط میں ضرور ہوتا جو اس کے بیٹے سلطان سلیمان نے اسے بھیجے تھے لیکن ان میں نہ خلافت کا لفظ نہ قریب المعنیٰ کوئی لفظ نظر آ[illegible] کے نام سلطان ہونے کے بعد لکھے تھے کوئی ایسا لفظ نہیں ملتا جس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکے کہ اس کا باپ اصطلاحی مفہوم میں خلیفہ تھا، ان خطوط میں وہ سلیم کے لئے سلطان، خاقان اور خادم الحرمین وغیرہ القاب کا ذکر کرتا ہے، یہ سب القاب بیشتر و عثمانی سلاطین کے تھے۔ ان میں "خادم الحرمین" کے لفظ کا ضرور اضافہ ہوا تھا۔ قاہرہ کے ایک مدرسہ میں جسے سلطان سلیم کے عہد میں، سلیمان پاشا صدر اعظم نے ۱۵۴۳ء میں تعمیر کرایا تھا۔ ایک کتبہ لگا ہے۔ اس میں سلطان سلیم اول کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے" الخاقان الاعظم ملک ملوک العرب والعجم)

اس سے انکار نہیں کہ بعض وابستگانِ سلطان اپنے قصائدِ مدحیہ میں اسے خلیفہ کے لقب سے یاد کرتے تھے، ان میں ابن زنبل جو فتح مصر میں سلطان کے ساتھ تھا۔ خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہے۔ اس نے سلطان سلیم کو خلیفۃ اللہ فی الارض کے لفظ سے خطاب کیا ہے، مورخ قطب الدین، مفتی مکہ نے سلیم کا تذکرہ خاقان اور خیر الخلفاء کے الفاظ میں کیا ہے شریف برکات بن محمد بن برکات نے ۱۵۲۰ء میں سلطان سلیمان کو تخت نشینی کی مبارکبادی کا جو خط لکھا تھا، اس میں خلیفۃ اللہ کے لفظ سے مخاطب کیا تھا، قطب الدین مفتی مکہ نے سلیمان ثانی

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

(۱۵۶۶ء یا ۱۵۷۴ء) کا ذکر خلیفہ کے لقب سے کیا ہے۔ ان باتوں کا جواب یہ ہے کہ فتحِ مصر سے قبل عثمانی حکمران کو ایک طاقتور و خود مختار فرمانروا ہونے کی بناء پر خلیفہ کہہ دیا جاتا تھا، لیکن وُہ اس اصطلاحی مفہوم میں خلفاء نہ تھے، جس میں ان الفاظ کا اطلاق خلفاء راشدین اور بنی اُمیہ کے عہد میں کیا جاتا تھا۔

سلطان سلیم کے جانشینوں میں بھی کسی نے خلیفہ، امام یا امیرالمؤمنین کا لقب اختیار نہیں کیا، یہ الفاظ سرکاری خطوط تک میں کہیں نظر نہیں آتے، ممکن ہے اس کی وجہ سلاطینِ عثمانیہ کا حنفی ہونا ہو، حنفی نقطۂ نظر سے "خلافتِ حقہ کی مدت صرف تیس برس ہے ترکی فقیہ ابراہیم حلبی کی کتاب "ملتقی الابحر" میں جو عثمانی تاریخ میں نہایت اہمیت رکھتی ہے۔ کوئی لفظ ایسا نہیں ملتا ہے جو کسی عثمانی سلطان کی خلافت پر دلالت کرتا ہو، ۱۵۷۵ء میں فریدوں بک [illegible] اعظم محمد صقلی [illegible] مراد ثالث کی خدمت میں چند سیاسی رسائل کا مجموعہ جن میں بیس شاہی خطوط کے نمونے بھی تھے پیش کیا تھا، اس میں بھی خلیفہ [illegible] نہیں دکھائی نہیں دیتا ہے۔ صرف [illegible] آگئے ہیں "مرتبۃ الخلافۃ، روضۃ الخلافۃ : الخ

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

سلاطین عثمانیہ نے اٹھارویں صدی عیسوی میں سب سے پہلے خلیفہ کا لقب، سیاسی اغراض سے لئے استعمال کیا۔ غرض یہ تھی کہ انہیں مذہبی اثر و نفوذ، عالم اسلامی پر حاصل ہو جائے۔ جس کا بڑا حصہ عیسائی حکومتوں کے ماتحت تھا، معاہدہ کوچک کنیارجی (Kuchuk Kainarji) میں جو سلطان عبدالحمید اول اور کیتھرائن دوم ملکۂ روس کے درمیان ۱۷۷۴ء میں ہُوا تھا، سلطان کا ذکر امام اور خلیفہ کے الفاظ میں کیا گیا۔ اور ملکۂ روس نے سلطان ٹرکی کی مذہبی فرمانروائی جزیرہ نما قرم کے مسلمانوں پر تسلیم کر لی۔ سلطان ٹرکی کو وہاں اپنا گورنر، قاضی اور مفتی مقرر کرنے کا اختیار دیا گیا، لیکن جب روس نے یہ محسوس کیا کہ یہ چیز عثمانیوں کے سیاسی اثر و نفوذ کا دائرہ وسیع کرنے کی تمہید ہے تو ۱۷۸۳ء میں اس معاہدہ کو ختم کر دیا گیا[1]

انیسوی صدی عیسوی سے عثمانی فرمانرواؤں نے قدیم اصطلاحی مفہوم میں یعنی جمہور مسلمین

The Caliphate. P. 165 [1]

پر غلبہ و اقتدار کے معنی میں خلافت کا لقب اپنے لئے استعمال کرنا شروع کیا یہ سلطان عبدالحمید ثانی کا زمانہ تھا۔ چنانچہ یہ لقب مدحت پاشا وزیر اعظم کے دستورِ حکومت میں جو ۲۴ دسمبر ۱۸۷۶ء میں نافذ ہوا تھا، سرکاری طور سے داخل کیا گیا۔ اس دستور کی تیسری دفعہ میں صراحت کی گئی کہ سلطنتِ عثمانیہ عظمیٰ جواب اسلامی خلافتِ عظمیٰ کی بھی حامل ہے، عن قریب شاہی خاندان کے ایک بڑے فرد کے ہاتھ میں آنے والی ہے۔ چوتھی دفعہ میں اس کی وضاحت تھی کہ صاحبِ عظمت و جلال سلطان عبدالحمید خاں خلیفۃ المسلمین، حامیِ دینِ اسلام قرار پائے ہیں۔[1]

عثمانیوں کی خلافت کے باب میں یہ عہد حاضر کے مورخین کے خیالات ہیں، قدیم مورخین ان کے ہم آہنگ نہیں ہیں، ان کا بیان ہے خلیفہ عباسی متوکل خلافت سے دستبردار ہو گیا تھا اس کے بعد سلطان سلیم کو "امیر المومنین" کا اعزاز حاصل ہو گیا۔ اور اس وقت سے خلافتِ عباسیہ عثمانیہ [illegible] ہو گئی۔

UNREGISTERED VERSION

قسطنطنیہ سے خلافت عثمانیہ کا زوال

خلافتِ عثمانیہ ۱۹۲۴ء تک کسی نہ کسی حالت میں زندہ رہی، سلطان عبدالحمید کی تخت نشینی کا زمانہ سلطنتِ عثمانیہ کے ضعف و انحطاط کا دور تھا، مسیحی حکومتوں نے عثمانی مملکت کی بنیادیں ہلا دی تھیں، حکومتِ عثمانیہ کے ماتحت عیسائی ملکوں میں مسلسل بغاوتیں ہو رہی تھیں، اس پُر آشوب زمانہ میں روس نے ۱۸۷۷ء میں دولتِ عثمانیہ کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا، اس وقت رومانیہ، سرویہ اور مانٹینگرو عثمانیوں کے ہاتھ سے نکل گئے اور وہاں خود مختار حکومتیں قائم ہو گئیں اس وقت سلطنتِ بلغاریہ بھی برائے نام دولتِ عثمانیہ کے ماتحت رہ گئی۔ درحقیقت اب اس کی حیثیت ایک آزاد مملکت کی تھی۔

www.avs4you.com

موت و زندگی کی اس کشمکش میں عثمانی فرمانروا نے عالمِ اسلامی کی طرف اس اُمید میں نظر اٹھائی کہ ممکن ہے مسلمانوں کی ہمدردیاں عثمانی مملکت کی ہلتی ہوئی بنیادیں تھام لیں، ورنہ ان مسلمانوں کی طرف سے کم سے کم اطمینان ہو جائے جو ترکوں کے خلاف ریشہ دوائی کرنے والی مسیحی حکومتوں کے ماتحت رہتے تھے۔ اس مقصد کے لئے سلطان عبدالحمید خاں نے مسلمانوں کے

[1] The Caliphate. P. 173.

درمیان ایک مستحکم رشتہ قائم کرنے کے لئے خلافت کا احیار کیا اور اخبارات کے اجرار سے اپنے مشن کو کامیاب بنانے کی کوشش کی لیکن وہ اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب نہ ہو سکے۔ وجہ یہ تھی کہ اڈیٹر پروپیگنڈا کے فن میں ناتجربہ کار تھے اور بلادِ اسلامیہ کی نفسیات، ذہنیت اور زبان سے ناواقف تھے۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اہل سنت اس پر اڑے ہوئے تھے کہ خلافت صرف قریش میں قائم ہو سکتی ہے۔ بعض مسلم سلطنتیں مغربی حکومتوں کے ماتحت تھیں جنہوں نے مسلمانوں کی مذہبی اور سیاسی وحدت کو قریب قریب ناممکن بنا دیا تھا۔

۱۹۰۸ء میں "احرار ترکوں" نے سلطان عبدالحمید کے خلاف بغاوت کر دی اور انہیں معزول کر کے ان کا دستورِ حکومت ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا اور خود قوم کے ناخدا بن کر اصلاحات کے لئے اُٹھے۔ انہیں اس بات پر ناز تھا کہ ہم نے استبدادی حکومت کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔

UNREGISTERED VERSION

سلطان عبدالحمید خاں کی معزولی کے بعد دولتِ عثمانیہ کی حالت اور بھی ردی ہو گئی۔ اتحادیوں نے بحیرۂ م[illegible] لیکن ۱۹۲۲ء میں یہ "مریضِ سخت جان" پھر سنبھل گیا اور ترکوں نے اتحادیوں کو شکست دی اور ۱۱۔ اکتوبر ۱۹۲۲ء میں معاہدۂ موادانیہ ہوا۔ جس کی رُو سے اتحادیوں کو وہ مقامات خالی کرنے پڑے۔ ۲۹۔ اکتوبر ۱۹۲۳ء میں "مجلس وطنی کبیر" نے سلطنتِ عثمانیہ کو ختم کر دیا "جمہوریہ ترکیہ" کا اعلان کیا اور اس کے صدر مصطفےٰ کمال پاشا منتخب ہوئے۔ اس وقت سے عثمانیوں کی تاریخ کا ایک جدید باب شروع ہوا ہے۔ اس کے بعد ترکوں نے اس خیال سے کہ خلافت کی بقا رجعت پسندانہ حرکات کی موجب ہے، دوسرے اسلام میں مذہب اور سیاست ایک چیز ہے۔ خلافت کا خاتمہ کر دیا۔ یہ ۳ر مارچ ۱۹۲۴ء کا واقعہ ہے۔

www.avs4you.com

وزارت

وزیر کا لفظ "وِزر" سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ثقل کے ہیں، وزیر کے شانوں پر نظم و نسق کا بار ہوتا ہے، اس لئے اُسے وزیر کہتے ہیں۔[1]

"انتظامِ حکومت کی ذمہ داریاں تنہا سلطان نہیں اُٹھا سکتا ہے۔ اس لئے ناگزیر ہے وہ ابنائے جنس کا سہارا لے۔ سلطان اپنی انفرادی زندگی کے معمولات میں جب دوسروں کا دستِ نگر ہوتا ہے تو نوعِ انسانی پر حکومت اور رعایا کے نظم و نسق میں کتنا حاجتمند ہوگا۔"[2]

وزارت اسلام کی جدید اختراع نہیں ہے۔ اسلام سے قبل اس کا وجود عہد ساسانیاں میں پایا جاتا [illegible]

وزارت عہدِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خلافتِ راشدہ اور خلافتِ بنی امیہ میں

اگر وزارت کا مفہوم نظم و نسق میں فرمانروا کا ہاتھ بٹانا ہے تو یہ صدرِ اسلام میں پائی جاتی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سیاسی اور اجتماعی زندگی کے ہر شعبہ میں حضرت ابوبکرؓ سے مشورہ فرمایا کرتے تھے یہی وجہ تھی کہ جو عرب رومیوں اور ایرانیوں سے اختلاط کی وجہ سے اس لفظ سے مانوس تھے، وہ حضرت ابوبکرؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وزیر کہا کرتے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ کے عہدِ خلافت میں یہ اعزاز حضرت عمرؓ کو حاصل تھا حضرت ابوبکرؓ اہم امور کا فیصلہ ان کے مشورہ سے فرمایا کرتے تھے۔ ان کے سپرد عدالت اور تقسیم زکوٰۃ کا محکمہ بھی تھا، حضرت عمرؓ کے عہد میں حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی حیثیت وزراء کی تھی۔ پیچیدہ مسائل میں وہ اُن کے فہم و تجربہ سے فائدہ اٹھایا کرتے اور بہت سی دوسری ذمہ داریاں بھی ان دونوں کے شانوں پر تھیں۔ مثلاً حضرت علیؓ کے ذمہ کتابت (Secretary Ship) محکمۂ جیل اور مسلمان قیدیوں کے فدیہ کا انتظام تھا۔

---

[1] دیکھئے تفصیل الفخری ص ۱۳۷ [2] مقدمہ ابن خلدون ص ۲۰۸ [3] سورۂ طٰہٰ آیت ۲۹۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

ان حضرات کی ذمہ داریاں ایک وزیر سے کسی طرح کم نہ تھیں لیکن انہیں وزیر کے لقب سے خطاب نہیں کیا جاتا تھا کیونکہ عرب اس وقت عام طور پر اس لفظ سے ناواقف تھے، یہ وُہ وقت تھا جب اسلام اپنی سادگی کے دور سے گذر رہا تھا اور شاہانہ شوکت اور کرو فر سے اُسے نفرت تھی۔ اس زمانے میں خلیفہ نظم مملکت میں "مجلس شیوخ" سے مشورہ کرتا تھا، یہ مجلس بڑے بڑے صحابہ، اعیانِ قوم اور سردارانِ قبائل پر مشتمل تھی، اس کا اجلاس مسجدِ نبوی میں ہوتا تھا۔ خلیفہ اہم امُور کا فیصلہ اس مجلس کے مشورے سے کرتا تھا۔ یہ نظم مملکت بڑی حد تک جمہوری نظام سے مشابہ تھا۔

بنی اُمیہ کی خلافت جب موروثی ملوکیت کی شکل میں قائم ہوئی، اُس وقت انہیں بھی اپنی سیاسی پالیسی عمل میں لانے کے لئے وزرار کی ضرورت پڑی، اس مقصد کے لئے چند ارباب فہم [illegible] اگرچہ اس لقب سے انہیں خطاب نہیں کیا جاتا تھا۔ زیاد بن ابیہ کا ایک نام ضرور ایسا ہے، جسے امیر معاویہ کے وزیر کے لقب سے یاد [illegible]

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

وزارت
عباسیہ کے دورِ عروج میں

بنی عباس کا نظم خلافت، ساسانی دستورِ حکومت کی بنیاد پر قائم ہُوا تھا، اس دستور میں وزارت کا منصب اور اس کے فرائض و اختیارات بھی موجود تھے، عباسیوں کے دورِ عروج میں عہدِ ساسان کی طرح وزیر خلیفہ کا دایاں بازو اور نظم مملکت کا محور تھا۔ گورنروں کا عزل و نصب، مالیات کا نظم و نسق اور محکمۂ امورِ خارجہ اس کے سپرد تھا، صحیح معنی میں وُہ نائب خلافت ہوتا تھا۔ اور فوج اور سول دونوں کا سب سے بڑا حاکم تھا، خلیفہ سے وفاداری اس کا منصبی فرض تھا۔

خلافتِ عباسیہ کے جاہ و جلال کا عقاب جب آسمان پر اُڑ رہا تھا، اس وقت وزارتِ عظمیٰ کی حیثیت بھی بہت بلند تھی، وزیر اعظم نظم و نسق میں خلیفہ کا نائب اور سب سے بڑا حاکم تھا۔ مالیات اور دیوانی مالیات کا سب سے بڑا افسر تھا، اُس کی ہدایات کے ماتحت فوجوں کی تنخواہوں کا بجٹ بنایا جاتا تھا اور وُہ آمد و صرف میں توازن کا خیال رکھتا تھا۔ وزارت خارجہ کی ذمہ داری بھی اسی کے سپرد تھی، تاکہ خارجی پالیسی کے رازوں کا افشا نہ ہو سکے، کیونکہ

اگر محکمہ امورِ خارجہ غیر ذمہ دار یا چند اشخاص کے سپرد کیا جائے تو رازوں کا چھپانا معمولاً ناممکن ہے۔ ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ اس منصب کا مامور نہایت بلند پایہ، ادیب اور سیاست کار ہوتا تھا، اس لئے وزیر اعظم کی حفاظت میں دیدیئے جاتے تھے۔ اور مہر خلافت بھی اسکے پاس امانت رکھ دی جاتی تھی۔[۱]

غرض وزارتِ عظمیٰ کی شخصیت سیف و قلم دونوں کی حامل تھی اور خارجی اور داخلی کوئی شعبہ اس کے حیطۂ اقتدار سے خارج نہ تھا، اسی بنا پر جعفر بن یحییٰ برمکی ہارون رشید کے دورِ خلافت میں "سلطان" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا، نظمِ مملکت اسی کے اشارہ سے گردش کرتا تھا۔ "حجابت" کے ماسوا حکومت کے تمام فرائض و اختیارات اسی کی ذات میں مجتمع تھے "حجابت" میں دروازہ پر کھڑا ہونا پڑتا تھا اس لئے اسے اپنے لئے باعثِ ننگ خیال کرتا تھا۔[۲]

وزیر بادشاہ اور رعایا کا درمیانی واسطہ تھا، اس لئے اس کے تقرر کے لئے اس [illegible] فطرت کے دو پہلو دیکھنے پڑتے تھے، ایک پہلو وہ تھا، جو سلاطین کی طبیعت کے مناسب ہو دوسرا پہلو وہ جو عوام [illegible] سکتا ہو [illegible] دونوں فریقوں سے نباہ سکے۔ دیانت داری اور سچائی سب سے پہلی شرط خیال کی جاتی تھی، پختہ کاری، انتظامی صلاحیت، تدبّر، فہم و دانش، بیدار مغزی اور سیاست کاری، وزارتِ عظمیٰ کے لازمی عناصر تھے، یہ بھی لازمی تھا کہ غیر معمولی فضل و علم اور سخاوت کا بے پایاں جذبہ رکھتا ہو، وزیر اعظم کے لئے رفق، نرمی، وقار و سنجیدگی، مستقل مزاجی، حلم و وقار اور قوانین کے نفاذ کی صلاحیت اور طاقت یہ اوصاف بھی ضروری خیال کئے جاتے تھے۔[۳]

وزارتِ عظمیٰ کے فرائض و اختیارات سب سے پہلے عہد عباسیہ میں مرتب کیے گئے۔ اس سے قبل سلاطین اور امراء ضرورت کے وقت اپنے خاص معتمد اور اربابِ بصیرت سے مشورہ کرتے تھے، انہیں کاتب یا مشیر کہا جاتا تھا اور اُن کی حیثیت وزراء کی سمجھی جاتی تھی۔ عباسیوں نے تاسیسِ خلافت کے بعد باقاعدہ وزارتِ عظمیٰ کا منصب قائم کیا اور اس کے آئین و حدود متعین کیے، اُسے خطاب بھی "وزیر" کے لقب سے کیا جاتا تھا۔ عباسیوں کا سب سے

۱ مقدمہ ابن خلدون، ص ۲۰۷ ۲ الفخری [illegible] ۳ [illegible]

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

وزیر ابو سلمہ خلال تھا، جو وزیر آلِ محمد کے نام سے معروف تھا، اُسے سفاح نے دھوکہ سے قتل کرا دیا تھا اور اس کی جگہ ابو جہم کو مقرر کر دیا تھا۔ یہ دولتِ عباسیہ کا دوسرا وزیر تھا۔ ابو جہم کے بعد سفاح نے خالد بن برمک برامکہ کے جدِ اعلیٰ کا اس منصب جلیل کے لئے انتخاب کیا تھا۔

اس منصب کے لئے جب کسی شخص کا انتخاب عمل میں آتا تھا تو دو معتمد امیر نامہ خلافت اس کے پاس لیجاتے تھے وہ دار الخلافت حاضر ہوتا اور خلیفہ کے سامنے آکر ادب سے کھڑا ہو جاتا، اس رسم کے بعد دوسرے کمرہ میں چلا جاتا، جہاں وزارت کا خاص لباس زیبِ تن کرتا، اور خلیفہ کے ہاتھوں کو ادب و احترام سے بوسہ دینے کے بعد یہاں سے رخصت ہو جاتا۔ دروازہ پر اُسے سجا سجایا گھوڑا موجود ملتا۔ اس پر سوار ہو کر دار الوزارت جاتا، احترام کے طور پر حکومت کے ا[illegible] دار الوزارت کے قریب پہنچ کر گھوڑے سے اتر پڑتا اور اس خاص دربار کے وسط میں سے گزرتا ہوا مسند پر پہنچتا، جو اسی منصب [illegible] کی تقرری کا فرمانِ خلافت پڑھ کر سنایا جاتا[1]

خلیفہ کا دفترِ حکومت "دیوانِ عزیز" کے نام سے موسوم تھا۔ وزیرِ اعظم اس دیوان کے نظم و نسق کا منتظم ہوتا تھا، اور اُسے "وزیر دیوان العزیز" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ بعض دفعہ محکموں کے افسروں کو بھی وزراء کے نام سے یاد کیا جاتا تھا، مگر وُہ ہمیشہ وزیرِ اعظم کے ماتحت ہوتے تھے[2]

وزارتِ عظمیٰ کے اس وسیع اقتدار کے باوجود عباسیوں کے دورِ عروج میں وزراء، خلفاء سے لرزتے تھے، انہیں اپنی جان کی طرف سے ہر وقت اندیشہ لگا رہتا تھا۔ منصور نے جب سے اپنی سیاسی مصلحت کے لئے ابو جہم کو زہر دے کر مار ڈالا تھا، اس وقت سے وُہ اپنے آپ کو وزیرِ اعظم کہنے سے بھی جھجکتے تھے۔[3]

---

[1] Ameer Ali, A Short History of the Saracens. P. 413 [2] Ameer Ali P. 414

[3] مروج الذہب ج ۲ ص ۳۵۲ و الفخری ص ۱۴۰ [4] منصور ابو جہم سے بےحد بغض و کینہ رکھتا تھا، یہ کچھ مدت سفاح کا وزیرِ اعظم بھی رہا تھا۔

باقی حاشیہ آگے

ابو ایوب موریانی خلیفہ منصور نے خالد بن برمک کے بعد ابو ایوب موریانی کو وزارتِ عظمٰی کے عہدہ پر مامور کیا، منصور نے اُسے بچپن میں خریدا تھا اور نہایت اعلیٰ تعلیم و تربیت دی تھی، ایک دفعہ اس نے ابو ایوب کے ساتھ اپنے بھائی خلیفہ سفاح کے پاس کچھ ہدیہ بھیجا، سفاح نے جب اُسے دیکھا تو اس کی فصاحت و بلاغت اور غیر معمولی صلاحیت کا اُسے اندازہ ہوا اس نے منصور سے لیکر اُسے آزاد کر دیا اور اپنے ممتاز مقربین بارگاہ میں جگہ دی اور بے شمار مال و دولت سے سرفراز فرمایا۔ سفاح کی موت تک وہ ان عنایات کا مرکز رہا۔ منصور نے اپنے عہدِ خلافت میں قلمدانِ وزارت اس کے حوالہ کر دیا۔ لیکن ابو ایوب کو وزارتِ عظمٰی کا منصب سازگار نہ آیا اور بہت جلد منصور کی نظریں بدل گئیں۔ جب اس نے یہ دیکھا تو منصور کی خوشنودی کے لئے جائز و ناجائز مال و دولت سے خزانہ بھرنے لگا، مقصد اس سے اپنی کارگذاری دکھانا تھا اس ضمن میں ایک دفعہ اس نے منصور سے اجازت لی کہ ایک زمین کی اصلاح اور اسے قابل زراعت بنانے کے بہانے سے بیس لاکھ درہم کی منظوری حاصل کر لی اور اسے یقین دلایا کہ ریاست کی آمدنی پر اس کا اثر بہت [illegible] پڑے گا [illegible] خزانہ سے [illegible] وصول کر کے اس نے اپنے گھر رکھ لی اور زمین کی نشوونما پر ایک حبہ صرف نہ کیا۔ آخر سال میں موہوم زمین کی آمدنی کے نام سے بیس ہزار درہم خزانہ میں داخل کر دیتا تھا، برسوں یہ سلسلہ جاری رہا، حاسدوں کے کان میں جب اس کی بھنک پڑی تو انہوں نے منصور سے کہہ دیا۔ منصور نے خود جا کر اس زمین کا معائنہ کیا تو زمین جوں کی توں پڑی ہوئی تھی۔ خلیفہ جوشِ غضب میں لرزنے لگا اور ابو ایوب اور اس کے اہل و عیال کو موت کے گھاٹ اُتار دیا اور اس کا مال و دولت سب ضبط کر لیا یہ ۱۵۲ھ کا سانحہ ہے[1]

ربیع بن یونس ابو ایوب کے دردانگیز واقعہ کے بعد وزارتِ عظمٰی کے لئے ربیع بن یونس کا انتخاب عمل میں آیا۔ ربیع پختہ کار، بیدار مغز۔ صاحبِ فہم و فراست، سیاست داں، حکومت کا اہل، پاکیزہ سیرت، نیک کردار، شریف فطرت، ریاضی کا ماہر اور سلاطین کی نفسیات سے

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

(بقیہ حاشیہ) ابو جہم نے جب زہر کے اثرات کو محسوس کیا تو اُٹھ کر جانے لگا، منصور نے پوچھا کہاں؟ جواب دیا: "جہاں امیر المومنین نے بھیجا ہے (خدا کے گھر)"

[1] الفخری ص۔ ۱۵۷، ۱۵۹۔

خوب واقف تھا۔

ایک روز منصور اپنے باغیچہ میں تھا، اس کی نظر ایک درخت پر پڑی جس کا نام "خلاف" تھا، منصور نے ربیع سے دریافت کیا: اس درخت کا کیا نام ہے؟ ربیع نے جواب دیا "اجماع ووفاق" لفظ "خلاف" کی بدشگونی سے اس نے احتراز کیا۔ وہ منصور کی نفسیات اور طبیعت کی افتاد سے واقف تھا۔

منصور کی موت تک ربیع اس کا معتمد اور وزارتِ عظمیٰ کے عہدہ پر مامور رہا۔ منصور کی وفات کے بعد ربیع نے اس کے بیٹے مہدی کی بیعت کا پروپیگنڈا کیا تھا، اس جرم میں ہادی نے اپنی خلافت کے زمانہ میں اُسے قتل کرا دیا تھا۔

عباسیہ کے ابتدائی دور میں وزیرِ اعظم کی زندگی معرضِ خطر میں رہتی تھی اور جبینِ خلافت کی ایک شکن [illegible] غیر معمولی رعب و دبدبہ ہوتا تھا اور اس کی ہیبت سے لوگ لرز اٹھتے تھے، خلفا کا معمول تھا کہ وہ اہم معاملات میں اُن سے [illegible] عتمادی نے وزارت کی اہمیت کا خاتمہ کر دیا تھا، اس کے باوجود وُہ ہمیشہ مہماتِ مملکت میں وزرا سے مشورہ ضرور کر لیتا تھا اگرچہ اس کی شاہانہ ہیبت اور استبداد کے سامنے وزرار کی کوئی حقیقت نہ تھی، اور وہ ہمیشہ اس سے تھرتھراتے رہتے تھے چنانچہ منصور کے وزراء کے چہروں پر اطمینان اور خوشی کے احساسات کبھی کسی نے نہیں دیکھے تھے[1]۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

یحییٰ بن خالد برمکی وزارتِ عظمیٰ کا اقتدار اور اثر و نفوذ ہارون رشید کے عہد میں ذروۂ کمال تک پہنچ گیا تھا، ہارون نے "سپردم بتو مایہ خویش را" کہہ کر قلمدان وزارت یحییٰ بن خالد برمکی کو سونپا تھا اور نہ صرف مہرِ خلافت، بلکہ اپنی مہرِ خاص بھی اسی کے حوالہ کر دی تھی، حکومت کا تمام نظم و نسق یحییٰ کے اشارۂ چشم وابرو سے چلتا تھا، اس کی موت کے بعد اس کا بیٹا جعفر بن یحییٰ اس کا جانشین مقرر کیا گیا تھا۔

جعفر بن یحییٰ برمکی جعفر بن یحییٰ کے عہد وزارت میں برامکہ حکومت کی تمام مشینری پر چھا گئے تھے اور ہر شعبہ میں ان ہی کا عمل دخل تھا، ہارون رشید ایک معمولی رقم بھی براہِ راست خزانہ سے

[1] الفخری۔ ص ۱۵۰

نہیں لے سکتا تھا۔ یہ رقم بھی برامکہ کے واسطہ سے اس کے پاس پہنچ سکتی تھی۔ ہارون کے مقابلہ میں برامکہ کی حیثیت فریقِ غالب کی تھی، حکومت کے تمام شعبوں پر خاندانِ برامکہ کے افراد چھائے ہوئے تھے۔ دل و دماغ پر ان کی ہیبت اور عظمت کا سکہ بیٹھا تھا، وہ اُمید و بیم کے مرکز تھے ان کے سامنے خلیفہ کو کوئی پوچھتا نہ تھا، سلاطین کے پاس سے آئے ہوئے ہدایا۔ سیدھے برامکہ کے پاس پہنچتے تھے اور خلیفہ کو عموماً خبر بھی نہ ہوتی تھی۔ برامکہ نے شیعوں اور اپنے عزیز و اقارب کے گھر مال و دولت سے بھر دیئے تھے۔

ایک بار عبدالملک بن صالح عباسی نے جعفر بن یحییٰ سے درخواست کی کہ ہارون سے میری تین حاجتیں پوری کرا دیجئے۔ دس لاکھ درہم دلا دیجئے، میں قرضہ ادا کروں گا۔ میرے بیٹے کو کسی صوبہ کا گورنر مقرر کرا دیجئے، اس سے میری حیثیت بڑھ جائے گی۔ خلیفہ کی صاحبزادی سے میرے [illegible] گی۔ [illegible] تمہارے بیٹے کو میں مصر کا گورنر مقرر کرتا ہوں، امیر المومنین کی فلاں صاحبزادی کا اتنے اتنے مہر کے بدلے تمہارے بیٹے [illegible]

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

عبدالملک جب گھر پہنچا تو معلوم ہوا کہ مطلوبہ رقم پہنچ چکی ہے۔ صبح کے وقت جعفر ہارون کے پاس پہنچا اور اٹھنے سے قبل گورنری کا پروانہ اور نکاح کی منظوری حاصل کر لی۔

اس واقعہ سے جعفر کے اثر و رسوخ کا اندازہ ہو سکتا ہے، ہارون نے غیر معمولی بھروسہ کی بنا پر حکومت کا نظم و نسق اس پہ چھوڑ رکھا تھا، برامکہ اس عہد میں مرجع خلائق تھے۔ ان کی غیر معمولی سخاوت اور تازیانہ تھی، برامکہ کی تعریف میں بے مثل قصائد لکھے گئے ان کے جود و کرم کے واقعات، طائفے مجلسوں میں گاتے تھے، تاریخ کے صفحات برامکہ کی غیر معمولی سخاوت کے واقعات سے معمور ہیں۔ ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

ہارون کی دور بیں نظر نے برامکہ کے اس جاہ و جلال سے مستقبل میں خطرہ محسوس کیا۔ اور اس اندیشہ سے اس کی نظریں بدل گئیں، نوبت یہاں تک پہنچی کہ جعفر قتل کرا دیا گیا۔ یحییٰ اور دوسرے صاحبزادے جیل میں ٹھونس دیئے گئے۔ ان میں سے یحییٰ اور فضل ہارون کی زندگی ہی میں جیل میں مر گئے۔ باقی خاندان جیل میں سڑتا رہا۔ امین نے اپنے دورِ خلافت میں ان

۱۔ الفخری - ص ۱۸۸

سب کو رہا کر دیا تھا۔ "برامکہ کی بربادی" تاریخ کا مشہور خونیں باب ہے۔

وزارت کی قسمیں | عہدِ عباسیہ میں وزارت کی دو قسمیں تھیں :-

۱۔ **وزارتِ تنفیذ** : اس میں وزیر خلیفہ اور رعایا کے درمیان صرف واسطہ ہوتا تھا وہ حکومت کے معاملات خلیفہ کی خدمت میں پیش کر دیتا تھا، ان پر صادر کئے ہوئے احکامات پر عمل درآمد کرتا تھا، حکومت کے نظم ونسق میں اس کا کوئی دخل نہ تھا، اس کی حیثیت ایک سکرٹری سے زیادہ نہ تھی۔

۲۔ **وزارتِ تفویض** : یہ وزارتِ عظمیٰ کی حیثیت رکھتی تھی اس میں وزیر کو خلیفہ کی طرف سے حکومت کے نظم ونسق اور تصرفات کے اختیارات سونپ دیے جاتے تھے، وزیر کے لئے یہ ضروری نہ تھا کہ انتظامی امور میں خلیفہ کی اجازت حاصل کرے، بلکہ اُسے کلی اختیارات حاصل ہوتے تھے۔ لیکن خلیفہ کو آخری فیصلہ کرنے اور اس کے مقرر کئے ہوئے حکام کو معزول کرنے کا اختیار تھا۔

UNREGISTERED VERSION

ابنِ خلدون کا [illegible]

www.avs4you.com

دولتِ عباسیہ میں جب استبداد کی کیفیت پیدا ہوئی تو اس کا محور ایک نہیں رہا۔ بلکہ کبھی وزارتِ عظمیٰ بنی اور کبھی اس کا مرکزِ عمل سلطان کی ذات بنی، وزارتِ عظمیٰ جب حکومت کی مشینری پر حاوی ہو جاتی تو استبداد کا مرکز وزیرِ اعظم ہوتا۔ رائے عامہ کی نظر میں خلیفہ کے نائب ہونے کی وجہ سے اس کے احکامات کی حیثیت شرعی ہوتی تھی، اس لئے وہ مذہبی رنگ میں اپنے استبداد کو عمل میں لاتا تھا۔ جب وزیر کی حیثیت ایک پیش کار یا سکرٹری کی ہوتی تھی، اس وقت سلطان کا پلہ بھاری ہوتا تھا اور اُسے جبر و استبداد کا موقع ملتا تھا۔[1]

وزارتِ عظمیٰ کے لئے مجتہدانہ صلاحیتوں کے علاوہ فنونِ حرب اور مالیات کے صیغہ میں پوری مہارت لازمی خیال کی جاتی تھی۔ وزارتِ عظمیٰ اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی تھی جب تک وزیرِ اعظم فوجی صلاحیت اور فنونِ جنگ میں دستگاہ نہ رکھتا ہو اور مالیات کے صیغہ کو صحیح طور پر نہ چلا سکتا ہو۔ مامون رشید کے الفاظ میں، وزارتِ عظمیٰ کے منصب کے

[1] مقدمہ ابن خلدون، ص ۱۰۷، ۱۰۸۔

لئے ضروری تھا کہ وہ نیک اطوار ہو، پاکیزہ عادات رکھتا ہو، مستقل مزاج ہو، انتہائی مہذب ہو، نہایت تجربہ کار ہو، اسرار چھپانے کا ظرف رکھتا ہو۔ مہمات حکومت انجام دینے کی صلاحیت موجود ہو، غیر معمولی ذہین اور دانشمند ہو، مدلل بات کرتا ہو، مردم شناس ہو، جری اور شجاع، حکماء کی طرح باوقار ہو، علماء کی طرح متواضع ہو، فقہا کی طرح فہم رسا رکھتا ہو احسان کے وقت احسان شناس ہو، ابتلاء کے وقت صبر و ضبط کا خوگر ہو، اندیشہ فردا رکھتا ہو، زبان کی لطافت اور اپنے حسن بیان سے لوگوں کے دلوں کو موہ لیتا ہو۔ ان اوصاف کا حامل وزیر اعظم حکومت کا نظم و نسق نہایت کامیابی اور خوش اسلوبی سے چلا سکتا ہے۔

ماوردی کے الفاظ ہیں، وزیر اعظم یا نائب السلطنت کے اختیارات میں، احکام صادر کرنا، حکام کا تقرر کرنا، عدالت کا نظم و نسق چلانا، فوجوں کی قیادت کرنا یا کسی دوسرے کو اپنے اختیارات سے کمانڈ [illegible]

UNREGISTERED VERSION

خلیفہ اور وزیر اعظم میں اتنا امتیاز تھا کہ خلیفہ کو آخری فیصلہ کرنے کا اختیار رہتا تھا اور وہ وزیر اعظم کے مقرر کئے [illegible] خلیفہ کے مامور افسروں کو معزول کرنے کا مجاز نہیں تھا۔

www.avs4you.com

اس سے قبل بیان کیا گیا ہے کہ وزیر تنفیذ یا پیشکار سلاطین اور رعایا کے درمیان صرف واسطہ ہوتا تھا۔ وہ سلاطین کے صادر کئے ہوئے احکام پر عمل درآمد کرتا تھا، گورنروں کے پاس سلطان کے احکام روانہ کرتا تھا، فوجوں کے ساز و سامان کا انتظام کرتا تھا، بادشاہ کے سامنے مہمات سلطنت اور نئے پیدا شدہ واقعات کو پیش کرتا تھا، ان کے متعلق احکام حاصل کرتا تھا اور انہیں عمل میں لاتا تھا۔ ذاتی طور پر اسے حکومت کے نظم و انتظام میں مطلق دخل نہ ہوتا تھا۔

وزارت تنفیذ کے لئے ضروری تھا، دیانت دار ہونا، تاکہ یہ اطمینان کیا جا سکے کہ اس نے واقعات میں آمیزش نہیں کی ہے اور شاہی کاغذات رد و بدل سے مامون ہیں، صداقت شعار ہو، تاکہ اس کی اطلاعات پر اعتماد کیا جا سکے، لالچی نہ ہوتا کہ اطمینان ہو کہ وہ رشوت سے محترز رہے اور رشوت لے کر کاغذات پیش کرنے میں تاخیر یا عجلت نہیں کرتا ہے۔ اسکا دل عداوت

اور بغض و کینہ سے خالی ہو، ورنہ اس کا امکان ہے کہ وہ جو معاملات اپنے مخالفوں کے پیش کرے ان میں ذاتی عداوت کا جذبہ کارفرما ہو، نہایت سمجھدار اور مردم شناس ہو، تاکہ دھوکہ دے کر لوگ اپنا اُلّو سیدھا نہ کر سکیں۔ اس میں نفسانیت اور خواہش پرستی کا جذبہ نہ ہو، ورنہ راہِ راست سے بھٹکنے کا اندیشہ ہے، کیونکہ خواہشات انسان کی عقل پر پردہ ڈال دیتی ہیں، اور اچھے بُرے میں تمیز نہیں رہتی ہے۔ اگر سلطان اس وزیر کو مشورہ میں بھی شریک کر لیتا ہو تو یہ بھی دیکھا جاتا تھا کہ پختہ کار ہوتا کہ صحیح مشورہ دے سکے۔

اس عہدے پر عورت کا مامور کرنا ٹھیک نہیں ہے، آپ نے فرمایا "جس قوم نے حکومت کا نظم و نسق عورتوں کے سپرد کیا اُس نے کبھی فلاح و بہبود نہیں پائی" دوسرے خطرات کو نظر انداز کیجئے، یہ کوتاہی بھی ہے کہ ان میں اصابت رائے اور ثبات عزم کی بھی کمی ہوتی ہے اور اس عہدہ کے لئے یہ چیز لازمی ہے۔ اس عہدہ پر ایک ذمی بھی مامور کیا جا سکتا تھا، اگرچہ وزارت تفویض یا وزارت عظمیٰ کے عہدہ پر اس کا تقرر جائز نہ تھا، کیونکہ وزارت عظمیٰ کیلئے "امامت" کی شرطیں لازمی تھیں

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

دونوں وزارتوں کے اختیارات میں چند نمایاں فرق تھے:۔

۱۔ وزیر اعظم کو حکومت اور عدالت پر پورا اختیار تھا۔
۲۔ گورنروں کا عزل و نصب اس کے اختیار میں تھا۔
۳۔ فوجی اور جنگی معاملات میں کلی اختیارات حاصل تھے۔
۴۔ مالیات پر کامل اختیار تھا۔

وزیر تنفیذ یا سکرٹری کو یہ اختیارات حاصل نہ تھے، وہ محض ایک پیشکار کی حیثیت رکھتا تھا۔

خلیفہ دو وزیر تنفیذ اجتماعی یا انفرادی طور سے مقرر کر سکتا تھا مگر دو وزیر تفویض ایک ساتھ مقرر نہیں کرتا تھا، وجہ ظاہر ہے۔ وزیر تفویض نائب السلطنت ہوتا تھا اور حکومت کے نظم و نسق میں اُسے کلّی اختیارات ہوتے تھے۔

قانونِ فطرت ہے، زمین و آسمان میں اگر دو خدا ہوتے تو دونوں کے نظام میں خلل

آجاتا[1] ایک مملکت کی تو ہستی ہی کیا ہے۔

وزارت عباسیہ کے دور انحطاط میں | عہد عباسیہ میں قلمدان وزارت ایرانی خاندانوں میں رہا، ان میں برامکہ، بنی سہل، بنی طاہر، بنی فرات اور بنی جراح نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔

بنی جراح کے دو فرد، علی بن عیسیٰ (وزیر اعظم خلیفہ مقتدر) اور عبد الرحمن بن عیسیٰ (وزیر اعظم خلیفہ راضی) عہد عباسیہ کی ممتاز شخصیتیں ہیں۔ خلفائے عباسیہ کی حیثیت کمزور پڑ جانے کے بعد سے وزارت عظمیٰ کا اقتدار بڑھ گیا تھا، وزارت کے غیر معمولی اقتدار کو دیکھ کر ہر ممتاز امیر کی نظریں اس پر حریصانہ پڑتی تھیں۔

تیسری صدی ہجری کے آخر سے جب خلفاء عباسیہ کے ہاتھ عصائے جہانبانی کے بوجھ سے کانپ رہے تھے، وزارت کے لئے حریفانہ مقابلہ شروع ہو گیا تھا، اور ایک دوسرے کو شکست دینے کے لئے کوئی تدبیر اٹھا [illegible] باقی تھیں خلیفہ کو بڑی بڑی رشوتیں [illegible] ذلیل سے ذلیل حرکت کرنے سے بھی نہیں جھجکتے تھے

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

یحییٰ بن خاقان | ابن خاقان عباسیہ کے دور انحطاط کی نمایاں ہستی ہے، یہ مقتدر (۲۹۵-۳۲۰ھ) کا وزیر اعظم تھا، اس کے امتیازی اوصاف بد طینتی اور بے تدبیری تھے، اسے عزل و نصب کا گویا مرض تھا۔ ایک دفعہ اس نے کوفہ کے لئے انیس گورنروں کا تقرر ایک دن کیا تھا اور ان سب سے رشوت وصول کی تھی۔ اتفاق سے ایک منزل پر ان سب کا اجتماع ہو گیا تو حقیقت معلوم ہوئی[2]۔

علی بن عیسیٰ | ۳۰۱ھ میں ابن خاقان اپنی بے اعتدالیوں کی وجہ سے معزول کر دیا گیا اور اس کی جگہ علی بن عیسیٰ کا تقرر عمل میں آیا۔ "عہد عباسیہ میں کوئی وزیر اتنا عابد، زاہد، اتنا پاکیزہ اوصاف اور اتنا زبردست اہل قلم نہیں گذرا ہے، یہ قرآن کا حافظ، معانی و تفسیر سے باخبر، اور غیر معمولی سخی تھا"[3]۔

علی بن عیسیٰ نے فقراء اور بے بس انسانوں کی حالت سدھارنے کی طرف عملی قدم اٹھایا

---

[1] سورۂ انبیاء۔ آیت ۲۲۔ [2] و [3] الفخری، ص۔ ۲۴۰، ۲۴۱۔

اور اس مقصد کے لئے اپنی ذاتی جائداد کی نصف آمدنی وقف کردی، اس وقف کی سالانہ آمدنی اسّی ہزار دینار (چار لاکھ روپیہ) سے زیادہ تھی، اس کے ماسوا اور بہت سے وقف کئے تھے۔ ان اوقاف کے انتظام کے لئے ایک مستقل محکمہ "دیوان البرّ" کے نام سے قائم کردیا تھا حرمین اور سرحدوں کے تحفظ کے فنڈ میں جو آمدنی ہوتی تھی، اُسے نہایت دیانت داری سے انہی مدوں میں صرف کیا جاتا تھا۔ دوسری مدوں میں اُسے صرف کرنے کی اجازت نہیں تھی۔

اصلاحات کا دائرہ اسی جگہ ختم نہیں ہوگیا، بلکہ اُس نے دفتروں کے نظم ونسق میں اصلاح کی، حکومت کے داخلی نظام کو درست کیا، اس کے دورِ وزارت میں ملک کا امن وامان بحال ہوگیا اور حکومت کا نظم ونسق اعتدال پر آگیا، یہ اس کی غیر معمولی سیاست دانی اور حکومت کی بلند پایہ قابلیت کا نتیجہ تھا، ورنہ اس دورِ انحطاط میں اس کی توقع بھی نہیں ہوسکتی تھی یہ وزیر نہایت عادل تھا، اور انصاف کے وقت امیر وغریب، شریف ورذیل اس کی نظر میں سب برابر تھے، اس معاملہ میں کسی رو رعایت کا قائل نہ تھا، الغرض [illegible] عدالت اجلاس) اور جھگڑے قضیوں کا [illegible]

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

علی بن عیسٰی کا ایک کارنامہ یہ تھا کہ اُس نے مفادِ عامہ کے کاموں کے لئے مدینۃ الاسلام کی آمدنی، سواد کی مالگزاری اور تقریباً تیرہ ہزار دینار (پینسٹھ ہزار روپیہ) الگ کردیئے تھے اور حرمین اور سرحدوں کے بجٹ میں اسّی ہزار دینار (چار لاکھ روپیہ) سے زیادہ گنجائش رکھی تھی اونٹوں اور خچروں کی ایک بہت بڑی تعداد رفاہِ عام کے لئے جدّہ سے مکّہ معظمہ پانی لاد کر لاتی تھی اس کی وجہ سے ہر طبقہ کو پانی بافراط پہنچنے لگا تھا، اس نے مسخروں کو دربار سے نکال باہر کیا تھا۔ اور ظلم وستم کی بیخ کنی میں کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا تھا۔

بنوعباس کی بدقسمتی سے اس مصلح وزیر کی وزارت کی عمر دراز نہ ہوسکی اور اسے معزول کردیا گیا، اس کی معزولی کی وجہ خلیفہ مقتدر کی صغرسنی اور عورتوں کا حکومت میں اثر و اقتدار تھا، حکومت کا نظم ونسق اس کی ماں "سیدہ" کے ہاتھ میں تھا اور حکومت کی مشینری اسی کے اشارۂ چشم وابرو پر گردش کرتی تھی، اس کے اقتدار کا یہ حال تھا کہ "سیدہ" تو سیدہ اس کی کسی مصاحبہ کا عتاب بھی وزارتِ عظمٰی کے منصب سے اتار سکتا تھا، چنانچہ علی بن عیسٰی

پر ایک مصاحبہ اُمِّ موسیٰ کا عتاب نازل ہُوا تھا اور وُہ معزول کر دیا گیا۔ بات اتنی سی تھی کہ اُمِّ موسیٰ نے عید الاضحیٰ کے موقع پر کچھ رقم طلب کی تھی، وزیر اعظم نے معذرت کر دی تھی، بس پھر کیا تھا۔ غضب آگیا اور سیدہ کے کان اس کے خلاف اتنے بھرے گئے کہ اُسے وزارت سے دست بردار ہونا پڑا۔ یہ دوشنبہ ۸۔ ذی الحجہ ۳۰۴ھ کا واقعہ ہے [۱]۔

حامد بن عباس | علی بن عیسٰی کا جانشین حامد بن عباس مقرر کیا گیا، یہ شخص اگرچہ صاحبِ فضل و کرم تھا اور مالیات کے شعبہ میں خاص مہارت رکھتا تھا مگر قلمدانِ وزارت سنبھالنے کی اس میں صلاحیت نہ تھی۔ اس کی نااہلی کا اندازہ کر کے خلیفہ مقتدر نے سابق وزیر اعظم علی بن عیسٰی کو اس کا مددگار مقرر کر دیا تھا۔ علی بن عیسٰی نے اپنے غیر معمولی سیاسی شعور سے بگڑے ہوئے نظام کو ایک دفعہ اور سدھار دیا تھا اور اپنی بے مثل قابلیت اور عالمگیر ہمدردی کی وجہ سے حکومت کی مشینری پر چھا گیا تھا۔ وزیر اعظم حامد بن عباس کی اس کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہ تھی، دربار [illegible] م سیاہ لباس پہن کر مسندِ وزارت پر جلوہ فرما ہوتا تھا اور علی بن عیسٰی اس کے سامنے ادب سے معمولی لباس میں بیٹھتا تھا [۲]۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

ابن مقلہ | مقتدر کے دورِ حکومت میں وزراء کے روزانہ عزل و نصب کی وجہ سے خلافتِ عباسیہ کی داخلی حالت نہایت ابتر ہو گئی تھی، اس کے عہد میں یکے بعد دیگرے بارہ وزیر مقرر ہوئے تھے۔ ان میں بعض تو کئی دفعہ معزول ہوئے تھے اور پھر ان کا تقرر کیا گیا تھا مثلاً ابوالحسن، علی بن فرات اور علی بن عیسٰی۔

مقتدر نے بعض نااہل وزراء پر بے حد اعتماد کر لیا تھا، حکومت کا نظام اس کی وجہ سے درہم برہم ہو گیا تھا۔ ان نااہل وزراء میں ابوعلی بن مقلہ کی شخصیت نمایاں تھی، خلیفہ کے حد سے زیادہ اعتماد کی وجہ سے اس کا اثر و نفوذ بہت بڑھ گیا، اور اس نے ریاست کی آمدنی پر نہایت بے دردی سے ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا۔ مقتدر نے اسے دوبارہ ۳۱۶ھ میں وزیر اعظم مقرر کیا اور خلعت سے سرفراز فرمایا، لیکن کچھ عرصہ کے بعد وُہ معزول کر دیا گیا، خلیفہ راضی کے عہد تک اس کی زندگی کا نشیب و فراز یہی رہا۔ کبھی معزول ہُوا، کبھی تقرر ہُوا، خلیفہ راضی

---

[۱] ابن الاثیر ج ۸ ص ۲۶ و تحفۃ الامراء فی تاریخ الوزراء ص ۲۸۶۔ [۲] الفخری ص ۲۴۲۔

نے اُسے وزارتِ عظمیٰ کے عہدہ پر مامور کیا۔ مگر تھوڑی مدت کے بعد داہاں ہاتھ کاٹ کر جیل میں ڈال دیا گیا، اور ایک مدت تک اسی میں سڑتا رہا تھا[۱]

ضعفِ وزارت ابنِ مقلہ کے بعد کوئی قابلِ ذکر شخصیت اس عہدہ پر مامور نہیں ہوئی تھی ابنِ مقلہ کے بعد نہایت نا اہل وزراء اس منصب پر فائز ہوئے تھے، اس کی وجہ سے نظام سلطنت میں ابتری پیدا ہو گئی تھی، مابعد کے قابلِ ذکر وزراء میں، ایک ابوالقاسم عبیداللہ بن محمد کلوذانی ہے، جس کے خلاف فوج نے بغاوت کر دی تھی اور اسے دو ماہ کے بعد ہی قلمدانِ وزارت سے دست بردار ہونا پڑا تھا، دوسرا حسین بن قاسم تھا۔ یہ نہایت بد طینت اور کمزور پالیسی کا انسان تھا، حکومت کے نظم و نسق کو سنبھال لینا اس کے امکان سے خارج ثابت ہوا اس لئے اس لئے اسے معزول کر دیا گیا[۲]

عباسیہ کے عہدِ زوال میں امراء کے اندر وزارتِ عظمیٰ کے لئے حریفانہ کشمکش شروع ہو گئی تھی، ہر حریف کے ایجنٹ اور ہوا خواہ ہوتے تھے جو اس کی حمایت میں ہوا پیدا کرتے تھے۔ کامیاب حریف اپنا اگر [illegible] کر سکتا تھا، اور انہیں بڑے بڑے عہدوں پر مامور کر دیتا تھا، جب یہ وزیر بدقسمتی سے معزول کر دیا جاتا تھا تو اس کے یہ حامی بھی منتشر کر دیے جاتے تھے[۳]

اس دور کے وزرا خوشامد میں خلیفہ، قصر کی عورتوں، خادموں اور منہ چڑھے ملازمین کے سامنے دولت کے انبار لگاتے رہتے تھے، یہ دولت رعایا پر طرح طرح کے ٹیکس لگا کر فراہم کی جاتی تھی، وزیر اعظم کے ایجنٹوں اور پٹھوؤں نے اس سلسلہ میں قیامت اُٹھا رکھی تھی۔

خلیفہ راضی نے وزارتِ عظمیٰ کے عہدہ پر کمزور پالیسی کے وزراء کو مامور کیا تھا، یہ وزراء خوشامد میں خلیفہ کی ذات پر بے شمار مال و دولت صرف کرتے تھے، راضی کے عہد خلافت میں جب ابن مقلہ تیسری دفعہ وزیر اعظم مقرر ہوا تھا تو اس نے خلیفہ کی خدمت میں پانچ لاکھ دینار (پچیس ہزار روپیہ) نذرانہ کے طور پر پیش کئے تھے۔ مگر دو ماہ بھی نہ گذرے تھے کہ فوج نے اس کے خلاف بغاوت کر دی اور خلیفہ اسے معزول کرنے پر مجبور ہوا۔

۱؎ الفخری ص ۲۴۵ ۲؎ تفصیل دیکھیے الآداب السلطانیہ ص ۲۴۷ اور اس کی شرح ص ۲۴۷

۳؎ Harald Bawer, P. 27

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

ابنِ مقلہ کے بعد عبدالرحمٰن بن عیسٰی اس عہدہ پر مامور ہُوا یہ بھی نا اہلی کی وجہ سے معزول کر دیا گیا اور اس کی جگہ اس کا بھائی مقرر کر دیا گیا۔ اس کے عہدِ وزارت میں سلطنت کی حالت اور بھی ردی ہو گئی اور اُسے اپنے منصب سے سبکدوش ہونا پڑا۔ اس کا جانشین ابوجعفر بن محمد بن قاسم کرخی ہُوا۔ یہ بھی اپنے پیشرو نالائق وزرا کا صحیح جانشین تھا۔ اُس نے نظام سلطنت کو سدھارنے کے لئے کسی قسم کا عملی قدم نہیں اُٹھایا، اس کے زمانہ میں سلطنت کا نظم ونسق حد سے زیادہ ابتر ہو گیا، یہ نہایت ٹھنگنا اور کوتاہ قامت انسان تھا، سریرِ خلافت کے پائے چار انگشت اس غرض سے کاٹ دیے تھے کہ خلیفہ دربار میں اس سے وقتِ ضرورت مشورہ کر سکے اس وقت لوگوں نے کہا تھا" یہ سلطنت کی تباہی کا شگون ہے"، مستقبل نے ثابت کر دیا کہ لوگوں کا یہ خیال غلط نہ تھا، رائے عامہ نے اس کی بدعنوانیوں کے خلاف بغاوت کر دی تھی اور وہ جان بچا کر بھاگ گیا تھا[1]

کرخی کے بعد قلمدانِ وزارت سلیمان بن حسن کے سپرد کیا گیا، یہ وہ وقت تھا جب حکومت کے نظم ونسق میں [illegible] تھا، اس کی وجہ سے باوجود قابلیت کے حکومت کے نظام کو اعتدال پر لانا۔ اس کے امکان سے خارج ثابت ہُوا اور خلیفہ نے مجبور ہو کر ابنِ رائق گورنر واسط و بصرہ کے ہاتھ میں حکومت کا نظم ونسق دیدیا اور امیرالامراء کا اُسے لقب دیا۔ ابن رائق کا اثر و اقتدار نہایت سرعت سے بڑھ گیا اور وزیرِ اعظم کی حیثیت ایک ماتحت کی ہو گئی، گورنروں کا عزل و نصب اب امیرالامراء کے اختیار میں تھا اور حکومت کی تمام مشینری اسی کے اشارہ پر گردش کرتی تھی اور وزارتِ عظمٰی کا عہدہ ایک مہمل اور بے معنی سا لفظ رہ گیا تھا[2]

ابن مسکویہ کے الفاظ میں" امیرالامراء" کے بعد وزارت کے اقتدار کا خاتمہ ہو گیا تھا اُسے دارالسلطنت، محکموں اور صوبوں کے نظم ونسق میں دخل دینے کا کوئی اختیار نہ تھا، اس کا کام صرف یہ رہ گیا تھا کہ جشن اور تقریب کے موقع پر سیاہ لباس اور پٹکا اور تلوار لٹکا کر دربار میں حاضر ہو جائے اور ادب و احترام کے ساتھ خاموش کھڑا رہے اور بس، ابن رائق اور اُس

---

[1] الفخری۔ ص ۳۵۲ - ۳۵۳ [2] الفخری ص ۳۵۳

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

کا فارن سکرٹری حکومت کے سیاہ و سفید کے مالک تھے، مالیات پر ان کا تصرف تھا۔ حکومت کی آمدنی حسب منشا صرف میں لاتا تھا اور شرعی نظام مالیات کا خاتمہ ہو گیا تھا، سلطان کی ذاتی دلچسپیوں کے لئے ضرور ایک بڑی رقم خاص کر دی جاتی تھی [1]

راضی کی عہد خلافت میں وزارت عظمٰی کی جگہ امیر الامراء نے لے لی تھی، اس کے اختیارات میں وزراء کا عزل و نصب ہوتا تھا، ابن رائق نے امیر الامراء کے منصب پر فائز ہونے کے بعد خلیفہ کی منظوری سے فضل بن جعفر بن فرات کو وزارت عظمٰی کے عہدہ پر مامور کیا تھا۔ اس زمانہ میں مالیات پر پورا اختیار ابن فرات کو دے دیا تھا اور حکومت کے دوسرے محکمے اپنے قبضہ میں رہنے دیے تھے۔ یہ اس کی پالیسی تھی، بدنامی کے ڈر سے وہ براہ راست مال و دولت سمیٹنے سے بچنا چاہتا تھا۔ ان دونوں کی ملی بھگت کا نتیجہ تھا کہ مملکت کی دولت سے ان کے گھر بھر گئے تھے [2]

UNREGISTERED VERSION

امیر الامراؤں کا یہ جبر و استبداد [illegible] حکومت کی مشینری پر یہ عجمی [illegible] تھے، لیکن سیاسی مصلحت سے ان خود سروں

www.avs4you.com

نے خلافت اور وزارت کے القاب اختیار کرنے سے اجتناب کیا تھا، لیکن انہیں اپنا آلۂ کار بنا رکھا تھا اور اُن کے نام سے اپنا اُلّو سیدھا کیا کرتے تھے وہ جانتے تھے۔ خلافت اور وزارت عظمٰی کا عوام پر کتنا اثر ہے۔ یہ دور خلافت عباسیہ کے آخر عہد تک قائم رہا تھا۔ اس دوران میں زبان بگڑ گئی تھی اور بعض مشہور صنائع اور صنعتیں ختم ہو گئیں تھیں، ان عجمی حکام کو عربی زبان و ادب کی طرف توجہ دینے کی ضرورت کیا تھی اور صنعت و حرفت کی طرف توجہ کرنے کے لئے سیاسی اغراض نے اجازت نہ دی تھی۔

اندلس کے اموی فرمانرواؤں نے ابتدا میں وزارت کے قیام کی ضرورت نہیں سمجھی لیکن آخر میں یہ شعبہ قائم کر دیا تھا اور اُسے چند شعبوں میں تقسیم کر کے ہر شعبہ ایک وزیر کے سپرد کر دیا تھا، وزارت کا یہ شعبہ مالیات، رسل و رسائل، قانون و انصاف اور امور خارجہ میں منقسم تھا، اور ہر شعبہ ایک ایک وزیر کی نگرانی میں دے دیا گیا تھا، ان وزراء کا ایک قصر میں اجتماع ہوتا تھا، جہاں سے وہ سلطان کے احکام نافذ کرتے تھے، یہ وزیر اپنا ایک لیڈر

[1] ابن مسکویہ ج ص ۳۵۲ [2] تاریخ الخلفاء (سیوطی) ص ۲۶۰

منتخب کر لیا کرتے تھے، جو سلطان کے پاس آمد و رفت رکھتا تھا اور ان کے اور سلطان کے درمیان واسطہ کا کام دیتا تھا، اس کی نشست گاہ دوسرے وزراء سے کچھ ممتاز اور اونچی ہوتی تھی اور اُسے حاجب کے نام سے یاد کیا جاتا تھا، اندلس میں آخر دم تک وزارت کا یہی نظام قائم رہا تھا[1]۔

وزارت سلاجقہ کے دورِ اقتدار میں

خلافت عباسیہ پر سلجوقیوں کے غلبہ اور اُن کے عہد عروج (۴۴۷-۵۵۱ھ) کے وقت عراق فتنہ و فساد اور حوادثات سے معمور تھا۔ اس دور میں باطنیوں کی فتنہ پردازی آخری نقطۂ کمال پر پہنچ گئی تھی اور ان شرارت کے مجسموں نے خلفاء اور ممتاز ارکانِ دولت کو بھی موت کے گھاٹ [illegible] وزرا منصۂ شہود میں آئے تھے۔ ان میں قابل ذکر ابو شجاع کی شخصیت ہے جو خلیفہ مقتدی (۴۶۷-۴۸۷ھ) کے عہد خلافت میں وزارت [illegible] کے منصب پر مامور تھا۔ یہ وزیر نہایت عادل اور منصف تھا، اس کا معمول تھا کہ نماز ظہر کے بعد عدالت کا اجلاس کرتا تھا۔ اور منادی کرا دیتا تھا "جس کسی کو کوئی شکایت ہو وہ آکر پیش کرے"[2]، یہ وزیر نرم خو، بردبار اور اغماض کرنے والا تھا۔ شیعہ و سنی میں جب محلہ کرخ اور بغداد کے "باب البصرہ" میں جھگڑا ہو گیا اس وقت اس نے انتہائی تحمل سے کام لیا تھا اور باوجود اُکسانے کے اس نے خونریزی سے احتراز کیا تھا، خلیفہ مقتدی نے یہ صورتِ حالات دیکھ کر کہا تھا۔ "ایسے وقت میں اس قسم کی نرمی کام نہیں دیتی ہے، تمہاری رواداری اور چشم پوشی نے بلوائیوں کا حوصلہ بڑھا دیا ہے، اس وقت مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ محلوں کے دس ممتاز اور بڑے آدمیوں کے گھر منہدم کر دیئے جائیں، اس طرح یہ فتنہ و فساد فرو ہو سکے گا۔

وزیر نے کوتوال شہر کو بلایا اور کہا "خلیفہ نے دس ممتاز اہل محلہ کے گھروں کو تباہ کر دینے کا حکم دیا ہے، میں اس وقت بڑی کشمکش میں مبتلا ہوں۔ ایک طرف تو مجھے خدا کا خوف

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

---

[1] مقدمہ ابن خلدون ص ۲۰۸۔ [2] الفخری۔ ص ۲۶۲۔

ہے کہ بے قصوروں کے گھر تباہ ہو جائیں گے، دوسری طرف خلیفہ کے عتاب کا اندیشہ ہے۔ اس کشمکش سے نجات کی میرے ذہن میں یہ تدبیر آئی ہے کہ ان سر پر آوردہ لوگوں کے مکانات اور ان کے ساز و سامان کی قیمت کا تخمینہ لگا کر میری طرف سے نقد رقم ادا کر دو پھر ان عمارتوں کو منہدم کرا دو۔ اس واقعہ سے اس کی فطرت کا صحیح اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

ابو شجاع نے اپنے عہدِ وزارت میں حج کیا تھا، اس سے قبل برامکہ کو چھوڑ کر عہدِ عباسیہ کے کسی وزیر نے اپنے وزارت کے زمانہ میں حج نہیں کیا تھا۔ وزارت سے معزول ہونے کے بعد ضرور یہ فرض یاد آتا تھا۔ آخر میں یہ وزارت سے خود مستعفی ہو کر گوشہ نشین ہو گیا تھا، اس زمانہ میں سوتی کپڑے پہنتا تھا، دوسری دفعہ جب حج کو گیا تو مدینہ منورہ میں قیام گزین ہو گیا اور زندگی کے معمولات میں مسجد نبوی میں جھاڑو دینا اور چراغ جلانا خاص طور سے داخل تھا، یہاں یہ ہمیشہ موٹے دبیز کپڑے پہنتا تھا اور فرش پر بیٹھتا تھا۔[1]

[illegible] مسترشد باللہ (۵۱۲ھ تا ۵۲۹ھ) نے اسے ۵۱۳ھ میں وزارتِ عظمیٰ کے منصب پر مامور کیا تھا، یہ ریاست کے نظم ونسق کی غیر معمولی صلاحیت رکھتا تھا، مسترشد نے اسے جلال الدین، سید الوزراء، صدر الشرق والغرب اور ظہیر امیر المومنین کے خطابات دیے تھے۔[2]

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

سلطان سلجوقی کے وزیر کو ابو علی حسن کی غیر معمولی قابلیت نے اس کا حاسد بنا دیا تھا اس بغض و حسد نے بہت جلد شدید اختلافات کی شکل اختیار کر لی اور سلطان سلجوقی کے وزیر نے خلیفہ کو بھڑکا کر ابو علی کو معزول کرا دیا، کچھ عرصہ کے بعد مسترشد کو جب اپنی کوتاہ فہمی کا علم ہوا تو اس نے دوبارہ اسے اس منصب پر مامور کر دیا اور خلعت سے نوازا اور ارکانِ دولت کو حکم تھا کہ جب وہ دیوانِ وزارت کو روانہ ہو تو احترام میں اس کے آگے آگے چلیں، یہ پہلا وزیرِ اعظم تھا جسے یہ اعزاز بخشا گیا تھا۔[3] اس کی شجاعت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ جب سلطان سنجر نے بغداد پہنچنے اور خلیفہ مسترشد کے خلاف ہنگامہ بپا کرنے کا قصد کیا تھا تو اس نے کہلا بھیجا تھا "اگر تم نے اپنی جگہ سے ایک انچ بھی حرکت

---

[1] الفخری ص ۲۶۵ [2] شرح الفخری ص ۲۶۹، ۲۷۰ [3] الفخری ص ۲۷۰

کی تو یاد رکھنا اپنی مملکت کے ایک ایک حبہ سے ہاتھ دھو بیٹھو گے اگر تم ایک فرسنگ بڑھو گے تو میں دو فرسنگ پیش قدمی کروں گا" ایک دفعہ جب ابو علی حسن بیمار ہو گیا تو خلیفہ اس کی عیادت کو آیا، اُسے اس نے بہت بڑی عزت افزائی سے تعبیر کیا۔

مسترشد باللہ کے وزراء میں شریف ابو القاسم زینبی بھی داخل تھا، یہ وزارتِ عظمیٰ کے آئین و اصول میں مہارتِ تامہ رکھتا تھا۔ مسترشد نے اسے قلمدان وزارت سونپتے وقت اس کی قابلیت کا اظہار ان الفاظ میں کیا تھا "آج تمہارے وجود سے منصب وزارت عظمیٰ کی عزت افزائی ہوئی ہے، اس سے قبل برعکس حالت تھی" مسترشد نے ارکانِ دولت کو حکم دیا کہ دیوان وزارت تک زینبی کے احترام میں آگے آگے چلیں۔[1]

اس دور کے وزراء میں ابنِ ہبیرہ بھی نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ یہ خلیفہ مقتفی (۵۳۰-۵۵۵ھ) [illegible] جو بیوں کا زور توڑنے میں اس وزیر اعظم کا بہت بڑا دخل تھا، اس نے [illegible] نام کے ساتھ وزیر کے ماسوا اور کسی دوسرے لقب کا اضافہ نہ کیا جائے۔ اس سے قبل وزراء کے بہت سے القاب ہوتے تھے وہ کہتا تھا خدا نے ہارون کو "وزیر" کے لقب سے خطاب کیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر و عمر (رضی اللہ عنہما) کو وزیر کے خطاب سے یاد فرمایا تھا، میرے لیے سب سے بڑی عزت اس میں ہے کہ مجھے اسی لفظ سے خطاب کیا جائے۔

ابنِ ہبیر بلند پایہ فاضل، زبردست سیاست داں اور اولو العزم وزیر اعظم تھا، تدبیر مملکت اور حکومت کے نظم و نسق میں اپنی نظیر نہ رکھتا تھا یہ اپنے زمانہ کا ممتاز اہل قلم اور شاعر بھی تھا۔

اس عصر کے عباسی وزراء میں ابو نصر احمد بھی ممتاز درجہ رکھتا ہے، یہ ملک شاہ سلجوقی کے مشہور وزیر اعظم نظام الملک کا بیٹا تھا، اس نے اپنے زمانہ میں جبر و استبداد کا خاتمہ کر دیا تھا۔ مسترشد باللہ نے ایک دفعہ بغداد کی شہر پناہ تعمیر کرنے کے لئے شہریوں پر اجتماعی

[1] الفخری ص ۲۷۱ [2] ایضاً ص ۲۷۸-۲۷۹ [3] ایضاً ص ۲۷۲

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

طور پر پندرہ ہزار دینار (پچھتر ہزار) روپیہ کی رقم واجب کی تھی۔ ابونصر نے یہ رقم ان سے لینا گوارا نہ کی اور اپنی ذاتی دولت سے ادا کر دی[1]۔

دَور عباسیہ کے آخر دور کے وزرا میں، ایک نمایاں ہستی انوشروان خالد بن محمد قاشانی کی ہے، یہ مسترشد کے زمانہ میں وزارت عظمٰی کے منصب پر متمکن تھا، انوشروان نے عباسیوں اور سلجوقیوں دونوں کے ہاں وزارت عظمٰی کے فرائض انجام دیئے تھے۔ وزارت کے قبول کرنے سے یہ ہمیشہ پہلو بچاتا تھا، انکسار و تواضع کا یہ حال تھا کہ ہر آنے والے کے احترام میں اُٹھ کھڑا ہوتا تھا۔ حریری نے ایک مستقل "مقامہ" میں اس کے اوصاف کا تذکرہ کیا ہے۔

وزارت مصر میں

مصر میں وزارت کے نظام کی ابتدا اخشیدیوں کے عہد سے ہوئی ہے۔ سب سے پہلے احمد بن طولون نے احمد بن محمد واسطی کو اپنا کاتب یا پرائیویٹ سکریٹری مقرر کیا تھا اور [illegible] حکومت کے نظم و ضبط میں اس سے مشورہ لے لیا کرتا تھا۔ ۲۶۴ھ میں جب احمد بن طولون چند روز کے لیے شام گیا تو اس نے اپنے بیٹے [illegible] اور ابن محمد واسطی کو اس کا مشیر [illegible] اعظم کے فرائض انجام دیتا تھا، دوسرے الفاظ میں وہ ان تمام اختیارات کا حامل تھا جو ایک وزارتِ عظمٰی کے منصب سے وابستہ ہوتے تھے۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

وزارت عہدِ فاطمیہ میں

فاطمیوں کے مصر پر تسلط کے وقت ابو الفضل جعفر بن فرات وزارتِ عظمٰی کے منصب پر مامور تھا۔ ابو الفضل جعفر عباسیوں اور اخشیدیوں دونوں کے دورِ حکومت میں اس عہدہ پر فائز رہا، یہ نہایت کثرسنی تھا، خلیفہ فاطمی معز الدین نے رسماً اُسے ہٹانا مصلحتِ وقت کے خلاف سمجھا، لیکن اندرونی طور پر اس کے تمام اختیارات سلب کر لئے اور وہ صرف نام کا وزیر اعظم رہ گیا تھا۔ سبکدوش کرنا اپنی سیاست کاری کے خلاف سمجھتا تھا۔ کیونکہ اس کی وجہ سے رائے عامہ کے مشتعل ہونے کا اندیشہ تھا[2]۔ خلیفہ کے نفس ناطقہ، فاتح مصر، جوہر صقلی ابو الفضل کو لفظ وزیر سے خطاب کرنا بھی اپنی کسرِ شان سمجھتا تھا جوہر نے ایک خادم اس کی نقل و حرکت کی نگرانی کے لئے متعین کر دیا تھا، یہ شبانہ روز ہمزاد

---

[1] الفخری ص ۲۷۲ [2] اتعاظ (مقریزی) ص ۰ ، وابن خلکان ج ۱ ص ۱۱۹۔

کی طرح اس کے ساتھ لگا رہتا تھا[1]۔ ان حرکتوں نے وزیر کے اثر و اقتدار کا قریباً خاتمہ کر دیا تھا۔ یاقوت کا بیان ہے وہ خلیفہ معز الدین کے مصر آنے کے بعد ابن فرات نے اس منصب سے استعفا دیدیا تھا[2]۔

ایک واقعہ اور پیش آیا تھا جس نے خلیفہ فاطمی کو ابو الفضل جعفر سے اور بدظن کر دیا تھا۔ وہ یہ تھا کہ جب خلیفہ معز الدین اسکندریہ کے قریب پہنچا تو اس نے اسکندریہ میں اس کا استقبال کرنے سے انکار کر دیا تھا اس وقت چند ممتاز سنی اشخاص اس کے پاس حاضر ہوئے اور نشیب و فراز سمجھاتے ہوئے کہا "آپ کا یہ رویہ مستقبل میں سنیوں کے لئے مضر ثابت ہو گا اور شیعی حکومت کے جبر و استبداد کے لئے یہ بہانہ کافی ہو گا، ان کے کہنے سے وہ استقبال کے لئے نکلا تھا، اگرچہ اس کا دل نہ چاہتا تھا۔

معز الدین اس واقعہ سے بے خبر نہ تھا۔ ملاقات کے وقت اس نے جعفر سے دریافت کیا "کیا [illegible] جعفر نے [illegible] (ص) کی قبر کی زیارت بھی کی ہے؟" جعفر شیعہ خلیفہ کے اس سوال کا مقصد اپنی غیر معمولی فراست سے سمجھ گیا اور برجستہ جواب دیا "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیخودانہ محبت نے اس طرف متوجہ ہی نہ ہونے دیا۔ جس طرح امیر المومنین سے گفتگو میں اتنا منہمک ہوا کہ ولی عہد کو سلام کرنے کا بھی ہوش نہ رہا۔ السلام علیکم یا ولی عہد المسلمین ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"۔

معز الدین نے یعقوب بن کلس اور علوج بن حسن کو جنگی اور مدنی امور میں اپنا مشیر مقرر کیا اور ۱۴ محرم ۳۶۳ھ سے دیوان خراج (احتساب) ساحلوں کے نظم و نسق کا محکمہ، اوقاف، انتظام میراث اور پولیس کا صیغہ ان دونوں کے سپرد کر دیا، ابن کلس نے اپنا معتمد علیہ ابن فرات کو بنا لیا اور خراج کے افسروں کا محاسبہ اس کے سپرد کر دیا۔ ان دونوں میں اتنے گہرے تعلقات تھے کہ ابن فرات کھانا بھی ابن کلس کے ساتھ کھاتا تھا، یہ تعلقات اس وقت سے اور بھی مستحکم ہو گئے، جب سے ابن فرات کے لڑکے کی شادی ابن کلس کی لڑکی سے ہو گئی تھی[3]۔

---

[1] الفاظ الحنفاء ص ۸۵ [2] الادیب ج ۲ ص ۴۱۲ [3] ابن خلکان ج ۲ ص ۱۳۹

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

ابن فرات خلیفہ عزیز باللہ (۳۶۵ - ۳۸۶ھ) کے عہد میں وزارتِ عظمیٰ کے عہدہ پر مامور ہوا اور صرف ایک سال فائز رہا۔ ۳۸۲ھ میں جب خلیفہ عزیز نے اپنے وزیر ابوالحسین بن علی بن عمر عداس کو مال کی خورد برد اور خیانت کے جرم میں معزول کیا تو اس کی جگہ ابنِ فرات کو خراج کا افسر مقرر کر دیا گیا، ربیع الاول ۳۸۳ھ میں دوبارہ اسے قلمدانِ وزارت سپرد کیا گیا اور وہ ایک سال تک اپنے فرائض انجام دیتا رہا۔ ۳۹۱ھ میں یہ زبردست شخصیت دُنیا سے اُٹھ گئی۔[۱] ابنِ فرات کا یہ امتیازی وصف تھا کہ وہ عباسیہ، اخشیدیہ، اور فاطمیہ تینوں کے دورِ حکومت میں وزارت کے عہدہ پر مامور رہا۔

یعقوب بن کلس | فاطمیوں کے دورِ عروج میں وزارت کی نوعیت دورِ عباسیہ کی "وزارت تنفیذ" کی تھی، اس جگہ اس دور کے سب سے ممتاز وزیر کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ یہ یعقوب بن کلس کی شخصیت تھی۔

UNREGISTERED VERSION

یعقوب بن کلس یہودی تھا۔ بغداد میں پیدا ہوا وہیں نشوونما ہوئی، کمسنی میں باپ کے ساتھ شام چلا آیا اور وہاں سے ۳۳۱ھ [illegible] اُس وقت اخشید مؤسس دولتِ اخشیدیہ

www.avs4you.com

کا عہدِ حکومت تھا، اخشید کی وفات کے بعد یعقوب بن کلس کے کافور اخشیدی سے مراسم ہو گئے، کافور نے اُسے اپنے محل کی تعمیر کا نگران مقرر کر دیا اور پھر اس کی نجابت اور فطرت کی پاکیزگی دیکھ کر اپنے دیوانِ خاص میں اس کا تقرر کر دیا اس پر غیر معمولی اعتماد کی بنا پر محکموں کے افسروں کے نام حکم جاری کر دیا گیا کہ خزانہ سے ایک پیسہ بھی بغیر ابنِ کلس کے دستخط کے نہیں لیا جا سکتا ہے۔ دولتِ اخشیدیہ کے آخری عہد میں اس نے اپنا اسلام ظاہر کر دیا تھا اور جامع مسجد میں نماز ادا کرنے لگا تھا، کافور کے دل میں اس کی وجہ سے اس کی قدر و منزلت اور بڑھ گئی تھی، اس کے بعد ابنِ کلس کا معمول تھا کہ نماز و تلاوت میں مصروف رہتا۔ ایک متبحر عالم قرآن کی تفسیر پڑھاتا اور تجوید کی تعلیم دیتا یہ شبانہ روز اس کا ہم جلیس رہتا، اس کے ساتھ نماز پڑھتا۔ اس کے ساتھ کھانا کھاتا اور اس کے ہاں سوتا تھا۔ کافور اپنی وفات (۳۵۷ھ) تک برابر اُسے عزت و احترام کی نظر سے دیکھتا رہا۔ کافور کی موت کے بعد بلادِ مغرب چلا

۱؎ المقریزی الخطط ج ۲ ص ۸۴ ۲؎ ابن خلکان ج ۲ ص ۱۳۹

گیا۔ جہاں خلیفہ معزالدین کی خدمت میں باریاب ہوا۔ ۳۶۳ھ میں مصر اس کے ساتھ دوبارہ واپس آیا، محرم ۳۶۳ھ میں معزالدین نے اُسے اور علوج بن حسن کو جنگی اور مدنی معاملات کا انچارج مقرر کیا تھا۔

ابنِ کلس کا معمول تھا کہ اپنے قصر میں ہر ہفتہ اور پنجشنبہ کے روز ایک بہت بڑی مجلس منعقد کرتا تھا، جس میں اس کی تالیفات سنائی جاتی تھیں، اس مجلس میں قضاۃ، فقہا، اساتذہ قرأت و تجوید، محدثین، شعراء اور ممتاز ارکانِ دولت کا اجتماع ہوتا تھا، قصر میں نجی ملازمین کی ایک بہت بڑی تعداد قرآن کے نسخوں اور حدیث، فقہ، ادب اور دوسرے علوم و فنون کی کتابوں کی نقلیں کرنے پر مامور تھی، قصر میں ایک کشادہ مہمان خانہ تھا جس میں حمام اور دوسری ضروریات کا انتظام تھا، ابن کلس نماز مغرب کے بعد ہر روز یہاں کرسیِ عدالت پر جلوہ فرما ہوتا تھا اور شہریوں کی شکایات اور ضروریات کے بارے میں مناسب کارروائیاں کرتا تھا۔ [illegible] صیغے قائم تھے۔ ہر شعبہ میں اس صیغہ کے ماہر افراد کی ایک معقول تعداد کام کرتی تھی، علماء، شعراء، ادباء، فقہاء، اور متکلمین اور ماہرین فن کی بڑی بڑی تنخواہیں مقرر تھیں اور باقاعدہ ملتی تھیں۔ یہ اربابِ فن اسی محل کے ایک مخصوص حصّہ میں سکونِ قلب کے ساتھ علمی کاموں میں منہمک رہتے تھے۔ رفاہِ عام کے لئے ایک شفاخانہ بھی قائم تھا، جس میں صدہا حاذق اطباء ملازم تھے جو مریضوں کا مفت علاج معالجہ کرتے تھے۔

ابنِ کلس کی مدح و ستائش میں بہت سے شعرائے کے صدہا قصائد اس دور کی تاریخ میں موجود ہیں اور اس قدر و منزلت کے آئینہ دار ہیں۔ جو عام طور پر لوگوں کے دلوں میں پائی جاتی تھی۔

ابنِ کلس نے خلیفہ عزیز کو مشورہ دیا تھا کہ جامع ازہر کو دعوتِ شیعہ کے مرکز کی بجائے ایک یونیورسٹی کی شکل میں تبدیل کر دیا جائے، جہاں علوم عقلیہ اور نقلیہ کی تعلیم دی جائے خلیفہ نے اُسے شرفِ قبول بخشا اور اس "جامعہ" کی وائس چانسلری کے فرائض ابنِ کلس کے سپرد کئے تھے۔ یہ ۳۷۸ھ کے آخر کا واقعہ ہے۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

وزارت عہد حاکم اور مستنصر میں

حاکم (۳۸۶-۴۱۱ھ) کے ابتدائی دور میں علیٰی بن نسطورس وزارت کے منصب سے معزول کر دیا گیا اور اس کی جگہ حسین بن عمار کا تقرر عمل میں آیا۔ اس عصر میں وزارت "وساطت" کے نام سے موسوم تھی، ابن عمار قبیلہ کتامیہ کا ایک لیڈر تھا۔ جو خانوادۂ فاطمیہ کی ایک شاخ تھا اور مصر میں ان کی سب سے بڑی پشت پناہ تھا۔ ابن عمار کے بعد خلیفہ حاکم کا استاد اور مشیر کار برجوان اس منصب پر مامور ہوا جو ۲۰ ربیع الثانی ۳۹۰ھ میں قتل کر دیا گیا تھا[1]۔

اس عظمت و جلال کے باوجود جو اس زمانہ میں وزراء کو حاصل تھی، ان کے اختیارات محدود تھے اور ان کا عزل و نصب خلیفہ کی خوشی و ناخوشی پر موقوف تھا، مگر یہ حالت فاطمیہ کے دور آخر (۴۶۵-۴۶۷ھ ، ۱۰۹۳-۱۱۷۱ء) میں قائم نہیں رہی تھی، اس عہد میں وزارت کا اقتدار عہد عباسیہ کی وزارت عظمیٰ کے اقتدار سے کسی طرح کم نہ تھا۔

خلیفہ [illegible] وزراء یحییٰ اور جعفر برمکی کے برابر تھا۔ وزیر قریباً آمر مطلق ہوتا تھا اور خلیفہ کی ہستی اس کے مقابلہ میں فرد تر تھی۔ مستنصر کے عہد میں نہایت شدید قحط پڑا تھا جو مسلسل سات برس (۴۵۷-۴۶۵ھ) تک مسلط رہا تھا اس نازک وقت میں قریباً چالیس وزارتیں یکے بعد دیگرے بدلی تھیں۔ ان روز کی وزارتوں نے مملکت کی بدبختی میں جو اضافہ کیا ہوگا اُسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں آخر میں بدر جمالی گورنر عکار اس عہدہ پر مامور ہُوا، جس کا "پیرہن وزارت" خلافت کے اقتدار کے لئے "کفن" ثابت ہوا۔ اس وقت سے وزارت کا اثر و اقتدار بہت بڑھ گیا، اور خلیفہ کی شخصیت کا خاتمہ ہو گیا، خلیفہ کا عزل و نصب تک وزیر کے اختیار میں تھا، وزیر اعظم نہایت کمزور ارادہ کا خلیفہ منتخب کرتا تھا جو وزیر اعظم کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی رہتا تھا افضل بن بدر جمالی اس عہد کا سب سے ممتاز اور آمر مطلق وزیر اعظم گذرا ہے۔ فوج، مالیات اور حکومت کے دوسرے اہم شعبوں پر اس کی آمرانہ فرماں روائی تھی۔ اس کا قصر حکومت کے نظم و نسق کا محور تھا۔ بے محل نہ ہوگا اگر ہم اس ممتاز شخصیت کا ایک اجمالی تذکرہ کر دیں۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

---

[1] دیکھئے: الاشارة الی من نال الوزارة (ابن منجب) ص ۲۷

افضل بن بدر جمالی خلفائے فاطمیہ نے جب سے ترکوں، سوڈانیوں اور آرمینوں، اور صقالیوں کو حکومت کے نظم و نسق میں دخیل کر لیا تھا، اس وقت سے ان طبقوں میں باہمی رقیبانہ کشمکش پیدا ہو گئی تھی اور ایک خوفناک داخلی فتنہ اُٹھ کھڑا ہوا تھا، خلیفہ مستنصر باللہ، فاطمی کے عہد میں ان "رقابتوں" نے نازک صورت اختیار کر لی تھی، اس وقت خوش قسمتی سے بدر جمالی گورنر عکار نے فاطمیوں کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو ایک ہوشیار امیر البحر کی طرح اس بھنور سے بچا لیا تھا، بدر جمالی ۴۶۵ھ میں وزیر اعظم ہوا اور تادم آخر اس عہدہ پر مامور رہا، خلیفہ مستنصر کے آخری زمانہ میں اس نے وفات پائی تھی، اس کی جگہ اس کا بیٹا شاہنشاہ افضل وزیر اعظم ہوا جو نہایت سرعت سے حکومت کی مشینری پر چھا گیا اور خلیفہ کی حیثیت اس کے مقابلہ میں ایک عضو معطل سے زیادہ نہ رہی، وزیر اعظم کا سیف و قلم (فوج اور نظم و نسق) پر آمرانہ اقتدار تھا۔ اس زمانہ میں وزیر اعظم کی اقتصادی خوش حالی میں بھی غیر معمولی اضافہ ہو [illegible]

UNREGISTERED VERSION

مستنصر کی وفات کے بعد افضل بن بدر جمالی سیاہ و سفید کا مالک تھا، اس وقت اس نے ولی عہد خلافت نزار کو معزول کر دیا اور اس کی جگہ اس کے بھائی مستعلی کو تخت خلافت پر بٹھا دیا۔ عرب مورخین کا بیان ہے کہ یہ اس کینہ کا عملی اظہار تھا جو نزار کی طرف سے اس کے دل میں مدت سے بیٹھا ہوا تھا، واقعہ یہ تھا کہ ایک دفعہ افضل قصر مستنصر کے دروازہ کے اندر خچر پر سوار ہو کر داخل ہو گیا، نزار کو یہ جسارت ناگوار گذری اور اس نے نہایت حقارت سے اس سے کہا: "او ارمنی! نجس کہیں کے اُتر" افضل اس وقت تو مصلحت وقت سے خاموش ہو گیا مگر اس کے دل میں کینہ بیٹھ گیا۔ مستنصر کی وفات کے بعد اسے انتقام کا موقع ملا اور اس نے اسے معزول کر کے مستعلی کو خلافت کے لئے منتخب کر لیا۔ نزار نے جب دیکھا کہ خلافت اس کے ہاتھوں سے جاتی رہی تو وہ اسکندریہ چلا گیا۔ وہاں کے گورنر نے اس کی بہت آؤ بھگت کی اور گورنر اسکندریہ اور اہل اسکندریہ نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور "مصطفیٰ لدین اللہ" لقب دیا۔ افضل کو اس کی اطلاع ہوئی تو ایک زبردست فوج لے کر اسکندریہ پر چڑھائی کر دی۔ ابتداء میں افضل کو کامیابی نہیں ہوئی اور اسے قاہرہ واپس

www.avs4you.com

لوٹنا پڑا، یہاں مزید تیاریاں کیں پھر دوبارہ نزار پر چڑھائی کر دی۔ اس دفعہ نزار کو شکست ہوئی اور وہ "امان" کی درخواست کرنے پر مجبور ہوا۔ افضل نے نزار کو دو دیواروں کے درمیان زندہ چنوا دیا۔ یہ "امان" کی التجا کا جواب تھا۔

افضل علم دوست انسان تھا، مرنے کے بعد اس نے ایک کتب خانہ چھوڑا، جسمیں مختلف علوم وفنون کی پانچ لاکھ مجلد کتابیں موجود تھیں، یہ شعراء، علماء اور اہلِ قلم کا قدر دان تھا اور دوسری بہت سی خوبیوں کا حامل تھا، اس کے پاس بے شمار دولت تھی۔ (۵۰۱ھ۔ ۱۱۰۷ء) میں صرفِ کثیر سے ایک شاندار محل تعمیر کرایا اس کے لئے بیش قیمت فرنیچر اور سامانِ آرائش کے علاوہ نہایت اعلیٰ قسم کے آلات اور نادر اشیاء کا ایک بہت بڑا ذخیرہ فراہم کیا تھا، اس سے اس کی خوش مذاقی اور فنی ذوق کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ افضل نے حکومت کے دفاتر اپنے محل میں منتقل کرائے تھے، اس میں ہر شعبہ کے لئے ایک وسیع کمرہ تھا۔ یہاں ایک کمرہ مجلس [illegible] بیٹھتا تھا اور اپنے ہاتھ سے ہر مصیبت زدہ اور مفلس شخص کو ایک ایک دینار عطا کرتا تھا۔ "مجلس عطار" میں اس مقصد کے لئے آٹھ تھیلیاں روزانہ رکھی جاتی تھیں۔ جن میں پینتیس ہزار دینار ہوتے تھے، دو تھیلیاں زنان خانہ میں رکھی رہتی تھیں، ایک میں دینار ہوتے تھے دوسری میں درہم، مقصد یہ تھا کہ کسی وقت عطاء سے ہاتھ خالی نہ رہے۔

اس وقت افضل کی حیثیت آمرانہ تھی اس کے قبضہ میں خراج کا محکمہ تھا اسی کے قصر میں گورنمنٹ قائم تھی، تمام حکومت کا نظم وضبط اسی کے زیرِ اقتدار تھا۔ مستعلی کی حیثیت اس کے سامنے ایک بے دست وپا انسان کی تھی، حکومت کے نظم ونسق میں اس کا مطلق اثر نہ تھا۔ وزیرِ اعظم کی جنبشِ لب سے حکومت کی مشینری حرکت کرتی تھی۔ خلیفہ آمر (۴۹۵۔ ۵۲۴ھ) کے عہد تک اسی شان وشوکت کے ساتھ وہ ڈکٹیٹر رہا، آمر کے عہد میں اسے قتل کر دیا گیا۔ یہ عید کی صبح کا واقعہ ہے، خلیفہ کے حکم سے اس کی دولت خزانۂ خلافت میں منتقل کر دی گئی۔ اس دولت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ منشیوں کی ایک بہت بڑی تعداد دو ماہ کی مسلسل محنت کے بعد اس کا گوشوارہ مرتب کر سکی تھی۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

افضل رعایا اور تاجروں کے ساتھ نہایت رواداری اور شرافت کا برتاؤ کرتا تھا۔ اس کے دروازے سے کبھی کوئی محروم واپس نہ ہُوا، وہ اپنے مخالفوں سے عموماً عالی ظرفی کا معاملہ کرتا تھا اسکندریہ میں ایک یہودی اُسے ہمیشہ سب و شتم کرتا تھا۔ افضل جب اسکندریہ گیا تو اُس نے اُسے گرفتار کر لیا۔ یہودی ڈر کر کہنے لگا "میرے پاس پانچ لاکھ درہم ہیں۔ انہیں لے لیجئے اور مجھے چھوڑ دیجئے۔" افضل نے جواب دیا: "لوگ کہیں گے میں نے دینار کے لالچ میں تجھے قتل کر دیا اس لئے چھوڑتا ہوں، ورنہ کبھی نہ چھوڑتا۔

افضل نے لاوارثی مال کے حفظ و اہتمام کے لئے ایک علیحدہ شعبہ قائم کیا تھا۔ جب کبھی کوئی وارث وراثت کا دعویٰ کرتا اور قاضی کو اطمینان ہو جاتا کہ واقعی یہ وارث ہے۔ تو فوراً اُسے ورثہ دیدیا جاتا تھا اس سے قبل اس مال کو خزانہ میں داخل کر دیا جاتا تھا۔[1]

خلیفہ عاضد فاطمی (۵۵۵-۵۶۷ھ) کے آخری زمانہ میں افضل بن بدر جمالی کے قتل کے بعد [illegible] کر دی اور اس کا بھتیجہ صلاح الدین یوسف بن ایوب وزارت پر فائز ہُوا۔ اس نے خلافتِ فاطمیہ کے بے روح لاشہ کو دفنا دیا تھا اور اس کی ہڈیوں پر دولتِ ایوبیہ کی تعمیر کی تھی۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

وزارت مملوکوں کے عہد میں

مملوکوں کے عہد میں سب سے پہلے سلطان بیبرس نے وزارت کی بنا رکھی اس نے اپنا ایک وزیر مقرر کیا جو امورِ حکومت میں اس کا مشیر کار تھا، یہ وزیر سلطان اور رعایا کے درمیان واسطہ تھا اس کا فرض سلطان کے احکامات کو عمل میں لانا اور ضرورت کے وقت اُسے مشورہ دینا تھا، اس کے لئے خود مختاری اور اپنا اقتدار قائم کرنے کا کوئی موقع نہ تھا۔ سلطان اپنی غیر موجودگی میں اپنا قائم مقام کر دیتا۔ اسے بیبرس کی عدم موجودگی میں اس کے اختیارات حاصل تھے۔[2] سفر میں سلطان کیساتھ ایک دوسرا وزیر ہوتا تھا جسے "وزیر الصحبۃ" کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا، محمد بن قلاوون، (۱۲۹۰-۱۳۴۱ء) کے عہد تک وزارت کا یہ نظام قائم رہا۔ ابن قلاوون نے وزارت کا منصب ختم کر دیا اور اپنے ناظرِ خاصہ (پرائیویٹ سکریٹری) کو اس کی ذمہ داریاں سونپ دی تھیں اس عہدہ کی حیثیت وزارت سے کم تھی۔

---

[1] تاریخ مصر (ابن میسر) ص ۵۸-۵۹۔ [2] دیکھئے تفصیل صبح الاعشیٰ۔ ج ۴ ص ۱۶، ۱۷

مملوکوں نے وزارت کی اہمیت اور استقلال کا خاتمہ کر دیا تھا اور اُسے کبھی پنپنے کا موقع نہ دیا چنانچہ کبھی اس منصب پر کسی شخص کو مامور کر دیا اور کبھی اس عہدہ کو توڑ دیا اور اس کی ذمہ داریاں "ناظر حکومت" یا "ناظر خاص" (پرائیویٹ سکرٹری) کے سپرد کر دیں۔ غالباً مملوکوں کو یہ اندیشہ تھا کہ وزراء کا اقتدار بڑھ کر کہیں حکومت پر نہ چھا جائے۔ عباسیہ اور فاطمیہ کے آخری زمانہ کا تلخ تجربہ ان کے سامنے تھا[1]

مملوکوں نے عہدِ ماضی کے تلخ تجربات سے فائدہ اٹھا کر دور اندیشی کے طور پر وزارت وغیرہ کا مفہوم بدل دیا تھا، صرف حاجب اپنے مفہوم میں ضرور مستعمل رہا تھا۔ ٹیکس کے افسر کو وزیر کہا جاتا تھا اور وزیر جنگ نائب کے لفظ سے مخاطب کیا جاتا تھا[2]

وزیر کی تنخواہ وزیر کی تنخواہ کی کوئی حد مقرر نہ تھی۔ تنخواہ صرف وزیر ہی کو نہ ملتی تھی بلکہ اس کی اولاد اور بھائیوں اور رشتہ داروں کی تنخواہیں بھی مقرر تھیں، وزراء انہیں جاگیریں بدایا اور [illegible] وزیر اعظم عزیز باللہ فاطمی کی سالانہ تنخواہ ایک لاکھ [illegible] اس نے چار ہزار وہ نوجوان چھوڑے تھے جن کی تعلیم و تربیت اپنی تنخواہ سے کی تھی۔ یعقوب بن کلس نے چار ہزار دینار کے بیش قیمت جواہرات اور پانچ لاکھ کے دوسرے سکے چھوڑے تھے۔ اس کے ماسوا اور بہت سا ساز و سامان تھا۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

افضل بن بدر جمالی نہایت متمول وزیر اعظم تھا۔ ۵۱۵ھ میں اس نے جو محل بنوایا تھا، اس میں چھ ملین سونے کے دینار اور تین ملین چاندی نقد محفوظ تھی۔ محل کے دس کمروں میں دس دس سونے کے گاڈر لگے تھے، ہر گاڈر کا وزن دو سو مثقال (۱ مثقال = ۴½ ماشہ) تھا اس کے علاوہ اس کے پاس کثرت سے گائیں، بھینسیں، بکریاں اور اونٹ وغیرہ تھے جن کی سالانہ آمدنی چالیس لاکھ دینار سے زیادہ تھی۔

یحییٰ بن ہبیرہ وزیر مقتفی عباسی (۵۳۰-۵۵۵ھ) کی سالانہ تنخواہ ایک لاکھ دینار تھی[3]

---

[1] الظاہر بیبرس (محمد جمال الدین سرور) ص ۱۳۲ [2] مقدمہ ابن خلدون ص ۲۰۸ [3] الفخری ص ۲۷۶

کتابت

کاتب | وزارت کی ذمہ داریاں امتدادِ زمانہ سے اس قدر بڑھ گئی تھیں کہ انہیں انجام دینا تنہا وزیر کے امکان سے باہر تھا۔ اس لئے مختلف محکموں کی نگرانی اور انتظام کے لئے چند دوسرے عہدے قائم کئے گئے تھے ان میں "کاتب" (فارن سکرٹری) کا عہدہ سب سے بڑا تھا۔

مملکت کے نظم و نسق کا دائرہ عمل حسب ذیل چار امور تک محدود تھا۔

(۱) انتظامی کارروائیاں: اس میں شہری، فوجی اور دوسری انتظامی ذمہ داریاں داخل تھیں [illegible] تعبیر کیا جاتا تھا۔

UNREGISTERED VERSION

(۲) گورنروں [illegible] سے اطلاع دینا دوسری حکومتوں سے خط و کتابت کے فرائض انجام دینا۔ حکومت کا یہ نہایت اہم شعبہ تھا۔ اس صیغہ کے افسر کو "کاتب" کہا جاتا تھا۔

www.avs4you.com

(۳) مالیات کا نظم و نسق، آمد و صرف کا جائزہ اور بجٹ میں صحیح توازن کا خیال۔ یہ ذمہ داریاں ایک مستقل افسر کے سپرد تھیں، اسے افسر مال یا وزیرِ مالیات کہا جاتا تھا۔

(۴) اربابِ حاجت کے ازدحام کو روکنے اور ان میں نظم و ضبط قائم رکھنے اور تہذیب و ادب سے انہیں سلطان کے حضور میں پیش کرنے کے لئے باقاعدہ ایک نظام قائم تھا اس نظام کے افسر کو حاجب کہا جاتا تھا، یہ دروازہ پر مامور ہوتا تھا، اس کی اجازت کے بغیر کوئی خلیفہ کے حضور میں پیش نہیں ہو سکتا تھا۔[1]

کتابت، خلافتِ راشدہ میں

جزیرۂ عرب کا سوادِ اعظم طبقہ نوشت و خواند سے ناواقف تھا، خلیفہ کسی اچھے خط والے

[1] مقدمہ ابن خلدون۔ ص ۲۰۵۔

کو اپنا کاتب مقرر کرلیتا تھا، جو نہایت بلیغ عبارت میں اس کے مفہوم کو ادا کردیتا تھا۔ صدر اسلام میں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت زید بن ثابت اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہم) ممتاز کاتب گزرے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ بزرگ قرآن اور ان خطوط کی کتابت پر مامور تھے جو آپؐ ملوک اور امراء کے نام لکھواتے تھے، اس عہدہ کے فرائض وقتاً فوقتاً حضرت عثمانؓ، سعد بن عاصؓ اور مغیرہ بن شعبہؓ بھی انجام دیا کرتے تھے، حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں اس منصب پر حضرت عثمانؓ مامور تھے، حضرت عمرؓ نے زید بن ثابتؓ اور حضرت عبداللہ بن ارقمؓ کا اس عہدہ پر تقرر کیا تھا۔ حضرت عثمانؓ کے کاتب مروان بن حکمؓ تھے اور حضرت علیؓ کے زمانہ میں عبداللہ بن ابی رافعؓ اس عہدہ پر فائز تھے۔[1]

کتابت عہدِ بنی اُمیہ

خلافتِ بنی اُمیہ کا جب قیام ہوا تو سلطنت کے مختلف صیغوں کیلئے پانچ اور [illegible] فوجی معاملات، پولیس کے لئے ہدایات اور قاضی کے لئے ایک ایک مستقل کاتب کا تقرر کیا گیا۔ مرتبہ کے لحاظ رسل و رسائل کے کاتب [illegible] اپنے کسی قریبی عزیز یا کسی معتمد خاص کو مامور کرتے تھے۔ عہد عباسیہ میں بھی خلفا کا یہی معمول رہا۔[2]

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

محکمۂ رسائل یا دیوانی رسائل دولتِ عباسیہ میں بہت اہم محکمہ تھا، اس محکمہ کا افسر قریب قریب وزیر اعظم کے ہم رتبہ ہوتا تھا، اس کے فرائض میں قوانین کی تشہیر اور ان کا نفاذ، سیاسی خطوط کی تحریر اور دوسری اہم ذمہ داریاں داخل تھیں۔ اس کا فرض تھا کہ خلیفہ کو اطمینان کرا دینے یا دکھا دینے کے بعد مہرِ خلافت ثبت کرے، یہ کاتب سرکاری خطوط کے جوابات ریکارڈ آفس میں اپنی مہر ثبت کرنے کے بعد حفاظت سے رکھ دیتا تھا۔ عدالت میں اس کی نشست خلیفہ کے قریب ہوتی تھی، یہ مدعی و مدعا علیہ کے بیانات اور ان کے بارے میں خلیفہ کے فیصلہ جات تحریر کرتا اور ان پر مہر خلافت ثبت کرتا تھا۔ اس کے فرائض میں یہ بھی داخل تھا کہ خلیفہ کے فیصلہ کی نقل لکھ کر دیدے اور اصل کو ریکارڈ آفس میں حفاظت کے ساتھ امانت رکھ دے، اس عہدہ کے لئے خلیفہ معزز خاندان کی بلند پایہ ادیب شخصیت کو مامور کرتا تھا، جو وسعتِ معلومات اور پاکیزہ طرز نگارش

[1] کتاب الوزراء والکتاب (جہشیاری) ص ۱۲، ۱۴، ۲۳ [2] مقدمہ ابن خلدون، ص ۲۰۵ - ۲۰۶

کے لحاظ سے غیر معمولی شہرت کا مالک ہوتا تھا۔ خلفاء اس کے بے حد خواہشمند تھے کہ ان کے مافی الضمیر کو نہایت بلیغ اور پاکیزہ انداز میں ظاہر کیا جائے۔

یہ کاتب خلیفہ کی طرف سے امراء اور سلاطین سے خط و کتابت کرتے تھے۔ یہ اہم ذمہ داری کبھی خود خلیفہ انجام دیتا تھا اور کبھی وزیر اعظم کے بھی حوالہ کر دیتا تھا۔

عباسیہ کے دور عروج میں کاتبوں کی ایک بہت بڑی تعداد گزری ہے، جن کی مثال زمانہ کبھی پیدا نہ کر سکا۔ ان میں یحییٰ بن خالد برمکی اور فضل بن ربیع (عہد ہارون میں) فضل، حسن اور احمد بن یوسف (عہد مامون میں)، محمد بن عبد الملک زیات، حسن بن وہب اور احمد بن مدبر (عہد معتصم اور واثق میں) غیر معمولی شہرت رکھتے ہیں۔[1]

کتابت عہد طولون میں

اخشیدیوں سے قبل مصر میں وزارت کا منصب قائم نہ تھا گورنر وزارت کی خدمات کاتبوں سے لیا کرتے تھے، احمد بن طولون نے احمد بن محمد واسطی کو اپنا کاتب [illegible] جب واسطی سامرا بھیج دیا گیا تو اس کی جگہ ایک مصری جعفر بن عبد الغفار کو اپنا کاتب مقرر کیا مگر تجربہ سے جب وہ اس کا اہل ثابت نہ ہوا تو احمد بن خاقان نے ابن طولون کو مشورہ دیا کہ اسے سبکدوش کر دیا جائے مگر احمد بن طولون کی سیاسی پالیسی یہ تھی کہ اس منصب پہ کوئی مصری ہی مامور کیا جائے اور اس وقت اس کی نگاہ میں کوئی دوسرا مصری نہ تھا۔ اس لئے اس نے اس مشورہ کو در خور التفات نہیں خیال کیا۔[1] ابن طولون کا ایک مقصد اس پالیسی سے مصریوں کی تالیف قلوب تھا، دوسرے اس کا بنیادی خیال تھا کہ ایک مصری اپنے بلاد کے طبعی حالات سے زیادہ واقف ہوگا اور اسے ملک کی فلاح و بہبود کا جتنا خیال ہو سکتا ہے اتنا کسی غیر مصری کو نہیں ہو سکتا۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

ابن طولون کا ایک پرائیویٹ سکرٹری اور ایک فارن سکرٹری تھا فارن سکرٹری کا فرض یہ تھا کہ خلیفہ کی طرف سے سلاطین اور امراء کے خطوط کے جوابات دیدے اور ضرورت کے وقت ان کے پاس خطوط روانہ کرے۔

---

[1] سیرت احمد بن طولون (ابن دایہ) ص ۶۵

کتابت عہد فاطمیہ میں

فاطمیہ کے عہد میں کتابت کا منصب قریب قریب وزارت کے ہمپایہ تھا اس معزز عہدہ پر نہایت معتمد قابل اور غیر معمولی سیاسی صلاحیتیں رکھنے والے فرد کو مامور کیا جاتا تھا۔ اس وقت یہ منصب وزارت کے لئے پہلا قدم شمار ہوتا تھا۔

خلیفہ فاطمی معز الدین نے جوہر صقلی کو ۳۵۸ھ میں اپنا کاتب مقرر کیا تھا۔ یہ نہایت بلند پایہ ادیب اور اہل قلم تھا۔ سیرت کی پاکیزگی میں اس کی نظیر ملنا دشوار تھی۔ جب فاطمیوں نے وزارت کا منصب اڑا دیا تھا اس وقت اس کے فرائض کاتب ہی انجام دیتا تھا۔ اسے عموماً "صاحب الوساطہ" کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔

عہد فاطمیہ میں فارن سکریٹری کی تنخواہ ماہانہ ڈیڑھ سو دینار (۷۵۰ روپیہ) تھی اور اس کے محکمہ کے [illegible] مرتبہ کے لحاظ سے صاحب قلم [illegible] الدقیق قریباً فارن سکریٹری کے ہم رتبہ ہوتا تھا۔ [illegible] اس کے سپرد تھے۔ خلیفہ سے [illegible] اصل تھا وہاں یہ خلیفہ سے قرآن کے معانی اور تفسیر پر مذاکرہ کرتا، انبیاء خلفاء اور بڑے آدمیوں کی سیرت بیان کرتا، مکارم اخلاق پر گفتگو کرتا اور خوش خطی کی اسے تعلیم دیتا، اس کی ماہانہ تنخواہ سو دینار (۵۰۰ روپیہ) تھی جب یہ بیٹھتا تو اپنے سامنے دوات رکھ لیتا جس پر سونے چاندی کی گلکاری ہوتی تھی، جب مجلس ختم ہوتی تو خلیفہ اس دوات میں دس دینار ڈال دیتا یہ اس کا حق ہوتا تھا۔ اور تین مثقال (ایک تولہ ۵ ماشہ) ایک کاغذ میں مشک و عنبر ہوتا تھا یہ اس لئے تھا کہ آئندہ نشست کے موقع پر خلیفہ کے تشریف فرما ہونے سے قبل اسے سلگا دیا جائے۔ فاطمیوں کے آخری دور میں جب وزیر کا اقتدار بہت بڑھ گیا تھا اور وہ "صاحب قلم و سیف" ہوتا تھا، اس وقت اس کے ایک پہلو میں صاحب قلم الدقیق (پرائیویٹ سکریٹری) کی جگہ بیٹھتا تھا اور وزیر اعظم کے دستخط کے نیچے یہ بھی اپنے دستخط کرتا تھا۔ عدالت میں پیش ہونے سے قبل کاغذات کی جانچ پڑتال کرنے کا وہ مجاز تھا کہ عدالت کے کاغذات صاحب قلم الدقیق کے قریب قریب رتبہ کا صاحب قلم الجلیل ہوتا تھا۔ اس کا فرض تھا کہ عدالت کے کاغذات صاحب قلم الدقیق سے لے کر صیغہ قانون میں جن کو ذمہ داری سے اور نہایت ایمانداری سے انہیں خلیفہ کی خدمت میں تصدیق کے لئے

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

پیش کرتا رہے، یہ کاتب عموماً اس نفوس میں سے منتخب کیے جاتے تھے، جن کی ادبی اہلیت کی وسعت اور فنِ انشار میں قدرت کی غیر معمولی شہرت ہوتی تھی۔

فاطمیوں کے عہد میں قضاعی (۴۵۴ھ، ۱۰۶۲ء) غیر معمولی ترقی کر کے شاہی کاتب کے منصب پر فائز ہو گیا تھا۔ خلیفہ آمر کے عہد میں ابن منجب صیرفی دیوان رسائل کے منصب پر مامور کیا گیا تھا، یہ ممتاز ادیب اور مورخ تھا۔

ایوبیوں کے عہد میں قاضی فاضل عبدالرحیم بیسانی (۵۹٦ھ، ۱۱۹۹ء) مشہور کاتب گذرا ہے، یہ صلاح الدین ایوبی کے زمانہ میں منصبِ وزارت پر فائز ہو گیا تھا۔ خوش قسمتی سے اس کے دو بیٹے بھی وزارت پر مامور کئے گئے تھے۔

کتابت مملوکوں کے عہد میں

مملوکوں کے عہد میں سب سے بڑا عہدیدار سکرٹری یا صاحبِ انشار ہوتا تھا۔ دیوانِ انشار کی ترکیب کاتبوں کے دو طبقوں [illegible] ہوتی تھی، ایک طبقہ کو [illegible] سلطان کے سامنے بیٹھتے تھے۔ اور ان کا افسر واقعات و معاملات سلطان کے سامنے پیش کرتا تھا۔ دوسرے طبقہ کے کاتبوں کو "کتاب الدّرج" کہتے تھے۔ کہنے کی وجہ یہ تھی، کہ یہ خطوط اور فرامین کو ایک مستطیل ورق پر لکھتے تھے، جس میں چند جوڑ ہوتے تھے۔ ان کا کام یہ ہوتا تھا کہ وہ ان خطوط اور دستاویزوں کی نقلیں لے لیں۔ جنہیں صاحبِ انشار اور "کتابِ دست" نے مرتب کیا تھا۔ ان کی تعداد کتاب الدست کے اعتبار سے گھٹتی بڑھتی رہتی تھی[1]

دیوانِ انشار کا افسر ظاہر بیبرس کے عہد میں فخرالدین[2] بن لقمان تھا۔ یہ فنِ انشار کا ماہر اور غیر معمولی معلومات کا حامل شخص تھا۔ یہ خارجی ممالک سے آئے ہوئے خطوط کو سلطان کے سامنے بحث و تبصرہ کے لئے پیش کرتا تھا اور سلطان کی طرف سے جواب لکھتا تھا[3] اس دیوان کے افسر کو "صاحب دیوانِ انشار" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا مگر

---

[1] صبح الاعشیٰ ج ۱ - ص ۱۲۷، ۱۲۸ [2] حسن المحاضرہ - ج ۲ ص ۱۲۱

[3] الخطط (للمقریزی) ج ۲ ص ۱۳٦

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

جب قاضی فتح الدین قلاوون کے عہد حکومت میں اس عہدہ پر مامور ہوا اس وقت سے صاحب دیوان الانشاء کو کاتب سر یا پرائیویٹ سکرٹری کہنے لگے تھے اور آخر عہد ممالیک تک یہی لقب رہا تھا۔[1]

یہ دیوان عہدِ حاضر کی وزارتِ خارجہ کے ہم معنی تھا، اس کے فرائض اور طریقۂ کار بالکل عہد جدید کی وزارتِ خارجہ کی طرح تھا۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

[1] صبح الاعشیٰ۔ ج ۱ ص ۱۰۴۔

حجابت

خلافتِ راشدہ اور بنی اُمیہ میں

خلفاء راشدینؓ نے ملاقات کی عام اجازت دے رکھی تھی۔ چنانچہ ہر شخص بے تکلف ان کے پاس جا سکتا تھا اور کسی قسم کی روک ٹوک نہ تھی، حضرت امیر معاویہؓ نے سب سے پہلے دروازہ پر حاجب مقرر کئے یہ خارجیوں کی ان شرارتوں کے بعد کیا گیا تھا جو ان شریروں نے حضرت علیؓ، امیر معاویہؓ اور عمرو بن عاصؓ کے ساتھ کی تھیں۔ حاجب رکھنے کا اہم مقصد دشمنوں کے شر سے بچنا تھا، دوسری غرض یہ بھی تھی کہ دروازوں پر بھیڑ نہ ہونے پائے جس کی وجہ سے امور [illegible] انجام [illegible] میں [illegible] پیدا ہ[illegible] ملاقات کے خواہشمندوں کو دھکے نہیں دیا جاتا تھا یہ آئین شریعت کے خلاف سمجھا جاتا تھا جب خلافت ملوکیت میں تبدیل ہو گئی اور شاہی رسوم اور القاب کا رواج ہوا، تو سب سے پہلے تبدیلی سلطنت میں یہ کی گئی کہ بابِ خلافت پر جاہ و جلال کا مظاہرہ کیا گیا، خلیفہ کے پاس براہِ راست عام لوگوں کو جانے سے روکا گیا۔ سب سے بڑی وجہ اس کی یہ تھی کہ خلفاء کو خوارج وغیرہ کی طرف سے ہر لمحہ اندیشہ رہتا تھا، جب سے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ۔ امیر معاویہؓ، عمرو بن عاصؓ وغیرہ کے ساتھ حادثات پیش آئے تھے۔ اُس وقت سے یہ اندیشہ اور بڑھ گیا تھا، دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ خلیفہ کے پاس ایک مجمع سا لگ جانے کی وجہ سے حکومت کے اہم اُمور انجام دینے میں بھی خلل واقع ہوتا تھا۔ اس لئے انہوں نے بابِ خلافت پر "حاجب" مقرر کر دیئے تھے[۱]

حاجب اعلیٰ عہدہ دار ہوتا تھا وہ عہد جدید کے "امین الامناء" کے ہم پایہ تھا، اس کا شمار امراءِ دولت میں تھا، اس کا منصبی فرض یہ تھا کہ وہ خلیفہ کے پاس حاضر ہو کر ملاقات کرنے

[۱] مقدمہ ابن خلدون۔ ص ۲۰۶

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

والے کے نام، مرتبہ، پورے حالات اور ان کی ضرورت سے خلیفہ کو اطلاع دے اور خلیفہ کی اجازت سے اس کی خدمت میں حاضر کردے، اگر ملاقات کرنے والے زیادہ ہوتے تو ضرورت کی اہمیت کا لحاظ کرکے انہیں خلیفہ کی خدمت میں باریابی کا موقع دیتا تھا۔ عبدالملک بن مروان نے جب حاجب مقرر کیا تھا تو اُسے ہدایت کردی تھی "موذن، ڈاکیہ اور کھانے کے لئے بلانے والے کو کبھی میرے پاس آنے سے نہ روکنا" وہ ہر وقت بلاتکلف داخل ہو سکتے ہیں [1]۔ عبدالملک بن مروان نے اپنے بھائی عبدالعزیز بن مروان گورنر مصر کو نصیحت کی تھی۔ دیکھو! حاجب کے فرائض اپنے اہل ترین آدمی کے سپرد کرنا۔ وہ تمہاری زبان اور دل و دماغ ہے اسے ہدایت کرنا وہ ملاقات کے خواہشمند کے مرتبہ، پورے حالات اور ضرورت کی اہمیت سے پہلے آگاہ کرے، اس کے بعد اگر تم ضرورت سمجھو تو بلالو ورنہ واپس کردو [2]۔

UNREGISTERED VERSION

عہد عباسیہ [illegible]

عباسی خلفاء نے [illegible] غیر معمولی ضرورت کے وقت
www.avs4you.com
ملاقات کرتے تھے، باب خلافت کے "حجاب" کا معمول تھا کہ بڑے لوگوں کو "دار خاص" اور عام لوگوں کو "دار عام" میں بٹھا دیتے تھے اور باری باری سے باریاب کرتے تھے۔ بڑے چھوٹے میں امتیاز کرنا حاجبوں کا کام تھا۔ بڑے آدمیوں کے بعد چھوٹے آدمیوں کی باری آتی تھی۔ یہ بیان کرنے کی غالباً ضرورت نہیں۔ ابن خلدون نے اسے "حجاب ثانی" سے تعبیر کیا ہے خلافت عباسیہ کے دور انحطاط میں ایک اور "حجاب ثالث" حائل ہو گیا تھا، جو دو پہلے حجابوں سے زیادہ شدید تھا اور وہ وزیراعظم تھا جو خلیفہ اور ارباب حاجت کے درمیان خلیج کی طرح حائل تھا اور من مانی کارروائیاں کرتا تھا۔

عہد عباسیہ میں تہذیب کی ترقی کے ساتھ ساتھ حاجب کا مرتبہ بڑھتا گیا، خلیفہ اکثر اوقات امور سلطنت میں ان سے مشورہ لیا کرتا تھا، عہد عباسیہ کا ممتاز حاجب فضل بن ربیع تھا جس کا برامکہ کی بربادی میں بہت بڑا حصّہ تھا، اسی نے امین کو اپنے بیٹے کی ولی عہدی، اور اپنے

---

[1] مقدمہ ابن خلدون۔ ص ۲۰۷ [2] الفخری۔ فی آداب السلطانیہ۔ ص ۱۱۵

بھائی مامون کی ولی عہدی کو منسوخ کردینے پر آمادہ کیا تھا، جس کا انجام دنیا کو معلوم ہے۔ حاجب کے لئے ضروری خیال کیا جاتا تھا کہ وہ خندہ جبین ہو، اپنے آقا کا انتہائی خیر خواہ ہو، مردم شناس ہو، اپنے آقا کی طرف سے لوگوں کے دلوں میں وقعت اور اچھے لوگوں کا اعتماد پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔[1]

عہد بنی عباسیہ میں بسا اوقات حاجب امور مملکت میں دخیل رہے تھے، ان کا اقتدار تقریباً وزیر کے برابر تھا، حکموں کے افسروں کے لئے ضروری تھا کہ وہ اہم انتظامی معاملات میں ان کے مشورہ اور ان کی اجازت کے بغیر کارروائی نہ کریں۔

محمد بن یاقوت حاجب نے نظم و نسق میں دخل دے ارباب تاریخ ناواقف نہیں دیوان خراج کا نظم و انتظام بھی اسی کے اشارۂ چشم سے گردش کرتا تھا اور حکومت میں اس کا اقتدار وزیر اعظم سے کسی طرح کم نہ تھا۔[2]

UNREGISTERED VERSION

بنی امیہ اندلس کے عہد میں

www.avs4you.com

بنی اُمیہ اندلس کے عہد میں حاجبوں کا فرض خاص و عام دونوں کو سلطان کے پاس جانے سے روکنا تھا۔ وہ صرف سلطان اور وزراء کے درمیان ملاقات کا واسطہ تھے، وزراء سے کم درجہ کے لوگ سلطان سے ملاقات نہ کر سکتے تھے۔ دولت اندلس میں ان حاجبوں کی حیثیت بہت بڑھی ہوئی تھی۔ ابنِ حدید جیسے باقتدار افراد اس عہد کے حاجب گذرے ہیں، جب حکومت اندلس میں شاہنشاہیت کی شان پیدا ہو گئی اُس وقت بھی یہ منصب قائم تھا۔ جب حکومت اندلس کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔ اور اس کی جگہ چند سری حکومت قائم ہو گئی اس وقت فرمانروا اس میں ایک شان خیال کرتا تھا کہ سلطان کے تمام القاب سے اُسے خطاب کرنے کے علاوہ یہ بھی ذکر کیا جائے کہ حاجب اور "ذی الوزارتین" (وزیر اعظم، وزیر جنگ) کے منصب بھی اس نے قائم کر رکھے ہیں۔[3]

---

[1] المحاسن والمساوی دبیہقی (ج ا ص ۱۲۴) [2] تجارب الامم (ابن مسکویہ) ج ۱ ص ۳۱۸ - واقعات ۳۲۳ھ

[3] مقدمہ ابنِ خلدون - ص ۲۰۹

مصر میں

ابنِ خلدون عہدِ فاطمیہ میں "حجابت" پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے "اس کے بعد مغربی ممالک اور بلادِ افریقہ میں اس لفظ کا ذکر نہیں ملتا ہے وجہ یہ تھی کہ یہ ممالک غیر متمدن تھے۔ مصر کی مملوک حکومت کے دور میں کسی کسی فرمانروا کے زمانہ میں "حجاب" کا وجود ضرور نظر آتا ہے، ان کے عہد میں حجابت ایک ممتاز منصب تھا۔ حجاب کے اختیارات کا دائرہ عمل صرف ملاقات کرنے والوں کو سلطان کی خدمت میں پیش کر دینے تک محدود نہ تھا بلکہ وہ امراء اور فوج کے باہمی معاملات سلطان کے مشورہ سے ایک ثالث کی حیثیت سے تصفیہ کراتے تھے۔ رفتہ رفتہ ان کا اقتدار اتنا بڑھ گیا تھا کہ انہوں نے ثالث بن کر ان نوآباد مغلوں کے مسئلہ کا حل کیا تھا، جو چنگیز خاں کی سیاسی اسکیم کے تحت مصر میں آباد ہو گئے تھے۔ ۱؎

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

۱؎ خطط (مقریزی) ج ۲ ص ۲۲۰، ۲۲۱

باب دوم ۲

۱۔ شہری نظام

۲۔ دفاتر

۳۔ فوج

۴۔ بحری نظام

۵۔ ڈاک

۶۔ پولیس

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

نظم و نسق

عربوں کا نظامِ حکومت عہدِ جاہلیت میں

دورِ جاہلیت میں قبیلہ کا مفہوم افرادِ انسانی کا وہ مجموعہ تھا جو ایک خطہ پر قیام پذیر ہو، قبیلہ کا شیخ ان کا حاکم تھا سو وہ قبیلہ کے افراد کے نسب اور خون کے رشتہ کی بناء پر شیرازہ بندی کرتا تھا اور افراد کی امداد سے قبیلہ کی فلاح و بہبود میں کوشاں رہتا تھا، عربوں میں عہدِ حاضر کی حکومتوں میں سے کسی نوع کی حکومت کا وجود نہ تھا، نہ ان کے ہاں آج کی طرح عدالت کا نظام تھا، جہاں وہ جھگڑے قضیوں کا فیصلہ کرائے جاتے، نہ پولیس تھی جو امن و امان قائم رکھتی، اور نہ کوئی بڑی [illegible] عرب [illegible] کے ماتحت نہ تھے، اس لیے ٹیکس وغیرہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا [illegible] مظلوم اپنا انتقام ظالم سے خود لے لیتا تھا، اس وقت قبیلہ کا فرض ہوتا تھا کہ وہ اس کی پشت پناہی کرے اگر ظالم اپنے ظلم کی تلافی کر دیتا تو پھر اس سے انتقام لینے کا حق نہ رہتا، اگر ظالم خود مظلوم کا کوئی عزیز رشتہ دار ہوتا تو وہ تنہا اسی سے اپنا بدلہ لے لیا کرتا، قبیلہ اس وقت دخل نہ دیتا۔ شرفاء عرب اپنے ایک امیر کی قیادت میں لڑتے۔ اور امن کے زمانہ میں ان کی حیثیت ایک منظم سوسائٹی یا معاشرہ کی ہوتی تھی۔

قبیلہ میں جمہوری حکومت کا قیام تھا، قبیلہ کا شیخ خاندانوں کے سربرآوردہ اور ممتاز اشخاص کو اعلانِ جنگ کرنے، مصالحت کرنے اور قبیلہ کے نظم و نسق کے متعلق مشورہ کرنے کے لیے جمع کرتا اور اتفاقِ رائے سے جو طے ہوتا اس کے مطابق عمل درآمد کیا جاتا، ان کی یہ مجلس شوریٰ پارلیمنٹ کی حیثیت رکھتی تھی۔ قبیلہ کا کوئی لکھا ہوا دستورِ حکومت نہ تھا، صرف موروثی روایات پر ان کا نظام قائم تھا، اسی کو قانونِ حکومت کی حیثیت حاصل تھی، اس لحاظ سے عہدِ جدید کا نظامِ سلطنت اس نظام سے مختلف تھا، موجودہ زمانہ میں معمولاً مملکت کے

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

نظام کی بنیاد کسی نہ کسی دستورِ حکومت پر ہوتی ہے۔

اسلام نے عربوں کے مختلف طبقوں اور مختلف فرقوں کے افراد میں یکجہتی پیدا کر دی تھی اور اتحادِ قومی کو اتحادِ مذہبی میں تبدیل کر دیا تھا، اسلام نے آقا و غلام، امیر و غریب اور شریف و رذیل کے امتیازاتِ باطل کو مٹا دیا تھا اور عربوں کی منتشر قوت ایک ایسی "مستحکم عمارت" کی شکل میں مجتمع کر دی تھی جو اینٹوں کے باہمی سہارے پر قائم ہوتی ہے۔ خدا نے اس شیرازہ بندی کو اپنا بہت بڑا احسان فرمایا ہے۔

"اے پیغمبر! خدا ہی کی ذات ہے۔ جس نے اپنی مددگاری سے مومنوں کی جماعت سے تیری تائید کی اور وُہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں باہمی الفت پیدا کر دی، اگر تو وہ سب کچھ خرچ کر ڈالتا جو روئے زمین میں ہے، جب بھی ان کے دلوں کو باہمی الفت سے نہ جوڑ [illegible]

UNREGISTERED VERSION

عربوں کی شیرازہ بندی میں اسلام کی مساوات اور جمہوری نظام نے بہت سہارا دیا تھا اور اس کی وجہ سے عربوں کو آپس میں ایک [illegible] کر دیا تھا۔ اسلامی جمہوریت نے ان کے قبائلی امتیازات کا جنازہ دفنا دیا تھا۔ جو ان کی شیرازہ بندی میں ایک وسیع خلیج کی طرح حائل تھے۔ قرآن نے ان باطل امتیازات کو ان الفاظ میں لغو قرار دیا۔

www.avs4you.com

ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، خاندان اور قبیلے محض امتیاز کے لئے بنا دیئے ورنہ خدا کے نزدیک سب سے زیادہ شریف وُہ ہے جو سب سے زیادہ اس سے ڈرتا ہو۔[۲]

اس خداوندی تعلیم کا اثر تھا کہ نسلی اتحاد کی جگہ مذہبی رشتہ ان کی وحدت کا سبب بنا اور مذہب نے راعی رعایا اور قوم کے افراد میں ایک مستحکم رشتہ قائم کر دیا اور ان کی حیثیت ایک مشین کے مختلف پرزوں کی سی ہو گئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت کا دائرہ عمل مذہبی معاملات تک محدود نہ تھا بلکہ اس کا دامن سیاسی امور تک وسیع تھا۔ آپ فوج کی قیادت فرماتے، جھگڑوں کا فیصلہ فرماتے زکوٰۃ وغیرہ کا مال وصول کرتے اور شرعی نقطۂ نظر سے اُسے صرف میں لاتے، آپ کی مقدس

---

[۱] آیت ۶۲، ۶۳ سورۂ انفعال [۲] آیت ۱۳۔ سورۂ حجرات

شخصیت مذہبی اور سیاسی دونوں حکومتوں کی حامل تھی، مگر سیاسی حکومت کی حیثیت ثانوی تھی، آپ کی بعثت کا حقیقی مقصد دعوتِ اسلام اور اس کی نشر و اشاعت تھی، یہی وجہ تھی کہ آپؐ دنیاوی معاملات میں بڑے بڑے مہاجرین اور انصار سے مشورہ فرماتے پھر ان کے متعلق احکام صادر فرماتے[1] لیکن مذہبی امور میں آپ کی شخصیت خود مختار تھی ان امور کے متعلق آپؐ کسی سے مشورہ نہیں فرماتے تھے۔ دنیاوی امور میں آپؐ کے مشیر کار خاص طور پر حضرت حمزہ، حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت عمار، حضرت حذیفہ، حضرت ابو ذر، حضرت مقداد اور حضرت بلال (رضی اللہ عنہم) ہوتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہری نظام کی بنیاد رکھ دی تھی، مدینہ میں اسلامی ریاست کا باقاعدہ نظام قائم تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حجاز و یمن کے بڑے بڑے شہروں اور بڑے بڑے قبیلوں میں حکام کا تقرر کیا گیا تھا۔ اس وقت ان حاکموں کے اختیارات کا دائرہ [illegible] تھا۔ اور ان کی کوئی سیاسی حیثیت نہ ہوتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ سے کسی غزوہ کے لیئے روانہ ہوتے تو مدینہ میں اپنے کسی صحابی کو اپنا قائم مقام بنا جاتے۔ وہ آپؐ کی بجائے نماز میں امامت کرتا۔ جب کسی شخص کو سپہ سالار بنا کر روانہ فرماتے تو امامت کے علاوہ انتظامی اور فوجی اختیارات بھی اس کے سپرد کر دیئے جاتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حاکموں کے انتخاب کے وقت یہ خیال رکھتے تھے کہ ان کا پایہ صلاح و تقویٰ، علم و عمل اور تفقہ اور بصیرت کے لحاظ سے بلند ہو۔ آنحضرتؐ نے سب سے پہلے عتاب بن اسید گورنر مکہ کی تنخواہ ایک درہم یومیہ مقرر فرمائی تھی۔ اس سے قبل ان حاکموں کی باقاعدہ تنخواہوں کا معمول نہ تھا۔ فتوحات اور مالِ غنیمت سے انہیں حصہ مل جاتا تھا، یہی ان کی تنخواہ خیال کی جاتی تھی۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

[1] مقدمہ ابن خلدون۔ ص ۲۰۶۔

شہری نظام

خلافتِ راشدہ میں

اسلامی ریاست کا شہری نظام روم و فارس سے قریباً ماخوذ تھا، عربوں کو علم تھا، کہ ان قوموں کا سیاسی نظام، ان کی تہذیب اور ان کا تمدن تاریخ میں امتیازی حیثیت کا حامل رہا ہے، عربوں نے بلادِ روم و فارس کو فتح کرنے کے بعد ان کے صدیوں کے نظام شہری کو درہم برہم کرنا نامناسب خیال کیا اور چند خلافِ اسلام امور میں اصلاحات کے ماسوا اور کوئی بنیادی تبدیلی نہیں کی۔ [illegible] اس لیے وہ ہر اس کام سے احتراز کرتے تھے جو فاتح و مفتوح قوم میں دوری پیدا کرے، خلافتِ راشدہ میں ریاست کا نظم و نسق مختلف اداروں میں مخصوص اختیارات و فرائض کے ساتھ تقسیم ہوا تھا۔ اس کی ابتدا عہد عباسیہ سے ہوتی ہے۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے اپنے دورِ خلافت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کئے ہوئے گورنروں کو بحال رکھا اور حکومت کے دوسرے شعبے ممتاز صحابہ کے سپرد کر دیئے چنانچہ مالیات کا شعبہ حضرت ابوعبیدہؓ اور عدالت کا محکمہ حضرت عمرؓ کے حوالہ کر دیا، اس میں آپ نے مناسبت اور تبحر کا لحاظ رکھا تھا، دوسرے مہاتِ حکومت میں آپ اصحاب رائے اور ارباب فقہ سے مشورہ لے لیا کرتے تھے، ان میں حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابی بن کعب اور حضرت زید بن ثابت (رضی اللہ عنہم) امتیازی درجہ رکھتے ہیں۔ قاضیوں کے تقرر کا اختیار اپنے صوبوں میں گورنروں کو حاصل تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں بلادِ عرب حسب ذیل صوبوں میں تقسیم تھے مکہ، مدینہ، طائف، صنعاء، حضرموت، خولان، زبید، امع، جند، نجران، جرش اور بحرین۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جب دائرۂ حکومت زیادہ وسیع ہوا تو آپ نے اسلامی ریاست کو چند بڑے بڑے صوبوں میں تقسیم کر دیا تاکہ ان کے نظم و نسق اور مالیات کے انتظام میں آسانی ہو، یہ صوبے حسب ذیل تھے۔

اہواز اور بحرین کا ایک صوبہ، سجستان، مکران اور کرمان کو ملا کر ایک صوبہ، طبرستان کا ایک صوبہ، بلادِ فارس کو تین صوبوں میں تقسیم کر دیا، عراق کے دو حصے کر دیئے، ایک کا صدر مقام کوفہ تھا۔ دوسرے کا بصرہ تھا، بلادِ شام کو بھی دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک کا مرکز حمص تھا اور دوسرے کا دمشق تھا، فلسطین ایک مستقل صوبہ تھا، افریقہ کے تین ٹکڑے کر دیے تھے، مصر کا مرتفع علاقہ، مصر کا نشیبی حصہ، مغربی مصر اور صحرائے لیبیا۔[1]

حکومتِ اسلامیہ کا شہری نظام سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے قائم کیا تھا۔ سیاسی زاویۂ نگاہ سے حضرت عمرؓ بلاد عرب میں مرکزیت اور عربوں میں ایک قومی وحدت کا احساس پیدا کرنا چاہتے [illegible] قائم کیا جائے، انہیں دوسری قوموں سے عربوں کا نسلی اختلاط گوارا نہ تھا، یہ ان کی سیاسی پالیسی تھی سید امیر علی بحج کے الفاظ میں "اگر حضرت عمرؓ کی زندگی کی مدت کچھ اور طویل ہوتی تو اُنکی غیر معمولی سیاسی صلاحیت اور بلند پایہ شخصیت عربوں میں وحدتِ قومی کا زبردست احساس پیدا کر دیتی اور وُہ ان خانہ جنگیوں میں ایک وسیع خلیج بن کر حائل ہو جاتے، جنہوں نے اسلام کی بنیادیں ہلا دی تھیں"۔[2]

حضرت عمرؓ نے ہر صوبہ پر ایک گورنر کا تقرر کیا تھا جو ان کی ہدایات کے ماتحت حکومت کرتا تھا۔ خلیفہ کو عاملہ، مقننہ اور انتظامیہ کے کلی اختیارات حاصل تھے۔

ہر صوبہ کا گورنر نماز میں امامت کراتا، جھگڑوں کا فیصلہ کرتا، جنگ میں فوج کی قیادت کرتا، مال کو جمع کرتا اور حکومت کے دوسرے اہم فرائض انجام دیتا تھا، خراج کے افسر کی اعلیٰ حیثیت تھی۔ یہ مالیات کا سب سے بڑا افسر تھا اور گورنر کے دوش بدوش حکومت کے فرائض انجام

---

[1] Sayed Ameer Ali. A. Short Histry of the Saraceus. P-60,67

[2] " " " " " " " P-57

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

دیتا تھا، گورنر نظم و نسق میں خود مختار تھا اور خراج کا افسر مالیات کے محکمہ کا مستقل حاکم تھا اس کی حیثیت گورنر کے رقیب کی تھی، چنانچہ دونوں میں اقتدار کے بارے میں ہمیشہ کشمکش رہتی تھی، حضرت عمرؓ کی یہ زبردست سیاست تھی، اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ایک دوسرے سے چوکنا تھا، مالیات کے افسر کا تقرر خلیفہ کے اختیار میں تھا۔

حضرت عمرؓ نے عرب گورنر مقرر کئے تھے ان کے جانشینوں کی پالیسی بھی یہی رہی حضرت عمرؓ کا معمول تھا کہ جب کسی کو گورنر بنا کر روانہ کرتے تو اسے رخصت کرنے کے لئے کچھ دور مدینہ کے باہر تشریف لاتے اور رخصتانہ ہدایات فرماتے "میں نے گورنر اس لئے مقرر کیا ہے کہ تم لوگوں میں نماز قائم کرو، ان کے حقوق ادا کرو، ان میں عدل و انصاف کرو۔ دیکھو عربوں کو دُرّے نہ مارنا اس کی وجہ سے ان کی وقعت کم ہو جائے گی، اور نہ انہیں نظر بند کرنا یہ اُن کے حق میں ایک فتنہ ہو گا" حضرت عمرؓ نہایت بیدار مغز خلیفہ تھے، وہ گورنروں کے حا[illegible] اپنے سامنے

UNREGISTERED VERSION

حاضر کرتے اور پوری تحقیق کے بعد منصفانہ فیصلہ فرماتے اور اس میں کسی کی رو رعایت نہ

www.avs4you.com

کرتے، جب فوج کے سپہ سالاروں کو رخصت کرتے تو انہیں خدا کے خوف اور جبر و زیادتی سے اجتناب کی نصیحت فرماتے، جنگ میں بزدلی سے غیرت دلاتے، دشمن کے ناک کان کاٹنے کی ممانعت کرتے اور لوٹ مار سے منع فرماتے۔ آپ کی سخت ممانعت تھی کہ بڈھے، عورت بچہ کو کسی حالت میں قتل نہ کیا جائے۔

حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) خلیفہ ہوئے تو آپ نے بھی حضرت عمرؓ کی سیاسی پالیسی اختیار کی۔ حضرت عثمانؓ کا سب سے پہلا جو فرمان سپہ سالاروں کے نام پہنچا تھا، اس میں یہ الفاظ تھے، عمرؓ کا دستورِ حکومت اور نظام قائم رہے گا، تم میں سے کسی کو اپنے عہدے سے نہیں ہٹایا جائے گا، حضرت عثمان کی خلافت کے آخری دور میں ان کا اقتدار اُن کے بڑھاپے کی وجہ سے کم ہو گیا تھا۔ جس کی وجہ سے صوبوں میں بغاوتیں ہوئیں اور ملک میں ایک زبردست فتنہ اُٹھا۔ جس نے انہیں شہید کر کے دم لیا، ان کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ مقرر ہوئے، آپ نے فوراً حضرت عثمانؓ کے گورنروں کو معزول کر دیا۔

خلافتِ راشدہ رضہ میں خلفاء "مجلسِ شیوخ" سے انتظامی امور اور حکومت کے نظم و نسق میں امداد لیا کرتے تھے، اس مجلس کے عناصر ترکیبی میں بڑے بڑے صحابہ رضہ اعیانِ مدینہ اور سردارانِ قبائل داخل تھے، مسجد نبوی میں اس مجلس کا اجلاس ہوتا تھا، خلیفہ اس مجلس کے مشورہ کے بغیر کسی امر کا قطعی فیصلہ نہ کرتا تھا، اسلام کا نظامِ حکومت خلافتِ راشدہ کے تیس[۳۰] سالہ دور میں بڑی حد تک جمہوری نظام سے ملتا جلتا تھا۔

مسجد کی حیثیت اسلام کے ابتدائی دور میں مسجد اجتماعی اغراض کا مرکز تھی، خلیفہ اور گورنر پنج وقتہ نماز میں مسلمانوں کی امامت کرتے اور سیاسی معاملات طے کرنے مسجد میں حاضر ہوتے اس زمانہ میں مسجد صرف عبادت گاہ نہ تھی بلکہ سیاسی اور اجتماعی زندگی کا مرکز تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں سفیروں سے ملاقات فرماتے، گورنروں کو ہدایات مسجد سے روانہ فرماتے، دنیوی معاملات میں صحابہ سے مشورہ فرماتے، سیاسی اور مذہبی تقریریں فرماتے، مسجد کے منبر پر حضرت عمر نے اپنی بصیرت سے دیکھ کر ایران میں مسلمانوں کی پسپائی کی خبر دی تھی، حضرت عثمان رضہ نے ان پر لگائے گئے الزامات کے جوابات کے لئے مسجد کے منبر کو موزوں خیال کیا تھا۔ جب، وقت خلیفہ کا انتخاب عمل میں آتا تھا اُس وقت اُسکا معمول تھا کہ مسجد کے منبر پہ کھڑے ہو کر تقریر کرے اور اپنی سیاسی پالیسی کا اعلان کرے[۱] مسجد کا یہ منبر دستوری حکومت کے تختِ شاہی کے مشابہ ہے، جس پہ کھڑے ہو کر بادشاہ تقریر کرتا ہے اور اپنی سیاسی حکمتِ عملی کا اعلان کرتا ہے۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

مسجد آغازِ اسلام سے علماء کا مرکز رہی ہے، یہ تفسیر و حدیث کی درس گاہیں، بچوں کے مکتب، مذہبی تعلیم گاہیں اور عدالت گاہیں رہیں، اُس زمانہ کی سیاست کو مذہب سے کسی طرح جُدا نہیں کیا جا سکتا ہے، اس وقت مسجد میں ان تمام امور کا اعلان کیا جاتا تھا جن کا تعلق مفادِ عامہ سے ہوتا تھا۔

مسجدوں کی اجتماعی اور سیاسی حیثیت زیادہ مدت قائم نہ رہی، خلافتِ راشدہ کے بعد خلیفہ منبر کے کام تختِ شاہی سے لینے لگا اور گورنروں اور قاضیوں نے مسجد کی جگہ اپنی اپنی

۱؎ The Calipnate. P. 36, 38.

جلوہ گاہوں کو اپنا سیاسی، اور عدالتی مرکز قرار دیا اور وہیں سے اپنے فرائض انجام دینے لگے۔ مسجد اب صرف اس لئے رہ گئی تھی کہ وہاں مذہبی تقریریں کر دی جائیں، جس میں حمد و ثنا و رود اور سلام ہوں اور اس محراب اور منبر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام اور محافظِ دین کی حیثیت سے خلیفہ کا پروپیگنڈا کیا جائے۔ جب خلیفہ کے سیاسی جاہ و جلال کا جنازہ اُٹھ گیا، اس وقت اتنا کافی تھا کہ خطبہ میں خلیفہ کا نام ذکر کر دیا جائے تاکہ رائے عامہ کو یہ غلط فہمی رہے کہ گورنر خلیفہ وقت کو امتِ مسلمہ کا سب سے بڑا سیاسی فرمانروا تسلیم کرتا ہے۔

گورنروں کے اختیارات و فرائض

خود مختار گورنروں کے اختیارات و فرائض معمولاً حسب ذیل ہوتے تھے۔

UNREGISTERED VERSION

۱۔ ایک جنرل کے فرائض و اختیارات اپنی فوج پر

۲۔ اپنے صوبہ کے حکام اور قاضیوں کے تقرر کا اعلیٰ اختیار

www.avs4you.com

۳۔ مالیات کے محکمہ کا نظم و نسق

۴۔ تحفظِ ناموسِ دین

۵۔ حدودِ اسلام اور تعزیرات کا عمل میں لانا

۶۔ امامت پنج وقتہ اور جمعہ کی نمازیں

۷۔ حاجیوں کے لئے سہولتیں مہیا کرنا۔

اگر یہ اقلیم سرحدی ہے اور دشمن کی یورش ہوتی رہتی ہے تو آٹھویں ذمہ داری، "جہاد" کی اور بڑھ جاتی تھی جہاد کے بعد مالِ غنیمت کی تقسیم وغیرہ بھی اسی کا فرض تھا۔ اگر استبدادی حکومت ہوتی اور گورنر کا تقرر خلیفہ کی طرف سے نہ کیا جاتا بلکہ وہ اپنے اثر و قوت سے اقتدار حاصل کر لیتا، اس وقت یہ گورنر اپنی سیاسی پالیسی اور تدبیرِ مملکت میں خود مختار ہوتا تھا، مگر مذہبی معاملات میں خلیفہ سے نیازمندانہ تعلق ضرور رکھتا تھا۔ ماوردی کے الفاظ میں "خود سر گورنر وہ ہے جو طاقت سے اس علاقہ پر قبضہ کر لے جو خلیفہ کے دائرہ

اقتدار میں داخل تھا اور خلیفہ مصلحتاً اس علاقہ کا نظم و نسق اور وہاں کی سیاسی فرمانروائی اُسے سونپ دے، یہ گورنر مذہبی معاملات میں خلیفہ سے اجازت لے لیتا تھا، تاکہ رائے عامہ کی نظر میں اس کی حکومت اسلامی رہے اور گورنر کا اس میں کوئی نقصان بھی نہ تھا۔[1]

یہ گورنر اپنے دائرہ عمل میں ایک خود مختار فرمانروا کی حیثیت رکھتے تھے، گورنروں کی دوسری قسم وہ تھی جن کے اختیارات و فرائض اپنے صوبہ میں تاج خلافت کی طرف سے محدود تھے اور ان کے اختیارات کا دائرہ فوج، نظم و نسق، حریم خلافت کی حمایت، ناموسِ دین کے تحفظ تک محدود تھا۔ عدالت، مالیات اور عاملہ کا اُسے کوئی اختیار حاصل نہ تھا۔

اسلام کے دورِ اوّل میں گورنر خود مختار ہوتے تھے، مگر بعد میں ان کے اختیارات محدود کر دیئے گئے تھے۔ حضرت عمرو بن عاصؓ مصر کے خود مختار گورنر تھے، فوج، عدالت اور مالیات کے محکموں پر انہیں پورا اختیار حاصل تھا۔ تھوڑی مدت کے بعد حضرت عمرؓ نے مالیات کا محکمہ [illegible] عدالت کا محکمہ بھی ان سے لے لیا گیا، اس کے بعد ان کے اختیارات کا دائرہ فوج اور نماز کی امامت تک محدود رہ گیا تھا۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

عہد بنی اُمیہ کا شہری نظام

عہد بنی اُمیہ میں اسلامی سلطنت کا دائرہ عمل بہت وسیع ہو گیا۔ انتظامی سہولتوں کے لئے اس وقت سلطنت پانچ بڑے بڑے صوبوں میں تقسیم کر دی گئی تھی۔

۱- حجاز، یمن اور عرب وسطیٰ
۲- مصر، مصر کا مرتفع حصّہ، مصر کا نشیبی علاقہ
۳- عراق عرب (بلاد بابل اور آشور قدیم) عراق عجم (بلادِ فارس) عمان و بحرین، کرمان و سجستان، کابل و خراسان، بلادِ ماوراء النہر اور سندھ، پنجاب کے بعض علاقے، یہ سب خطّے ملا کر ان کا ایک بڑا صوبہ بنا دیا گیا تھا۔ یہ گورنر عراق کے ماتحت تھا، جس کا صدر مقام کوفہ تھا۔ انتظامی آسانیوں کی غرض سے گورنر عراق کی طرف سے خراسان اور بلادِ ماوراء النہر کا ایک حاکم مقرر ہوتا تھا جو اکثر مرو میں رہتا تھا۔ بلادِ بحرین اور عمان حاکم بصرہ کے

---

[1] ماوردی۔ ص ۲۸، ۲۹ وغیرہ۔

ماتحت ہوتے تھے، جسے گورنر عراق مقرر کرتا تھا۔ سندھ اور پنجاب کے شہروں کا ایک الگ حاکم ہوتا تھا، اس کا تقرر بھی گورنر عراق کرتا تھا۔

۴۔ بلادِ الجزیرہ، آرمینیہ، آذربیجان اور ایشیائے کوچک کے چند علاقے۔

۵۔ شمالی افریقہ، اس کے حدود میں مغربی مصر، بلاد اندلس، جزائر سسلی، سرڈانیہ اور بلیار داخل تھے۔ صدر مقام قیروان تھا۔ گورنر افریقہ طنجہ، بحر روم کے جزائر اور بلادِ اندلس پر ایک حاکم مقرر کرتا تھا، جس کا دارالحکومت قرطبہ ہوتا تھا۔[1]

خلافتِ راشدہ کی طرح بنی اُمیّہ کے دور میں بھی عرب گورنر مقرر کئے جاتے تھے۔ یہ اُن کی سیاسی پالیسی تھی۔ بنی اُمیّہ نے اتنا اور اضافہ کیا کہ اس منصب جلیل پر خاندانِ خلافت سے کسی کو مامور کرتے تھے۔ بنی اُمیّہ کے آخر عہد میں خصوصاً یزید بن عبدالملک کے زمانہ میں گورنروں کو اپنے اپنے دارالحکومت میں قیام کرنا لازمی قرار دیا گیا۔ اس سے قبل کوئی گورنر دمشق میں مقیم رہتا ہو لیکن دوسری طرف افریقہ میں قیام رکھتا تھا۔ یہ گورنر اپنے اپنے قائم مقام مقرر کر دیا کرتے تھے جو زیادہ سے زیادہ آمدنی ان کی خوشنودی اور "دلچسپیوں" کے لئے پیش کرتے تھے۔ گورنر ملکی نظم و نسق میں عہدہ داروں کی بہت بڑی تعداد سے امداد لیا کرتا تھا ان میں افسر مال، قاضی اور پولیس کا افسر ممتاز عہدیدار تھے۔[2]

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

بنی اُمیّہ کا ملکی نظام امیر معاویہؓ کا مرہونِ احسان نہ تھا۔ بلکہ سچ پوچھئے تو اس کا موسس عبدالملک بن مروان تھا، جس نے شہری اور مالیات کا نظام عربوں کے نقطۂ نظر اور ان کی خاص ذہنیت کا لحاظ کر کے مرتب کیا تھا، عبدالملک رشوت سے سخت جلتا تھا اور اس کے انسداد میں اس نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ اگر کسی گورنر یا حاکم کے بارے میں اسے رشوت ستانی کا علم ہو جاتا تھا تو اُسے کبھی نہیں بخشتا تھا۔

عہد بنی اُمیّہ میں گورنر کی حکومت مطلق تھی، اسے جان و مال پر اختیار حاصل تھا۔ حجاج بن یوسف کی گورنری اس پر کافی روشنی ڈالتی ہے، حجاج کے قبضہ میں مالیات کا

۱۔ Sayed Ameer Ali, P. 187, 188.

۲۔ A. Short History of the Saraceus. P. 190.

پورا انعام تھا وہ پورا خراج وصول کرتا تھا اور خلیفہ کے پاس اُسے روانہ کرنے کی ضرورت نہیں خیال کرتا تھا۔ حجاج کے بعد بہت سے گورنر حجاج بن یوسف کے نقش قدم پر چلے تھے آخر عہد میں اموی گورنروں کی گورنری کی مدت بھی کافی طویل ہونے لگی تھی۔ مثلاً مشرق میں حجاج بن یوسف اور مصر میں عبدالعزیز بن مروان کی گورنری کو قریب قریب بیس بیس برس گذر گئے تھے، جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ ہوئے تو آپ نے پچھلے گورنروں کو برطرف کر دیا اور جدید گورنروں کو ہدایت کر دی کہ بغیر میری اجازت کے کسی کو قتل نہ کیا جائے۔

بنی اُمیہ کا ملکی نظام ہر دور میں عیوب سے معمور تھا، ہاں یزید بن ولید کے زمانہ میں اس کی حالت ضرور سخت ابتر ہو گئی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ اس نے اپنے پیش رو خلفائے کے طریقۂ کار کو ترک کر دیا تھا، بنی اُمیہ کے آخری خلیفہ مروان بن محمد نے باوجود اپنی بلند ہمتی اور شجاعت کے مہماتِ حکومت اور دشمنوں کی طرف سے بے نیازی اختیار کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملکی نظام اور ابتر ہو [illegible] گورنر اور حاکم خاندانِ خلافت سے مقرر کئے جاتے تھے یا وہ عربوں کے سربرآوردہ خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے۔ اس کا موالیوں پر بہت بُرا اثر پڑا تھا اور وہ خلافتِ امویہ کی بربادی کا سبب بنے، بنی امیہ کے زوال کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ خلفائے ملکی حالات سے بے بہرہ رہتے۔ یہ وہ وقت تھا، جب انہوں نے اپنی حرکتوں سے جنرلوں کو برانگیختہ کر دیا تھا۔ ولی عہدی کے سلسلہ میں خاندانِ اموی میں پارٹی بندی پیدا ہو گئی تھی اور ان کا خاندانی شیرازہ منتشر تھا، ان حالات میں فوجوں کو تنخواہ ملنے میں تاخیر ہوئی تو فوجوں نے اُن کے حریف عباسیوں کی پشت پناہی کی۔ انجام یہ ہوا کہ امویوں کی حکومت کا آفتاب دمشق میں غروب ہو گیا[1]

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

عہد عباسیہ کا ملکی نظام

عباسیہ کے دورِ عروج میں ملکی نظام میں مرکزیت قائم تھی، حکومت کا محور بغداد تھا، یہیں سے تمام مملکت پر فرمانروائی کی جاتی تھی، عہد اموی کے گورنر حجاج بن یوسف اور زیاد بن ربیعہ کی طرح عباسی گورنر مطلق العنان

[1] الادارة الاسلامیہ فی عز العرب (پروفیسر کرد علی)۔ ص ۱۱۹

حاکم نہ تھے، اس کی وجہ سے انہیں اپنا اقتدار بڑھانے کا بہت کم موقع ملتا تھا۔ سچ پوچھیے تو بنی اُمیہ کے خاتمہ کے بعد لامرکزیت کو مرکزیت میں اس پالیسی نے تبدیل کر دیا تھا، عہدِ عباسیہ میں عالمِ اسلامی میں اہم منصب افسرِ مالیات، محاک خانہ کا افسر اور قاضی تھے۔ دورِ عروج میں گورنروں کے اختیارات و فرائض فوج کی قیادت اور نماز میں امامت تک محدود تھے۔

جب دولتِ عباسیہ کا ضعف انحطاط بڑھ گیا تو گورنر بغداد میں قیام کو ترجیح دیتے تھے اور اپنی طرف سے صوبوں میں حاکم مقرر کر دیتے تھے جو قائم مقام کی حیثیت سے وہاں حکومت کرتے تھے۔ خلافتِ عباسیہ جب انتہائی دورِ انحطاط سے گزر رہی تھی، اس وقت مرکز کی کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر بہت سے گورنر خود مختار بن بیٹھے تھے۔ اس زمانہ میں مصر میں دولتِ طولون اور دولتِ اخشیدیہ کی بنیاد پڑی اور مشرق میں طاہریہ، صفاریہ، سامانی حکومتیں قائم ہو گئیں [illegible] اس عظیم الشان سلطنت کے اجزاء منتشر ہونا شروع ہو گئے

UNREGISTERED VERSION

منصور عباسی کی سیاسی پالیسی اور دستورِ حکومت پر عباسیوں کا ہمیشہ عمل رہا۔ اس دستور پر ان [illegible] کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کے

www.avs4you.com

بعد وجود میں آئی تھیں۔ پروفیسر نکلسن لکھتے ہیں "بغداد کو دار الخلافت کے اسباب و محرکات نے پورے نظامِ حکومت میں ایک زبردست انقلاب پیدا کر دیا تھا، جو جدید حکومت کے لئے نہایت سود مند ثابت ہُوا تھا۔ اموی حکمران عربوں کے جمہوری نظام کے علم بردار تھے، مگر عباسیوں نے اس شہنشاہی نظام کو اختیار کیا جو عام طور سے مشرق میں رائج تھا، جس سے اہلِ فارس داراَیوس اور اجنرسیس کے زمانہ سے مانوس تھے، یہی وجہ تھی کہ عباسی ان پر مطلق العنانی کے ساتھ حکومت کر سکے جس طرح ان سے پہلے ان پر آلِ ساسان کرتے تھے۔

ہارون رشید کے زمانہ تک عباسیہ کا نظامِ حکومت استبدادی یا شاہنشاہی رہا، اگرچہ محکموں کے افسروں اور خاندانِ شاہی کے ممتاز افراد سے غیر سرکاری حیثیت سے اہم معاملات میں مشورہ لے لیا جاتا تھا۔ مگر تمام قوت کا سرچشمہ فرمانروا کی ذات تھی اور مملکت کے نظم و نسق میں اس کو "اقتدارِ اعلیٰ" کی حیثیت حاصل تھی۔ اس دور میں وزیر، خلیفہ کا دا

بازو خیال کیا جاتا تھا۔ اس کے اہم فرائض و اختیارات میں گورنروں کا عزل و نصب، مالیات کا انتظام اور امورِ خارجہ کی نگرانی داخل تھی، وہ نظم و نسق میں خلیفہ کا قائم مقام ہوتا تھا۔ اور اسے فوجی اور شہری معاملات میں خلیفہ کی طرف سے کلی اختیارات حاصل تھے، خلیفہ اور ریاست کی خیر خواہی اس کا فرضِ منصبی تھا۔ وزراء کے یہ اختیارات و فرائض عباسیہ کے ابتدائی دور میں تھے۔ لیکن جب امتدادِ زمانہ نے یہ ثابت کر دیا کہ اتنی انتظامی ذمہ داریاں تنہا ایک شخص صحیح طور سے انجام نہیں دے سکتا، تو چند محکموں کا اضافہ کر دیا گیا۔ جو وزیر کو ملکی نظم و نسق اور مختلف صیغوں کی دیکھ بھال اور انتظامی امور میں سہارا دیتے۔[1]

ریاست کا نظم و نسق چند محدود قوانین کی بنیاد پر قائم تھا، جو موجودہ متمدن قوموں کے نظام سے بہت مشابہ تھا، بعض حیثیت سے وہ عہدِ جدید کے نظام سے زیادہ وسعتِ نظری کا حامل تھا، حکومتِ عثمانیہ کی طرح عباسیوں کے ہاں بھی حکومت کے تمام چھوٹے

UNREGISTERED VERSION

بڑے عہدے مسلمانوں، یہودیوں اور عیسائیوں کو بلا تفریق دیئے جاتے تھے عباسیہ اور بنی امیہ میں سب سے بڑی امتیازی خصوصیت یہی تھی۔ عباسیہ کے بعد مستقبل کی

www.avs4you.com

تمام اسلامی سلطنتوں کا یہی دستورِ عمل رہا اور اس مساوات کو انہوں نے کبھی ترک نہیں کیا۔[2]

گورنروں کو انتظامی معاملات میں خلیفہ کی طرف سے کلی اختیارات حاصل تھے، لیکن مدنی اور عدالتی اختیارات "مطلق" نہ ہوتے تھے۔ بلکہ ان پر پابندیاں لگی ہوئی تھیں، اس کا خیال رکھا جاتا تھا کہ گورنر کی میعادِ حکومت طویل نہ ہونے پائے۔ اس محدود مدت میں بھی ان کی طرف سے خطرہ پیدا ہو جاتا تھا تو فوراً معزول کر دیا جاتا تھا اور اسے نظم و نسق اور دوسرے امور کے بارے میں ایک مفصل رپورٹ پیش کرنا پڑتی تھی اور اس کی دیانتداری اور صداقت میں معمولی سا شبہ تمام املاک ضبط کر لینے کے لئے کافی تھا، منصور کے عہد میں گورنر کی حیثیت برائے نام تھی، اور خلیفہ کے اشارہ پر گردش کرتا تھا۔ عدالت کے اختیارات قاضی کے ہاتھ میں ہوتے تھے، جس کی امداد کے لئے مقامی سربرآوردہ لوگوں کی جیوری

---

[1] Sayed Ameer Ali. P. 405, 406 [2] Ibid., P. 408, 409

مقرر تھی۔ اختیارات کی اس تحدید کے باوجود بعض گورنر اس زمانہ میں بھی خود مختارانہ حیثیت سے حکومت کرتے تھے۔ اس امتیازی حیثیت میں بعض مادی اتفاقات کا دخل تھا۔[1]

خلیفہ کی حکومت "دیوانِ عزیز" کے نام سے منسوب تھی۔ یہ پہلے بھی کسی جگہ بیان کیا گیا ہے کہ وزیر اس دیوان کا نگران تھا، محکموں کے افسروں کو بھی ایک زمانہ میں وزرار کہا جاتا تھا۔ یہ وزرار وزیرِ اعظم کے ماتحت ہوتے تھے۔

معتصم اور واثق کے دور میں نظام حکومت ہارون و مامون کے زمانہ سے مختلف نہ تھا ان کے جانشینوں کے دور میں کوئی بنیادی تبدیلی نہ ہوئی اور منصور کا دستورِ حکومت قائم رہا۔ تیسری صدی ہجری کے نصف اخیر سے خلفار عباسیہ کی شان و شوکت اور جاہ و جلال کا جنازہ اٹھ چکا تھا۔ مامون کے بعد بیدار مغز اور پختہ کار خلفار کا قحط رہا اور حکومت کے نظام میں ابتری پھیلتی گئی اس انحطاط کا اہم سبب بدنظمی اور محکمۂ عدالت کا ضعف تھا اس و[illegible] تھا۔[2]

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

مصر کا نظام حکومت

حضرت عمرو بن عاص رضؓ سے خلافت فاطمیہ تک

مصر حضرت عمرو بن عاص رضؓ کے زمانہ (۲۰ھ، ۶۴۱ء) سے عہد طولون[3] (۲۵۴ھ-۲۹۲ھ، ۸۶۸ء-۹۰۵ء) تک تاجِ خلافت سے وابستہ رہا۔ اس کے بعد وہ ایک خود مختار صوبہ بن گیا تھا۔ مصر میں مسلمانوں کا نظام حکومت رومیوں کے طرز پہ قائم تھا۔ عربوں میں قدیم متمدن اقوام کے قوانین اور نظاموں کو اپنانے کی خاص صلاحیت تھی۔ مصر میں فاطمیوں کے زمانہ تک نظام میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں ہوئی۔ سلطانی مظاہر میں ضرور اضافہ ہوا، مدیریا

لہ Sayed Ameer Ali. P. 408 ۲ہ Ibid. P. 464

۳ہ الادارۃ الاسلامیہ فی عز العرب - ص ۱۶۷

محافظ اور امور یا نائب مدبر اور خولی یا مفتش زراعی اس وقت بھی اسی مفہوم میں مستعمل ہیں جس میں رومیوں کے زمانہ میں استعمال کئے جاتے تھے۔ گرافٹن ملن (GRAFTON MILNE) نے اپنی کتاب "مصر رومیوں کے عہد میں" میں وضاحت کی ہے کہ لفظ مدبر رومی لفظ Toparch کے ہم معنی ہے اور مامور Epistrategor کے فرائض انجام دیتا تھا۔ اور خولی یا مفتش زراعت رومی لفظ Sitologes کے مترادف ہے[1]

فتح اسلام کے بعد بعض ممتاز رومی گورنر اپنے اپنے منصب پر قائم رہے۔ لیکن اکثر رومی گورنروں نے مسلمانوں کے ماتحت رہنا پسند نہ کیا اور اپنے صوبوں کو خیرباد کہہ دیا۔ عربوں نے ان کی جگہ قبطی گورنر مقرر کر دیے جو عیسائی تھے۔ اس وقت ان عیسائی گورنروں کی ایک بہت بڑی تعداد تھی، مسلمانوں نے حکومت کی ذمہ داریوں کے کم ہونے کی وجہ سے اس زمانہ میں مذہبی امور کی طرف اپنی توجہ مرکوز کر دی۔

UNREGISTERED VERSION

حکومت اسلامیہ میں گورنر سب سے بڑا عہدہ دار تھا۔ ان کا تقرر خلیفہ کے اختیار میں تھا۔ وہ اپنے صوبہ میں [illegible] سب سے بڑا افسر ہوتا تھا۔

www.avs4you.com

نماز کی امامت گورنر کا اہم فریضہ تھا، مذہبی ارتباط اور شیرازہ بندی میں نماز کا بہت بڑا دخل تھا۔ گورنر جمعہ اور عیدین کی نماز میں امامت کرتا تھا۔ مصر میں اسلام کا دائرۂ عمل نہایت سُرعت سے وسیع ہو گیا اور کثرت سے مصری سچے دل سے یا جزیہ کے ڈر سے مسلمان ہو گئے تھے مسلمانوں اور قبطیوں میں شادی بیاہ کے تعلقات کی وجہ سے مسلمانوں کی مردم شماری میں اور اضافہ ہو گیا۔ اس وقت متعدد مسجدیں اور جامع مسجدیں تعمیر کرنا پڑیں۔

خلافت راشدہ اور بنی اُمیہ اور عہد عباسیہ کے ابتدائی زمانہ میں گورنر نماز میں امامت کا فرض انجام دیتے تھے۔ جب تک عرب گورنر آتے رہے یہ حالت قائم رہی۔ جب غیر عرب گورنر آئے تو اپنے لب لہجہ اور تلفظ خراب ہونے کی وجہ سے اپنے نائب مقرر کر دیتے تھے، ان گورنروں نے عباسی خلافت سے بغاوتیں کر دی تھیں۔ جب عباسی خلفاء ترک امراء اور بنی بویہ کے زیرِ اقتدار تھے اور ان کی حیثیت کا خاتمہ ہو گیا تھا۔

---

[1] Egypt under Roman Rule P. 216.

عہد فاطمیہ | فاطمیوں کے زمانہ تک مصر کے نظامِ حکومت میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں ہوئی فاطمیوں کے دور میں چند مظاہر سلطانی کا ضرور اضافہ ہُوا۔

جوہر نے تسخیر مصر کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ بڑے بڑے عہدوں پر سے سنّیوں کو ہٹا کر اُن کی جگہ بلادِ مغرب کے شیعوں کا تقرر کر دیا۔ اس نے اپنی سیاست کو عمل میں لانے کے لئے سنّی مذہب کے تمام آثار مٹا دیے، خواہ وہ مذہبی ہوں یا ان کا تعلق تمدّن اور تہذیب سے ہو۔ سنیوں کو وُہ "دشمنانِ اسلام" سے زیادہ حیثیت نہ دیتا تھا۔[1]

بلادِ مصر پر جوہر خلیفہ فاطمی کے قائم مقام کی حیثیت سے حکومت کرتا رہا۔ اس کی سیاسی پالیسی نہایت دور رس اور گہری تھی۔ بلادِ مغرب کے شیعوں کے لئے اس نے وسیع میدانِ عمل پیدا کر دیا تھا تاکہ وُہ حکومت کی مشینری پر چھا جائیں۔ اس کی سیاسی پالیسی مختصر الفاظ میں یہ تھی "کوئی محکمہ ایسا نہ رہے جہاں کوئی مغربی شیعہ مشیر کار کی حیثیت سے مسلط [illegible]

UNREGISTERED VERSION

جوہر نے مصلحتِ وقت کا لحاظ کر کے اپنی اس سیاسی حکمتِ عملی کو رفتہ رفتہ عمل میں لانا مناسب خیال کیا اور کوشش کی کہ ان سنیوں کو اس کا احساس نہ ہونے پائے جو اس وقت حکومت کے نظم ونسق پر قابض تھے، ڈر یہ تھا کہ ان کا یہ احساس شورش اور بغاوت کی شکل میں نمودار ہو کر حکومت کے نظم ونسق کو تہ وبالا کر دے۔ جوہر اپنی اس سیاسی پالیسی میں ۳۷۹ھ تک پوری طرح کامیاب ہو گیا۔ اس وقت حکومت کے تمام نظم ونسق پر شیعوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔ سنی کہیں خال خال نظر آتے تھے۔ یہ فتح مصر کے بیس سال کے بعد کا ذکر ہے۔ جوہر نے حکومت کے تمام عہدہ داروں پر لازمی قرار دے دیا تھا کہ وُہ مذہب شیعہ کے احکام پر عملدرآمد کریں جو حکومت کا مذہب ہے اس حکمتِ عملی سے مصر کے سنّی عہدہ داروں میں شیعہ مذہب کی اشاعت ہوئی اور انہوں نے جبر واستبداد کے خطرہ یا اعلیٰ عہدوں کی اُمید میں شیعہ مذہب قبول کر لیا۔ یہی حال یہودیوں اور عیسائیوں اور دوسرے غیر مسلموں کا تھا۔

www.avs4you.com

[1] جوہر صقلی (علی ابراہیم حسن)، ص ۳، [2] الخلفاء (مقریزی)، ص ۸

۳۶۳ھ کے اوائل میں حکومت کے نظم ونسق میں چند تبدیلیاں کی گئیں، اس وقت محکمہ پولیس قاہرہ منتقل کر دیا گیا اور اس کا افسر اعلیٰ جبر مقرر ہوا۔ خلیفہ معز نے جامع عمرو بن عاص کی خطابت کا منصب بنی عبد السمیع سے لے لیا اور جعفر بن حسن کو وہاں کا خطیب مقرر کر دیا۔ بنی عبد السمیع کا خاندان چونسٹھ سال سے اس خطابت پر مامور تھا۔ ۳۶۹ھ میں خلیفہ نے جامع ازہر کا خطیب اپنے بھائی کو مقرر کیا، افسر مالیات کی جگہ محمد بن حسین بن مہذب کا تقرر عمل میں آیا۔ یہ سب کے سب بلادِ مغرب کے شیعہ تھے۔

اس دور میں شیعوں کے قبضہ میں تمام اہم محکمے تھے، ان میں محکمہ مالی، وزارت، عدالت اور احتساب خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ مالیات کا محکمہ یعقوب بن کلس اور علوج بن حسن کی نگرانی میں تھا جو مستقبل میں عہدۂ وزارت پر فائز ہوئے تھے۔

فاطمیوں کے عہد میں متعدد دفاتر یا دواوین تھے جو علیحدہ علیحدہ افسروں کے ماتحت تھے، یہ افسر بہت بڑے عہدہ دار خیال کیے جاتے [illegible] فوجی دفتر کا افسر [illegible] کے سامنے فوجیوں اور گھوڑوں وغیرہ پیش کیے جاتے تھے۔ دفترِ لباس، فوجوں کی وردیوں وغیرہ کا انتظام اس کے سپرد تھا۔ افسر دیوانی اوقاف۔ افسر مشاہرہ، یہ محکمہ تنخواہوں کو تقسیم کرتا اور ملازموں کی تنخواہوں، کارگزاریوں کی سالانہ رپورٹ مرتب کرتا تھا، یہ رپورٹ خلیفہ کے سامنے پیش کی جاتی تھی[2]۔

اس دور کے بڑے بڑے عہدہ داروں میں صاحب الباب (شاہی دربان) "حامل مظلۃ الخلیفہ" (چھتری بردار) "صاحب رسالہ" (خلیفہ کے خطوط وزیر اور دوسرے اعلیٰ عہدہ داروں کے پاس پہنچاتا تھا) "افسر مالیات" (عہد حاضر کا وزیر مالیات) اور حاملِ دواۃ خلیفہ" تھے مذہبی اعلیٰ عہدہ داروں میں قابلِ ذکر یہ تھے: قاضی القضاۃ" اس کا فرض احکام شرعیہ کا تحفظ اور سکہ کی نگرانی بھی تھا، "داعی الدعاۃ" قاضی القضاۃ کے قریب قریب ہم رتبہ ہوتا تھا، اس کا منصبی فرض مساجد اور مدارس میں فاطمیوں کی دعوت و تبلیغ کرنا تھا۔ "محتسب" اس کا فرض بازاروں کی نگرانی تھا، یہ قوانینِ بیع وشریٰ کی پابندی کراتا تھا، پیمانوں اور وزنوں

---

[1] الخطط ج ۲ ص ۹۹ [2] تفصیل دیکھئے الخطط ج ۲ ص ۹۹

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

کی جانچ کرتا تھا۔ قرضوں کو وصول کراتا تھا اور قیام امن کے لئے مناسب تدابیر اور کارروائیاں عمل میں لاتا تھا۔ یہ ممتاز اور سربرآوردہ مسلمانوں میں سے منتخب ہوتا تھا۔ یہ عہدہ بڑی حد تک مذہبی خیال کیا جاتا تھا۔ اس کی تنخواہ تیس دینار یا ایک سو پچاس روپیہ ہوتی تھی عہد فاطمی میں بڑے عہدہ داروں میں "وکیل بیت المال" اور "نائب صاحب الباب" بھی تھا اس کا کام سفیروں کا استقبال اور ان کے رہنے سہنے کا انتظام تھا۔ اس عہد میں قاریوں کی ایک بہت بڑی تعداد ملازم تھی، جو مجلس اور جلوس کے وقت خلیفہ کے سامنے قرآن کی تلاوت کرتے، انہیں "قرار الحضرۃ" کہا جاتا تھا۔

مملوکوں کے عہد میں مملوکوں کے زمانہ میں مصر کے نظام حکومت میں نمایاں تغیرات ہوئے۔ بیبرس نے حکومت کے نظم ونسق میں مقربین بارگاہ امراء سے امداد لی اور ان کا بڑے بڑے مناصب پر تقرر کیا، نائب السلطان کا جدید عہدہ قائم کیا گیا، جس کی بنیاد دولت ایوبیہ نے ڈالی [illegible] سلطان اکثر دارالحکومت سے باہر رہتا، اس اثناء میں حکومت کے نظم ونسق میں دقت ہوتی تھی اس عہدہ کے قیام کے بعد جب سلطان خارجی حکومتوں سے نبرد آزما ہوتا تو نائب السلطان سلطان کی جگہ ریاست کا انتظام چلاتا تھا۔ اسے سیاسی فرمانروائی حاصل تھی اور وہ جاگیریں دینے اور سلطان کی طرح اعلیٰ عہدوں پر تقرر کرنے کا اختیار رکھتا تھا[1]۔

اس دور میں وزارت عظمیٰ کا اثر و نفوذ نائب السلطان کی وجہ سے کبھی بڑھ نہ سکا تھا۔ سلطان کے ساتھ سفر میں ایک دوسرا وزیر رہتا تھا جو "وزیر الصحبہ" کے نام سے معروف تھا وزارت کے عہدہ کو ناصر بن محمد قلاوون نے توڑ دیا تھا اور حکومت کے نظم ونسق میں "ناظر الدولہ" سے امداد لیتا تھا، جس کی حیثیت وزیر سے کم تھی، اس کا عملہ "مستوفین" کے نام سے موسوم تھا، عملہ کے نگران افسر کو "مستوفی الصحبہ" سے خطاب کیا جاتا تھا۔ یہ افسر چھوٹے چھوٹے ملازمین کا تقرر کر سکتا تھا۔

ناصر بن محمد قلاوون نے نائب السلطان کا عہدہ ختم کر دیا تھا اور ایک جدید عہدہ

[1] حسن المحاضرہ (سیوطی)، ج ۲ ص ۸۹

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

"ناظرالخاصہ" قائم کیا تھا، ابتدا میں یہ عہدہ دار سلطانی مال و دولت کے انتظامات کے لئے مامور کیا گیا تھا۔ مگر قربِ سلطانی کی وجہ سے اس کی حیثیت بہت بڑھ گئی تھی، اور سلطان اسے مشورہ میں شریک کرنے لگا تھا۔[1]

بیبرس نے اپنے دربار میں بہت سے عہدہ داروں کا اضافہ کیا تھا۔ ان میں ممتاز "استادار"، "دوادار" امیر جاندار" تھے۔ پہلے کا کام سلطانی محلات کا انتظام اور دوسرے کا فرض خطوط کو سلطان کی خدمت میں پیش کرنا اور کاغذات پر دستخط کرانا تھا، تیسرا سلطان کے دروازہ پر متعین تھا اور حکومت کے اعلیٰ افسروں اور ارکانِ دولت کا استقبال کرتا تھا۔[2]

مملوکوں کے عہد میں اور بھی) بہت سے عہدے قائم تھے۔ ان میں "راس نوبۃ الامرا" "امیر مجلس"، اور "امیر السلام" خاص اہمیت رکھتے تھے۔ "راس نوبۃ الامراء" امراء دولت کا افسر تھا۔ امیر مجلس کا فرض سلطان کی حفاظت تھا۔ اس کا تقرب اتنا بڑھ گیا تھا کہ وہ اندرونِ قصر بھی حفاظت [illegible] اس کے ہمراہ رہتا تھا، امیر السلام کا فرض سلحہ جات، میگزین اور سامانِ جنگ کا انتظام اور اس کی نگرانی تھا۔[3]

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

سلطان کی طرف سے مصر کے مختلف صوبوں میں گورنر مامور تھے، ان کا منصبی فرض سلطانی احکام کا نفاذ اور اخراج اور چنگی وصول کرنا تھا۔ اسکندریہ اس وقت نہایت اہم تجارتی بندرگاہ تھی۔ مشرق کی تجارت کا محور اس وقت عیذاب کی سرحد تھی، جو بحرِ احمر کی ایک مصری سرحد تھی۔ سمندر کے محاذ کا علاقہ چند صوبوں میں تقسیم تھا۔ ان میں اہم صوبے قوص، اشمونین، بہنسا، اور الجیزہ تھے۔ ساحلی علاقے کے اہم منصوبے بلبیس، منوف، محلۃ الکبریٰ، (منہور) قلیوب اور دمیاط تھے۔[4]

اس دور کے ممتاز عہدوں میں ایک "ولایۃ" کا عہدہ بھی تھا۔ صدرِ اسلام میں یہ "شرطہ" کے نام سے معروف تھا۔[5] اس عہدہ دار کا فرض منصبی امن و امان کا قیام، مجرموں اور قاتلوں

---

[1] حسن المحاضرہ (سیوطیؒ) ج ۲ ص ۸۴ [2] الخطط (مقریزی) ج ۲ ص ۲۲۲ [3] صبح الاعشیٰ ج ۴ ص ۱۸

[4] صبح الاعشیٰ ج ۴ ص ۲۶-۲۸ [5] مقریزی ج ۲ ص ۲۲۳

کی گرفتاری اور انہیں کیفرِ کردار کو پہنچانا اور وہ تمام فرائض تھے جن کا تعلق رعایا کی فلاح و بہبود اور حفظِ جان و مال سے تھا۔ اس منصب کی ذمہ داریاں تین امراء میں تقسیم تھیں ایک کے ذمہ قاہرہ کا قیام امن اور پبلک کی دشواریاں رفع کرنا تھا۔ دوسرے کے یہی فرائض فسطاط میں تھے، تیسرے کے فرائض جنازوں کے جلوس کے وقت نظام کو قائم رکھنا اور قبروں کی زیارت کے وقت عام آداب کا تحفظ، عیدوں اور تقریب حج کے موقع پر انتظامات اور کفن چوروں سے قبروں کی حفاظت تھی۔[1]

قاہرہ کے کوتوال یا صاحب عسس کے سپرد فائر بریگیڈ کا عملہ بھی تھا۔ یہ عموماً عشاء کی نماز کے بعد فائر بریگیڈ کے ہیڈ کوارٹر میں آجاتا تھا، اس کے سامنے مشعل رکھی جاتی تھی جو رات بھر روشن رہتی تھی۔ اس وقت سقے بڑھئی وغیرہ موجود رہتے تھے۔ اگر کہیں آگ لگ جاتی تھی تو بجھانے کے لئے یہ عملہ دوڑ پڑتا تھا۔[3] یہ فائر بریگیڈ کا اسٹیشن "سوق حمام نو کبیر" میں واقع [illegible]

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

۱ صبح الاعشیٰ ج ۴ ص ۲۳ ۲ الظاہر بیبرس (جمال الدین سرور) ص ۱۳۴ ۳ الخطط ج ۲ ص ۱۰۳

دفاتر

دفاتر، خلافتِ راشدہ میں

حضرت عمرؓ نے ایک ایرانی مدبّر کے مشورہ سے دفتری نظام قائم کیا تھا، یہ اسوقت کا ذکر ہے جب فتوحاتِ اسلامیہ کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا تھا اور فارس کی بیشمار دولت کی تقسیم اور اس کے صرف کی ضرورت پیش آئی تھی۔ حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے "صرفِ دولت" کو ایک منظم شکل دینے کے لئے دفاتر کو قائم کیا اور ہر مسلمان کا وظیفہ اور تنخواہ مقرر کر دی اس میں اسلام کی سبقت اور اسلامی خدمات کا لحاظ رکھا تھا۔ دفاتر کے عملہ نے اسی زاویۂ نگاہ سے مختلف افراد اور طبقوں کی ایک فہرست مرتب کی تھی، اس میں سب سے پہلے حضرت عباسؓ [illegible] عثمانؓ کے ابتدائی دورِ خلافت تک وظائف کا یہی لائحہ عمل تھا۔ بعد میں اس میں نمایاں تبدیلی پیدا ہو گئی تھی[1]۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

حضرت عمرؓ نے دفتری نظام ایرانیوں کے طرز پر قائم کیا تھا، یہ دفاتر مختلف شعبوں سے تعلق رکھتے تھے، ان میں دیوانِ فوج اور دیوانِ خراج امتیازی حیثیت کے حامل تھے۔ دیوانِ فوج میں سپاہیوں اور ان کی تنخواہوں کی باقاعدہ فہرست رہتی تھی، دیوانِ خراج میں ریاست کی آمدنی اور اس کے آمد و صرف کا حساب رہتا تھا۔

دفاتر عہدِ بنی اُمیہ میں

تعداد دفاتر | عہدِ بنی اُمیہ میں حکومت کا نظام چار بڑے بڑے محکموں میں تقسیم تھا

۱۔ دیوانِ خراج

۲۔ دیوانِ رسل و رسائل، اس کا افسر صوبوں کے نظم و نسق کی نگرانی کرتا اور گورنروں

---

[1] الفخری ص ۷۹، ۸۰ اور تفصیل دیکھیے الاحکام السلطانیہ ص ۱۹۱ - والوزراء والکتاب ص ۱۶، ۱۷

کے نام مناسب ہدایات بھیجتا تھا۔

۳۔ غلّہ اور دوسری پیداوار کے انتظامات کا محکمہ۔

۴۔ دیوانِ خاتم۔ اس کو سب سے پہلے امیر معاویہؓ نے قائم کیا تھا، حکومت کا یہ سب سے بڑا دفتر تھا۔ اس میں بہت سے ذمہ دار اشخاص کام کرتے تھے۔ یہ لوگ خلیفہ کے احکام کی نقلیں لیتے اور تاگے سے نتھی کرنے کے بعد ان پر لاکھ کی مہر لگاتے اور پھر یہ احکامات اس محکمہ کے افسر کی مہر ثبت کرنے کے بعد نہایت احتیاط سے دفتر میں محفوظ کر دیے جاتے تھے۔ اس دیوان کی حیثیت عہد جدید کے "ریکارڈ آفس" کی تھی۔

ان دفتروں کے علاوہ اور بھی محکمے تھے جن کی اہمیت ان سے کم تھی۔ ان میں پولیس کے اخراجات وغیرہ اور فوج کی تنخواہوں سے متعلق دفاتر ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ بے محل نہ ہوگا۔ اگر دیوان خاتم کا ذرا تفصیل سے ذکر کر دیا جائے۔

UNREGISTERED VERSION

دیوانِ خاتم: اس کے قیام کی ضرورت سب سے پہلے حضرت امیر معاویہؓ نے محسوس کی تھی وجہ یہ ہوئی کہ امیر معاویہؓ نے [illegible] ایک شخص کو ایک لاکھ درہم دینے کے لئے خط دیا تھا، اس خط پر مہر نہ تھی۔ اس شخص نے اُسے پڑھا اور ایک لاکھ کی جگہ دو لاکھ بنا دیئے اور یہ رقم حاصل کر لی۔ زیاد نے جب اس کا حساب امیر معاویہؓ کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے کہا میں نے ایک لاکھ کے لئے لکھا تھا۔ اس واقعہ کے بعد دیوانِ خاتم قائم کر دیا گیا اور اس کے بعد مہر شدہ خطوط جانے لگے تھے[1]

www.avs4you.com

خطوط اور دستاویزوں کا مُہر کا رواج مسلمانوں میں امیر معاویہؓ سے قبل بھی پایا جاتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل، قیصرِ روم کے پاس مہر شدہ والا نامہ بھیجا تھا، کیونکہ آپؐ کو معلوم ہُوا تھا کہ قیصرِ روم بے مُہر کے خطوط قبول نہیں کرتا ہے۔ اس غرض کے لئے آپؐ نے چاندی کی ایک مہر بنوائی تھی اور اس میں "محمد رسول اللہ" کندہ کرایا تھا، اسی مہر سے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ مہر ثبت کرتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے یہ مہر ایک کنوئیں میں گر پڑی تھی۔ اس کے بعد آپ نے اسی نمونہ کی دوسری مہر بنوائی تھی[2]۔

---

[1] الفخری ص ۱۰۲ [2] ابن خلدون ص ۲۲۰

دولتِ عباسیہ میں "خاتم سلطان" سے خطوط پر مہر لگائی جاتی تھی۔ یہ مہر سرخ گیلی مٹی سے مس کر کے کاغذات کی تہ کرنے اور جوڑنے کے بعد ایک کونہ پہ لگادی جاتی تھی[1]

دیوانِ خاتم امیر معاویہؓ کے زمانہ سے لے کر عہدِ عباسیہ کے وسط تک بہت اہم دیوان خیال کیا جاتا تھا۔ اس کے بعد جب نظم ونسق وزرا کے ہاتھ میں چلا گیا تو یہ محکمہ توڑ دیا گیا۔ عباسیہ کے دورِ عروج میں مہرِ خلافت کا حد درجہ احترام کیا جاتا تھا۔ ہارون الرشید نے جب فضل کی جگہ اس کے بھائی جعفر کو قلمدانِ وزارت سونپا تھا، اُس وقت اُس نے اُن کے باپ سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا۔ "اباجان! میرا ارادہ ہے کہ خاتم کو دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ میں تبدیل کردوں" خاتم سے ہارون نے وزارت کی طرف اشارہ کیا تھا۔ خاتم کا اتنا پاس ادب تھا کہ جب وزیر کو مہر لگانے کو دی جاتی تھی تو وہ اس کے احترام میں کھڑا ہو جاتا تھا

کسریٰ فارس کے پاس چار مہریں تھیں، ایک جنگ اور شرائط صلح کے لئے تھی جس پہ "وقا [illegible] پائیدار بنانا ہے"، تیسری ڈاک کی تھی، جس پہ "عجلت اور تیز روی" کھدا تھا اور چوتھی مہر عدالت تھی جس پہ "عدل" کندہ تھا۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

ایک اور محکمہ "دیوانِ طراز" کا ذکر بھی غالباً بے محل نہ ہوگا۔

دیوانِ طراز یہ دفتر شاہی پارچہ بافی اور ان کے اسماء اور القاب کو خوشنما بننے کے لئے کارخانوں کا انتظام کرتا تھا۔ جب مسلمانوں نے روم وفارس کا تختہ اُلٹ دیا اور اُن کا جاہ و جلال دنیا پر محیط ہو گیا اُس وقت مسلمانوں نے کسریٰ و قیصر کی تقلید کی اور شاہی لباس رُوم سے بن کر آنے لگا۔ عبد الملک بن مروان کے زمانہ تک شاہی لباس روم سے آتا رہا۔ عبد الملک کے عہدِ خلافت میں یہ لباس مصر سے آنے لگا تھا، وہاں کے لباس میں "اب، ابن، روح القدس" نقش ونگار کی شکل میں بُنا ہوتا تھا۔ عبد الملک جب اس کے معنی سے واقف ہُوا تو اُسے گراں گزرا اور اس نے اپنے بھائی عبد العزیز بن مروان گورنر مصر کو لکھا کہ "اب، ابن، روح القدس" کی جگہ "لا الٰہ الا اللہ" نقش ونگار کی شکل میں بُنا جائے، اور اپنے حدودِ خلافت

---

[1] مقدمہ ابن خلدون ص ۲۰۶ [2] کتاب الوزراء والکتاب ص ۳

میں مصری پارچے پہننے اور خریدنے کی ممانعت کر دی اور خلاف ورزی کی صورت میں سزائیں دی جانے لگیں۔

خلفاء نے اپنے دورِ حکومت میں پارچہ بافی کے کارخانے قائم کیے جو ایک افسر کے ماتحت تھے۔ یہ افسر تانے بانے اور نقش و نگار کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ کاریگروں کی تنخواہوں کی تقسیم اور بندوبست بھی اسی کے ذمہ تھا۔ یہ کارخانے بنی اُمیّہ اور بنی عباس دونوں کے دوروں میں اوج کمال پر پہنچ گئے تھے۔

مصری پارچے جن پر لا الٰہ الا اللہ نقش و نگار کی شکل میں بنا تھا، جب روم پہنچا تو شہنشاہِ روم غیظ و غضب سے پیچ و تاب کھانے لگا اور عبدالملک بن مروان کو لکھا۔ مصر کے کارخانوں سے روم کے منقش پارچوں کی صنعت کو سخت نقصان پہنچے گا۔ اس لئے مصری کارخانوں کو بند کروا دیا جائے۔ عبدالملک نے اس [illegible] قیصر کی طرف سے دو تین بار پھر استدعا کی گئی، جس میں تہدید و ترغیب دونوں قسم کے عناصر شامل تھے۔ آخر میں قیصر [illegible] نے بند کرا دیے، تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں ناپسندیدہ الفاظ کندہ کیے جائیں گے۔ عبدالملک کو اس سے روحانی اذیت پہنچی اور اس نے خالد بن یزید سے مشورہ کیا۔ اس نے رائے دی۔ "رومیوں کا سکہ اسلامی دائرۂ حکومت میں ممنوع قرار دیجیے اور اپنا سکہ رائج کر دیجیے۔ عبدالملک یہ مشورہ سن کر بے حد خوش ہوا اور اُسے بہت دعائیں دیں۔

رومیوں نے جب یہ دیکھا کہ عرب کاغذ کے سروں پر بعض آیات قرآنی تحریر کر دیتے ہیں تو حکومتِ روما نے عربوں کے کاغذ کی درآمدی بند کر دی، اس کی وجہ سے رومیوں اور عربوں کے تجارتی تعلقات اس وقت منقطع ہو گئے تھے۔

دفتری زبان کی تبدیلی

عبدالملک بن مروان (۶۵ھ - ۸۶ھ) نے اپنی سیاسی پالیسی کے ماتحت دفتری زبان یونانی اور فارسی قرار دی تھی۔ عبدالملک نے دوسرا کام یہ کیا تھا کہ رومی سکّہ کو اپنے دائرۂ

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

حکومت میں بند کر دیا تھا۔ جب قسطنطین چہارم اور گستینان دوم سے عبدالملک کی جنگ چھڑی اس وقت سے تمام اسلامی قلمرو میں رومی سکہ کی ممانعت کر دی گئی۔ کاغذات، ذائل وغیرہ عبدالملک کے ابتدائی دور میں شام کے اندر یونانی زبان اور بلادِ فارس کے اندر فارسی زبان میں لکھے جاتے تھے۔ لیکن یہ لڑائی چھڑنے کے بعد دفتری زبان عربی قرار دیدی گئی۔

دفتر کی زبان عربی قرار دینے کا سیاسی اور ادبی دونوں حیثیت سے اثر پڑا، اس کی وجہ سے ذمیوں اور غیر عربوں کا اقتدار دفتروں سے کم ہو گیا اور ان کے بڑے بڑے مناصب عربوں کو مل گئے۔ ادبی اثر یہ پڑا کہ بہت سی فارسی اور رومی اصطلاحات عربی زبان میں داخل ہو گئیں۔

عبدالملک کے گورنروں نے بھی عبدالملک کی سیاسی پالیسی پر عمل کیا اور حجاج بن یوسف نے بلادِ عراق کی دفتری زبان فارسی کی جگہ عربی قرار دی۔ یہ شہھ کا واقعہ ہے [۱]

UNREGISTERED VERSION

اس [illegible] کہ یہاں کی سرکاری زبان مدت سے یونانی تھی، اس زبان میں دفتر کی تمام کارروائیاں اور فائل تھے دوسری زبان اس لئے کہ وہ حاکمِ وقت کی زبان تھی، محکمۂ آثار قدیمہ کے لوگوں کو اس زمانہ کی چند تحریریں دستیاب ہوئی ہیں۔ اس سے اندازہ کیا گیا ہے کہ اس وقت قبطی زبان کی حیثیت تیسرے درجہ کی تھی۔

www.avs4you.com

شام و مصر میں دیوانی خراج کی زبان فارسی اور یونانی عبدالملک بن مروان کے زمانہ تک رہی۔ عبدالملک نے فارس اور شام کے دفاتر کی زبان عربی کر دی۔ مصر کے دفاتر کی زبان یونانی ولید بن عبدالملک کے عہدِ خلافت تک رہی۔ ولید خلیفہ ہوا تو اس نے اپنے باپ کی سیاسی پالیسی پر عمل کیا اور دیوانِ خراج کی زبان بھی عربی قرار دی، اس کی اس سیاسی حکمتِ عملی کو اس کے گورنر عبداللہ بن عبدالملک گورنر مصر عمل میں لایا تھا یہ شہھ کا واقعہ ہے۔

---

[۱] دیکھیے تفصیل کتاب الوزراء والکتاب۔ ص ۳۰۸

سکّہ کی اصلاح

۷۳ھ میں عبدالملک بن مروان داخلی نظم و نسق اور استحکامات سے فارغ ہو گیا، تو رومیوں کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا اور اس معاہدہ کو باطل قرار دیدیا جس کی رُو سے اسے ایک ہزار دینار ہفتہ وار کے حساب سے شہنشاہ روم کی حکومت کو دینا پڑتے تھے۔ عبدالملک نے غیر کی سکّہ کی جگہ اپنا سکّہ رائج کر دیا اور اس مقصد کے لئے دمشق میں دارالضرب یا ٹکسال قائم کی۔ یہ سکّے سونے اور چاندی کے ہوتے تھے۔ ان میں آیاتِ قرآنی نقش ہوتی تھیں۔ عبدالملک نے اپنے سکّے کے علاوہ تمام دوسرے سکّے اسلامی قلمرو میں ممنوع قرار [illegible] بازنطینی [illegible] اور ایرانی درہم رائج تھے۔ رومیوں نے جب دیکھا، ہمارا سکہ بند کر دیا گیا اور اپنے سکہ میں آیات قرآنی نقش [illegible] تبادلہ اشیاء کا کام لیتے ہیں تو انہیں بے حد روحانی کوفت ہوئی اور اسے اپنی حد درجہ بے عزتی خیال کی۔ یہ احساس بڑھتا رہا اور مستقبل میں اس باہمی کشمکش کا نتیجہ یہ ہُوا کہ عربوں اور رومیوں میں جنگ چھڑ گئی۔

دفاتر عہد عباسیہ میں | عہد عباسیہ کا نظم و نسق تقسیم کار کے لحاظ سے عہد جدید کے نظام سے بہت بہتر تھا، اس دور میں اہم سرکاری دفاتر اور وزارتیں، حسب ذیل تھیں :-

دیوانِ خراج، دیوانِ دیت، دیوانِ زمام، دیوانِ فوج، دیوانِ موالی و غلام اس میں خلیفہ کے غلاموں کی فہرست رہتی تھی، محکمۂ ڈاک، محکمۂ زمام نفقات، دیوانِ رسائل، محکمۂ تحقیقاتِ مظالم، محکمۂ پولیس، محکمۂ عطاء و ظائف، ان کے علاوہ، ایک مستقل محکمہ غیر مسلم قوموں کے حقوق کی حفاظت کے لئے قائم تھا۔ اس کے افسر کو کاتب جہاز کہا جاتا تھا۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

ان بڑے دفاتر کے علاوہ اور بہت سے چھوٹے چھوٹے محکمے تھے۔ جن کا تعلق تنظیم ملکی، سیاسی انتظامات اور عدالت سے تھا، ایک محکمہ نہریں جاری کرتے، پُل تعمیر کرنے اور آبپاشی کی دوسری آسانیاں مہیا کرنے کے لئے قائم تھا۔

حکومتِ عباسیہ جماعتی معاملات میں زیادہ دخل نہ دیتی تھی، اگرچہ اس پالیسی کی وجہ سے اکثر حکومت کو مالی نقصان بھی اُٹھانا پڑتا تھا، ہاں عباسیہ حکومت ٹیکس کی عدم ادائیگی کے وقت ضرور دخل دیتی، حکومتِ عباسیہ زراعتی اور آبپاشی کی سہولتوں کے مہیا کرنے میں کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھتی۔ اس کا مقصد حکومت کی آمدنی میں اضافہ بھی ہوتا تھا۔ حضرت امام یوسفؒ قاضی القضاۃ نے نہروں کے کھودنے ان کی اصلاح و مرمت، کھیتوں میں پانی کی تقسیم کی نگرانی اور زراعت کی ترقی کی دوسری عملی تد[illegible] دجلہ و فرات کے پانی کے کھاری پن کو دُور کرنے کے لئے بھی عملی قدم اٹھایا، یہ کھاری پن کاشت کے لئے سخ[illegible]

دیوانِ زمام (جو اس زمانہ کے دیوانِ محاسبی سے مشابہ تھا)، کا محکمہ نہایت اہم محکمہ تھا۔ اسے خلیفہ مہدی نے قائم کیا تھا۔ اس محکمہ کے افسر کا فرض بلادِ عراق اور دوسرے ملکوں کے ٹیکس کی وصولی اور ان کے حسابات پیش کرنا تھا۔ نوعی ٹیکس (غلّہ اور پیداوار کی شکل میں ٹیکس) کی وصولی اور اس کا انتظام بھی اس کے فرائض میں داخل تھا۔ اہم محکموں میں ایک محکمہ دیوانِ رسائل بھی تھا، جس کے افسر کا کام سرکاری احکام کی تشہیر، سیاسی خطوط کی کتابت اور ان پر خاتم خلافت ثبت کرنا ہوتا تھا۔[1]

دیوانِ زمام ایک بہت بڑا محکمہ تھا۔ اس کے افسر نے سہولت کے لئے اُسے بہت سے چھوٹے چھوٹے محکموں میں تقسیم کر دیا تھا، ان محکموں کا ایک ایک افسر یا نگران ہوتا تھا۔ عباسیوں نے ایک اور محکمہ "دیوانِ نظر یا مکاتبات اور مراجعات" کے نام

---

[1] Sayed Amir Ali, P. 415.

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

کے نام سے قائم کیا تھا۔ یہ چار حصّوں میں تقسیم تھا۔ دیوانی فوج۔ اس میں سپاہیوں کے نام اور اُن کی تنخواہوں کے حسابات رکھے جاتے تھے۔

دیوانُ الاعمال :۔ اس کے ذمّہ قومی روایات اور حقوق کی حفاظت ہوتی تھی۔

دیوانئے عمّال :۔ اس محکمہ کے ذریعہ گورنروں کا عزل و نصب ہوتا تھا۔

دیوانِ بیت المال :۔ اس میں مالیات کے آمد و خرچ کا حساب رکھا جاتا تھا۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

فوج

جہاد اور اس کا مقصد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ سال مکہ میں لوگوں کو قرآن اور نیک اعمال کی دعوت دیتے رہے، قریش نے اس کا جواب طرح طرح کی تکلیفوں کی شکل میں دیا۔ خدا نے ان اذیتوں پر آپؐ کو صبر و ضبط کی نصیحت فرمائی اور مزید تسکین کے لئے ارباب صبر کی حکایات بیان فرمائیں۔

UNREGISTERED VERSION

جب [illegible] آپ کو مشرکین سے "جہاد" کا حکم دیا، یہ خدا کے راستہ میں جنگ تھی اور صرف خدا کے واسطے تھی، خدا نے جہاد کا یہ حکم [illegible] مکہ میں اور بعض مدینہ میں نازل ہوئیں۔ جہاد کی اجازت چند حالات میں دی گئی۔

www.avs4you.com

(۱) جان کی حفاظت کے لئے:

جن (مومنوں) کے خلاف ظالموں نے جنگ کر رکھی ہے اب انہیں (اس کے جواب میں) جنگ کی اجازت دی جاتی ہے۔ کیونکہ ان پر سراسر ظلم ہو رہا ہے، اور اللہ ان کی مدد کرنے پر ضرور قادر ہے۔

یہ وہ مظلوم ہیں جو ناحق اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے، ان کا کوئی جرم نہ تھا اگر تھا تو یہ تھا کہ وہ کہتے تھے۔ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔

آیت ۳۹۔ سورہ حج

اور (دیکھو) جو لوگ تم سے جنگ کر رہے ہیں اللہ کی راہ میں تم بھی اُن سے لڑو (پیٹھ نہ دکھلاؤ) البتہ کسی طرح کی زیادتی نہ کرو۔ اللہ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو زیادتی کرنے والے ہیں۔ اور دیکھو ان لوگوں سے جنگ جاری رکھو۔ یہانتک کہ فتنہ،

لہ آیۃ ۳۵ سورۃ

(یعنی ظلم و فساد) باقی نہ رہے اور دین صرف اللہ کے لئے ہو جائے (انسانی ظلم و استبداد کی مداخلت اس میں باقی نہ رہے) پھر اگر ایسا ہو کہ یہ لوگ جنگ سے باز آجائیں تو (تمہیں بھی ہاتھ روک لینا چاہیئے۔ کیونکہ) جنگ کا مقصد تشدد کرنا نہیں ہے۔ مگر صرف انہی لوگوں کے مقابلہ میں جو ظلم کرنے والے ہیں۔

(سورۂ بقرہ۔ آیۃ ۱۸۶ - ۱۸۹)

۲- دعوتِ اسلام کے راستہ سے رکاوٹیں دُور کرنا، تاکہ جو لوگ اسلام لانا چاہیں انہیں کوئی روکنے اور ان پر سختی کرنے والا نہ رہے اور حضرت عمار بن یاسرؓ اور حضرت بلالؓ کے واقعات کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے۔ جب اہل مکہ کے ساتھ دوسرے عربوں نے اشتراک عمل کیا تو خدا نے حکم دیا "تمام مشرکین سے جنگ کرو جس طرح وہ تم سے بر سر پیکار ہیں" جب یہود مدینہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کئے ہوئے معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور آپؐ کے حریف، قریش سے عملی اشتراک کیا تو حکم ہوا۔

UNREGISTERED VERSION

"[illegible] جنگ میں تو دشمنوں کے ساتھ تمہیں نکلا ہے لیکن اس) سے تمہیں دغا کا اندیشہ [illegible]

www.avs4you.com

جہاد کے بدلے میں مسلمانوں کو دنیا میں فتح و کامرانی اور آخرت میں بہشت کی بشارت دی گئی۔

جو لوگ آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی (اللہ کے ہاتھ) فروخت کر چکے ہیں انہیں چاہیئے کہ اللہ کی راہ میں جنگ کریں اور جو کوئی اللہ کی راہ میں جنگ کرتا ہے تو خواہ وُہ قتل ہو جائے خواہ غالب آئے (ہر حال میں) ہم اُسے اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔

(سورۂ نسا آیت ۷۶)

عرب کے سپاہی کا اہم مقصد فتنہ و فساد، شورش اور بغاوت کو فرو کرنا، غارت گروں سے ملک کو بچانا، ارکانِ اسلام کا قیام اور ناموسِ دین کا تحفظ اور اسلامی دائرہ عمل کی توسیع تھا اور اسی کے لئے وہ اسلحہ اٹھاتا تھا۔

فوج، آنحضرت صلعم، خلافتِ راشدہ اور بنی اُمیہ کے زمانہ میں

عہد جاہلیت میں عربوں کا کوئی خاص فوجی نظام نہ تھا، اس زمانہ میں تہذیب و تمدن کے لحاظ سے انکی

لہ آیۃ ۳۶- سورہ توبہ ۲ آیت ۵۸ سورہ انفال

سطح بہت پست تھی، جنگ کے وقت قبیلہ کے افراد، پیدل اور سوار تلواریں، نیزے اور کمانیں لے کر نکلتے اور حریف سے مقابلہ کرتے، جنگ کے خاتمہ کے بعد اپنے اپنے گھروں کو واپس آجاتے اور اپنے کاروبار میں لگ جاتے تھے۔

جب اسلام کا ظہور ہوا تو اس نے عربوں کی شیرازہ بندی کی اور ان میں مرکزی وحدت پیدا کردی، اب عرب اسلام کی نشر و اشاعت کے لئے جنگ کرنے لگے اور اسلامی دائرۂ عمل کو وسیع کرنے کے لئے اقوامِ غیر پر چڑھائی شروع کردی۔ حضرت عمرؓ سب سے پہلے شخص تھے جنہوں نے فوج کو ایک منظم شکل دی اور فوجی نظم و نسق کے لئے دیوانی فوج قائم کی۔ اس محکمہ کے فرائض میں سپاہیوں کے نام، ان کے اوصاف، ان کی تنخواہوں کی مقدار اور اُن کے کارناموں کے بارے میں مکمل معلومات بہم پہنچانا اور دوسرے انتظامی معاملات داخل تھے

UNREGISTERED VERSION

حضرت [illegible] سپاہی بلا تنخواہ انجام دیتے تھے اور اپنی معاشی ضرورتوں کی کوئی اور سبیل نکالتے تھے۔ لیکن جب

www.avs4you.com

عراق، شام، فلسطین اور مصر فتح ہو گیا اس وقت تمام فوجیں ان ممالک میں فوجی چھاؤنیوں میں رہنے لگیں اور زراعت وغیرہ کے کاروبار میں لگ گئیں۔ اس کی وجہ سے وہ سپاہیانہ زندگی سے دور جا پڑیں، اور ان میں فوجی اسپرٹ کم ہونے لگی۔ حضرت عمرؓ نے اس خطرہ کو محسوس کیا اور ان فوجوں کو جہاد کے لئے بھیجدیا۔ اور اُن کی اور اُن کے خاندان کی بیت المال سے تنخواہیں مقرر کردیں حضرت عمرؓ نے فوجوں کے لئے راستہ میں قلعے اور مستقل چھاؤنیاں قائم کردیں، تاکہ فوج اونٹوں پر طویل سفر کرنے کے بعد وہاں آرام کرسکے، اس سے قبل کھجور کے پتوں سے بنے ہوئے معمولی چھپر ہوتے تھے، جہاں تھکی ہاری فوج کچھ دیر آرام کرلیتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اسلامی قلمرو میں متعدد ناکوں اور سرحدوں پر محافظ فوج دشمنوں کی ناگہانی یورشوں کو روکنے کے لئے متعین کردی۔ قلعہ بابلیون کی فتح کے وقت عربوں کی فوج کی تعداد ۱۲۳۰۰، ۱۵۶۰۰ اور ۱۶۰۰۰ کے درمیان تھی۔ جب حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا اور وہ فتنہ اُٹھا جس نے مسلمانوں کا شیرازہ منتشر کردیا، اس وقت لوگ اسلام کی نشر و اشاعت کیلئے نہیں لڑتے تھے بلکہ اپنے اس نظریہ اور خیال کی حمایت میں لڑتے تھے جسے وہ مصلحتِ وقت اور

لوگوں کی فلاح و بہبودی کے لئے سب سے بہتر خیال کرتے تھے۔

بنی اُمیہ نے اس فوجی نظام کو کمال کی حد تک پہنچا دیا، جس کی بنیاد حضرت عمرؓ نے رکھی تھی، لیکن جب بنی اُمیہ کی حالت ابتر ہوگئی اور باہمی اختلافات نے ان کی اجتماعی قوت گھٹا دی۔ اُس وقت مسلمان جنگ سے جی چرانے لگے اور دوسرے کاموں میں لگ گئے یہ صورتِ حال دیکھ کر امویوں نے زبردستی فوج میں لوگوں کو بھرتی کرنا شروع کیا اور عبد الملک بن مروان نے جبری فوجی بھرتی کا قانون بھی بنا دیا۔ امیر معاویہؓ کے عہد میں فوج کی کل تعداد تقریباً چالیس ہزار تھی۔ اس میں "رضا کار" فوج بھی شامل تھی جو حکومت سے تنخواہ نہیں لیتی تھی بلکہ صرف شوقِ جہاد کے جذبہ کی تسکین کے لئے لڑتی تھی۔ ظہورِ اسلام کے وقت سے مسلمانوں اور بیزنطینوں میں جنگ چھڑی تھی۔ وُہ بنی اُمیہ کے عہد میں بھی جاری تھی۔ مسلمانوں نے دو دفعہ قسطنطنیہ [illegible] کے عہد میں لیکن اس پر تسلط قائم نہ کر سکے تھے۔ جب قسطنطین رابع (۱۲۴-۱۲۹ھ = ۷۴۱-۷۵۵ء) مشرقی ر[illegible]نوں کے مقابلہ میں آیا اور بنفسِ نفیس فوجوں کی قیادت کی۔ اس قیادت کی وجہ روما کی اجتماعی اور سیاسی حالت تھی جس کی بنا پر قسطنطین اپنے جنرلوں پر اعتماد نہیں کر سکتا تھا۔ اُسے یہ کھٹکا تھا کہ فوجی طاقت ہاتھ میں آنے کے بعد کہیں وُہ خود مجھ پر چڑھائی نہ کر دیں۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

بنی اُمیہ کے آخر عہد میں خانہ جنگی کی وجہ سے عربوں کی وحدت پارہ پارہ ہوگئی تھی قسطنطین نے اس موقع کو غنیمت جانا اور مسلمانوں کی سرحدی ملکوں پہ غارت گری شروع کر دی اس وقت مسلمانوں کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ اپنی حفاظت خود کریں اور خود انتقام لیں، چنانچہ وُہ اٹھے اور نہ صرف اپنا تحفظ کیا بلکہ آگے بڑھے اور جزیرۂ قبرص پر تسلط قائم کر لیا ۱۳۰ھ میں اسکندریہ سے مسلمانوں کا ایک بیڑا ایک ہزار جہازوں کا روانہ ہُوا۔ یہ بیڑا ناکام رہا اور صرف چند جہاز بچ کر آ سکے۔ اس کے بعد مسلمانوں نے بیزنطی حکومت کے بلاد پر منظم طور سے حملے شروع کر دیے اور ہر سال موسم گرما میں اُن پر چڑھائی کر دیتے تھے۔

عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں صرف عربی عنصر فوج میں داخل تھا، یہ حالت اُس وقت تک قائم رہی جب تک امویوں کی فتوحات کا دائرہ وسیع نہ ہو گیا۔ شمالی افریقہ اور اور بلادِ اُندلس کی تسخیر کے بعد بربر قوم سے بھی فوجی خدمات لی گئیں۔ بنی اُمیہ کا بھی عرب، جاہلیت کی طرح معمول تھا کہ وہ جنگوں میں عورتوں کو اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ چنانچہ مسلم بن عبدالملک نے جب عموریہ (ایشیائے کوچک میں قونیہ کے شمال میں) پر حملہ کیا تھا اُس وقت اس کے ساتھ بہت سی عورتیں بھی تھیں۔

قسطنطین نے عہدِ عباسیہ میں شام کے بعض شہروں پر ۱۳۸ھ میں حملہ کیا اور شہر ملطیہ پر قبضہ کر لیا اور اس کے قلعوں کو برباد کر دیا، مسلمانوں نے آئندہ سال اس شہر کو واپس لے لیا [illegible] مشہور ہے کہ اس میں خلیفہ منصور کی دو پھپھیاں جہاد میں شریک ہوئی تھیں۔ ان دونوں نے نذر مانی تھی کہ جب بنی اُمیہ کا جنازہ اُٹھ جائے گا تو وہ جہاد میں شریک ہونگی۔ اس جنگ میں بیزنطینی اور عباسی قیدیوں میں تبادلہ کیا گیا تھا، اور سات سال کے لئے دونوں حکومتوں کے درمیان ایک معاہدہ بھی ہوا تھا مگر ۱۴۰ھ میں یہ معاہدہ ختم کر دیا گیا اور موسم گرما میں حکومتِ روما پر پھر چڑھائی کر دی گئی۔ اس کے بعد ۱۴۰ھ سے ۱۴۶ھ تک رومیوں اور مسلمانوں میں کوئی جنگ نہیں ہوئی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ منصور کو علویوں کے استیصال کی وجہ سے دوسری طرف توجہ کرنے کا موقع نہ ملا، لیکن ۱۴۶ھ سے پھر موسم گرما میں حملے کئے گئے جو ۱۵۵ھ تک جاری رہے۔ ۱۵۵ھ میں قسطنطین نے منصور سے مصالحت کر لی اور سالانہ جزیہ دینا منظور کیا۔

فوج، عہدِ عباسیہ میں | عباسیوں نے اپنی فوج میں تمام مسلمانوں کو مساویانہ حیثیت سے جگہ دی اور عربوں اور غیر عربوں کی کوئی تفریق نہیں کی، خلفاء عباسیہ کے عہد میں فوج کی تعداد لاکھوں سے اوپر تھی۔ چنانچہ صرف عراق میں فوج کی تعداد 125000

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

تھی۔ یہ فوج ریاست کی منظم فوج تھی۔ اسے باقاعدہ تنخواہیں ملتی تھیں، فوج کی تعداد بڑھنے سے اُن کی تنخواہیں لازمی طور پر کم کرنا پڑیں۔ اس زمانہ میں ایک سپاہی کی تنخواہ بیس درہم (صہ۵) تھی، عہدِ عباسیہ میں منظم فوج کے علاوہ خانہ بدوشوں، کاشتکاروں اور شہریوں کی غیر منظم فوج بھی ہوتی تھی جو ضرورت کے وقت مذہبی جذبہ یا مادی اغراض کے لئے شریکِ جنگ ہو جاتی تھی۔

فوج کی تقسیم، افراد کی نوعیت کے لحاظ سے ہوتی تھی۔ ایک فوج جنگی فوج کہلاتی تھی، یہ فوج ایرانی تھی، اس میں خراسانیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ خلفاء کی یہ سیاست تھی کہ وہ شمالی عربوں اور جنوبی عربوں کو ایک دوسرے سے الگ رکھتے تھے، تاکہ وہ ایک دوسرے سے لڑتے لگیں، عباسیہ کا جب دورِ عروج ختم ہُوا، اس وقت فوج میں ایک جدید عنصر داخل ہُوا، جس کا اقتدار بہت جلد بڑھ گیا اور خراسانیوں سے زیادہ خطرناک دکھائی دینے لگا۔ یہ [illegible] سپاہی خیال کئے جاتے تھے۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

بنی اُمیہ کے آخری عہد تک فوج میں صرف عرب داخل تھے، عباسی ریاست جب ایرانیوں کے کندھوں پر قائم ہوئی تو قدرتی طور پر فوج میں ایرانی عنصر داخل ہو گیا۔ اور ایرانیوں کا اتنا اثر و رسوخ بڑھا کہ وہ خلافت کے رگ و ریشہ میں پیوست ہو گئے۔

۲۱۸ھ میں جب معتصم خلیفہ ہوا تو اس نے محسوس کیا کہ مملکت کی حفاظت کیلئے ایک زبردست فوج کی ضرورت ہے، اس مقصد کے لئے اس نے صدہا ترکوں کو فوج میں داخل کیا، وجہ یہ تھی کہ معتصم کی ماں ترک تھی۔ فوج میں داخل کرنے کے لئے ترکوں کو بلاد ماوراء النہر سے لایا جاتا تھا۔ معتصم حسن صورت، حسن کمال، شجاعت اور اسلام کے شیفتہ ہونے کی وجہ سے ترک غلاموں پر بیحد اعتماد کرنے لگا اور اپنے قصر کی حفاظت انہی کے سپرد کر دی اُنہیں بڑے بڑے عہدے دیے۔ بڑے بڑے صوبوں کا گورنر مقرر کر دیا اور انعام و اکرام کی بارش کر دی اور عربوں اور ایرانیوں دونوں پر ان ترکوں کو ترجیح دی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عربوں اور ایرانیوں کے جذبوں کی غیرت کو ٹھیس لگی اور وہ حسد سے جلنے لگے، عرب اور عربوں

کے جنرل خاص طور پر ترکوں سے بیزار تھے اور ترکوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کیلئے تدبیریں سوچنے لگے۔ ان عربوں نے عباس بن مامون کو خلافت کا دعویٰ کرنے پر آمادہ کیا اور طرح طرح کی سازشیں کرنے لگے، معتصم کو اس سازش کی خبر ہو گئی اور عباس کو اس نے قتل کرا دیا۔

اس سازش کا اثر یہ ہُوا کہ معتصم کو عرب اور ایرانی جنرلوں سے بدگمانی اور نفرت پیدا ہو گئی اور آہستہ آہستہ انہیں نکالنا شروع کر دیا۔ "دیوانِ عطا" کی فہرست سے ان سب کے نام خارج کر دیئے گئے اور اب معتصم کا ترکوں پر پہلے سے زیادہ اعتماد ہو گیا، اور ان کی تعداد بڑھا کر ستر ہزار تک پہنچا دی گئی، ان غیر معمولی عنایات سے ترکوں کا دماغی توازن بگڑ گیا اور ان کی شرارتوں اور بیہودگیوں کی کوئی انتہا نہ رہی اور وہ مدہوشی کے عالم میں بچوں اور بوڑھوں کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندتے ہوئے گذر جاتے اور کوئی پروا نہ کرتے تھے ان حرکتوں کی وجہ سے عام لوگوں میں ہیجان پیدا ہو گیا اور حکومت سے ان کے خلاف احتجاج [illegible] کی نزاکت [illegible] اور دجلہ کے مشرقی سمت ایک شہر "سامرا" تعمیر کرایا اور اُسے دار الخلافت قرار [illegible] سے یہ بلا دور ہو گئی۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

کچھ عرصہ بعد خود معتصم کو اپنے لئے ان ترکوں سے خطرہ نظر آنے لگا۔ اگر معتصم اس وقت بھی سیاسی تدبّر سے کام لیتا تو عرب جنرلوں کی امداد سے خلافت کے اقتدار کو بچا سکتا تھا۔ مگر معتصم کی لااُبالی طبیعت نے ان کی طرف سے سہل انگاری برتی اور یہ تخریبی عناصر ترقی کرتے رہے، جب واثق خلیفہ ہُوا تو اس نے ایک قدم اور بڑھایا اور ان ترکوں کو حکومت کے نظم ونسق میں بھی دخیل کر لیا، نتیجہ یہ ہُوا کہ وہ حکومت پر چھا گئے اور خلیفہ بے دست وپا ہو گیا، واثق کے بعد متوکل نے ان کے اثر و اقتدار کو گھٹانے کا ارادہ کیا، انجام یہ ہُوا کہ ان ترکوں نے اُسے موت کے گھاٹ اُتار دیا، اس کا بیٹا مستنصر بھی اس قتل میں شریک تھا۔ اب دولتِ عباسیہ سازشوں اور بدنظمی کی جولانگاہ تھی اور اُس وقت ترک امراء کے اختیار میں خلیفہ کا عزل ونصب اور حبس وقتل تھا۔ سمندِ ناز پر تازیانہ یہ تھا کہ فوجی جنرلوں میں رقیبانہ کشمکش جاری تھی جس نے حالت کو بد سے بدتر بنا دیا تھا۔

یہ بیان کرنا بے محل نہ ہو گا کہ خلافتِ راشدہ، بنی اُمیہ اور بنی عباس کے دور میں جو

شورشیں اُٹھیں اُن میں عرب فوجوں کا نمایاں حصہ رہا ہے۔ یہ اپنے حریف کے مقابلہ میں جب اشتراکِ عمل کرتی تھیں اُس وقت یہ آگ اور مشتعل ہو جاتی تھی۔

عہدِ عباسیہ کا مشہور اور ممتاز جنرل ابو مسلم خراسانی تھا، جس کی قیادت میں مشرقی خراسان کی فوج تھی، دوسرا درجہ عبداللہ بن علی عباسی کا تھا جو مغربی بلاد کی فوج کا سپہ سالار تھا۔ اس فوج میں اکثر بلاد الجزیرہ اور شام کے عرب سپاہی شامل تھے۔ جب عبداللہ بن علی نے منصور کے خلاف بغاوت کی اور ابو مسلم خراسانی نے اپنی خراسانی فوج سے اُسے شکست دی، یہ شکست سچ پوچھو تو ایرانیوں کے مقابلہ میں عربوں کی شکست تھی۔ صرف عبداللہ کی شکست اور ابومسلم کی فتح نہ تھی۔ اس فتح سے فوجوں میں خراسانیوں کا پلّہ بھاری ہو گیا اور وہ خلافت پر چھانے لگے، منصور کو ابو مسلم اور اس کی فوج سے اب خطرہ پیدا ہوا اور اُس نے ابو مسلم کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور خراسانیوں پر اعتماد کرنا چھوڑ دیا۔ عربوں میں ابھی عصبیت کا جذبہ باقی تھا [illegible] عربوں کو داخل کیا اور اپنی فوج کی قیادت بھی انہی کے سپرد کی [illegible] عرب جنرلوں میں عیسیٰ بن موسیٰ کی شخصیت نمایاں تھی جس نے محمد بن عبداللہ علوی (جس کا لقب نفسِ زکیہ تھا) کو شکست دی تھی۔ عربوں میں ایک ممتاز جنرل معن بن زائدہ شیبانی تھا، یہ بنی اُمیہ کا جنرل تھا، اس نے واسط میں حاکمِ عراق یزید بن عمر سے مردانہ وار مقابلہ کیا تھا، لیکن بد قسمتی سے جب ابن عمر کو کامیابی ہوئی تو معن بن زائدہ روپوش ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد جب راوندیوں[۱] نے منصور کے خلاف بغاوت کی اس وقت ابن زائدہ نے منصور کی طرف سے ان کا مقابلہ کیا اور انہیں تتر بتر کرا دیا۔ اثنائے جنگ میں ابن زائدہ ڈھاٹا باندھے ہوئے تھا، لڑائی ختم ہونے کے بعد منصور کو معلوم ہوا تو اُس نے اُسے جان کی امان دی، اور دس ہزار درہم انعام دیے اور اسد الرجال (شیرِ مرداں) کا خطاب دیا۔ کچھ مدت بعد ابن زائدہ کو بلادِ یمن سجستان کا گورنر بھی مقرر کیا گیا۔ ۱۵۱ھ میں خارجیوں نے اُسے شہر بست میں قتل کر دیا۔[۲]

---

[۱] خراسان کی ایک قوم تھی جو تناسخ کی قائل تھی اور ابو مسلم خراسانی کی ہمنوا تھی [۲] طبری ج ۹ ص ۱۷۲-۱۷۵۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

منصور کا سب سے بڑا جنرل عمر بن العلائ تھا، منصور ۱۴۱ھ میں جب اہل طبرستان کی سرکوبی کے لئے نکلا اس وقت ابن العلاء نے ایک طویل عرصہ تک ان کا مقابلہ کیا اور انہیں شکست فاش دی اور دوبارہ ان کے شہروں پر قبضہ کر لیا۔ اس شجاعانہ کارنامہ سے منصور بیحد متاثر ہوا اور ابن العلا منصور اور مہدی کی مہربانیوں کا ہمیشہ مرکز رہا۔ مہدی کے عہد خلافت میں ابن العلا نے وفات پائی[1]

عصبیت جیش عباسی میں مضریوں کے مقابلہ میں "مرج راہط" کی جنگ میں یمنیوں کی کامیابی کا نتیجہ یہ ہوا کہ یمن کے مروانی خاندان کا اقتدار بڑھ گیا۔ شام و عراق میں یمنیوں اور مضریوں کی کشمکش کا انجام یہ ہوا کہ بنی اُمیہ کے آخری خلیفہ مروان بن محمد کو زاب (موصل اور اربل کے درمیان ایک موضع) کے مقام پر شکست ہوئی۔ ابن محمد کی شکست کے ساتھ بنی اُمیہ کا آفتاب حکومت بھی غروب ہو گیا اور ان کی ہڈیوں پر بنی عباس کی سلطنت کی تعمیر ہوئی [illegible]

عصبیت، عباسیہ کی قیام دولت اور ضعف و انحطاط دونوں کا باعث ہوئی، بلادِ مغرب میں ان حجازیوں کے درمیان جنہوں نے ان بلاد کو فتح اسلامی کے بعد وطن بنا لیا تھا اور ان شامیوں کے درمیان جو عہد عباسی میں آ کر یہاں آباد ہوئے تھے۔ شدید عصبیت پیدا ہو گئی اور بربر نے ادریس بن عبداللہ علوی کی پشت پناہی سے مراکش میں ادارسہ کی حکومت کی بنیاد ڈالی، یہ مہدی کے دورِ خلافت کا ذکر ہے[2]۔ بلادِ اندلس میں یمنیوں اور مضریوں میں اور زیادہ عصبیت تھی، وہاں سے خلافتِ عباسیہ کے اقتدار کے خاتمہ اور اس کی جگہ اندلسی دولت بنی اُمیہ کے قیام میں اس عصبیت کا بہت بڑا دخل تھا۔ عباسی فوج میں یہ عصبیت صرف یمنیوں اور مضریوں کے درمیان قبائلی تنگ نظری تک محدود نہ تھی بلکہ اس کا دائرہ قومی عصبیت تک وسیع تھا، اس قومی عصبیت کے جراثیم معتصم کے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے، ممکن تھا یہ

[1] طبری ج ۹ ص ۱۷۷ [2] مروج الذہب ج ۲ ص ۱۵۵ - ۱۵۸ -

[3] Sir William Miur. The Caliphate its Rises Decline and fall P. 470

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

عصبیت معتصم کا خاتمہ اُس وقت کر دیتی جب وہ بیزنطی شہنشاہ تیوفیل سے جنگ کرنے نکلا تھا۔ لیکن حسنِ اتفاق سے وہ بچ گیا تھا، سچ پوچھیے تو اس عصبیت کے لئے اس وقت میدانِ عمل وسیع نہ تھا کیونکہ فوج میں عربوں کا اقتدار ترکوں کے مقابلہ میں کچھ نہ تھا" خلافت" ترکوں کی پشت پناہ تھی، عرب بے یار و مددگار تھے۔ اس لئے نہایت آسانی سے ترکوں نے عربوں کو ایک ایک کر کے فوج سے نکال باہر کیا۔ اور اپنے اثر و اقتدار سے اُن کے نام دیوانِ عطاء سے خارج کرا دیے۔ عرب مجبوراً شہریوں میں گھل مل گئے اور اپنی معاشی ضرورتوں کے لئے زراعت، صنعت اور تجارت کے کاروبار میں منہمک ہو گئے۔

فوج کے اسلحہ عربوں کی ریاست (state) اسلحہ اور سامان جنگ پر بے دریغ روپیہ صرف کرتی۔ ان کی فوج، سوار اور پیادہ دو حصوں میں تقسیم تھی، سوار زرہ، تلوار اور نیزوں اور پیادہ زرہ، چھوٹے نیزوں اور تیر و کمان سے مسلح ہوتے تھے۔

اہلِ عرب [illegible] تھے [illegible] اپنی [illegible] اور اپنی معاشی ضرورتیں مہیا کرنے کے لئے استعمال کرتے تھے، تیر و کمان چلانے میں انہیں بہت مہارت تھی۔ وجہ یہ تھی کہ ایک تو ان کی بینائی تیز تھی۔ دوسرے انہیں شکار وغیرہ میں تیر و کمان سے کام لینے کا بہت اتفاق ہوتا تھا، ان کے نشانہ کی یہ کیفیت تھی کہ اگر وہ ہرن کی صرف ایک آنکھ میں تیر کا نشانہ مارنا چاہتے اور دوسری میں نہ چاہتے تو ان کا تیر ٹھیک نشانہ پر بیٹھتا تھا۔

اسلام کے ابتدائی دور میں جب مسلمانوں اور رومیوں کا مقابلہ ہوا، اس وقت مسلمانوں کی تیر اندازی کی مہارت نے رومیوں کو سخت نقصان پہنچایا، کیونکہ رومی تیر اندازی میں ماہر نہ تھے، اس لئے ان کا یہ پہلو کمزور تھا۔ مسلمان جنرلوں نے ان کی اس کمزوری کو بھانپ لیا اور وہ اپنی فوج کو خاص طور پہ تیر اندازی کی ٹریننگ دیتے تھے، غالباً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ منبر پر کھڑے ہو کر رومیوں کی اسی کمزوری کی طرف اشارہ فرمایا تھا "دشمنوں کے مقابلے کے لئے زیادہ سے زیادہ فوجی طاقت پیدا کرو۔ تیر اندازی کی مہارت، تیر اندازی کی مہارت، تیر اندازی کی مہارت "۔[۲]

۱؎ Miur, The caliphate. P. 512. ۲؎ صحیح مسلم و سنن ابن ماجہ باب الجہاد۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بنی ثقیف کا طائف کے قلعوں میں محاصرہ کیا، تو بنی ثقیف نے اوپر سے تیروں کی بارش کردی اُس وقت آپ منجنیق استعمال کرنے پر مجبور ہوئے اسلام میں منجنیق استعمال کرنے کا یہ پہلا موقع تھا۔[1] آنحضرتؐ نے وہاں ٹینکوں اور ضنبوروں سے بھی کام لیا تھا، ٹینکوں میں اندر بیٹھ کر مسلمان قلعہ کی دیوار تک پہنچتے اور قلعہ کی دیواروں میں نقب لگاتے، ان ٹینکوں کی وجہ سے دشمنوں کے تیروں کی زد سے محفوظ رہتے ضنبوروں میں بیٹھ کر قلعوں کے قریب پہنچتے اور قریب سے دشمنوں پر تیراندازی کرتے اور خود مامون رہتے تھے۔[2]

پیادہ فوج میں تیرانداز سب سے اہم عنصر خیال کیا جاتا، جنگ کے وقت پیادہ سپاہ صف بستہ کھڑی ہوتی، اُس کے آگے نیزہ باز۔ سواروں کے حملوں کو روکنے کے لئے کھڑے ہوتے تھے۔ پیادہ فوج گھٹنوں تک قبائیں اور پائجامے اور جوتے پہنے ہوتی تھی۔ سوار زرہ اور خود پہنے ہوتے [illegible] تلوار کا ہوتا تھا اور ان میں [illegible] کندھوں سے پر لٹکے ہوتے تھے۔

UNREGISTERED VERSION

ایرانی اور دوسری متمدن قوموں سے عربوں کے اختلاط کا اثر ان کے اسلحہ جنگ میں اصلاح اور ترقی کی صورت میں ظاہر ہُوا، عرب اپنے حریفوں سے نہ صرف اسلحہ اور ان کے استعمال کے لحاظ سے امتیازی حیثیت کے مالک تھے بلکہ وُہ جوشِ جہاد، صبر و ضبط، ایثار نفس ناموس دین کی حمایت اور پھُرتی کے لحاظ سے بھی ممتاز تھے۔

www.avs4you.com

دولتِ عباسیہ کے شروع میں "عرض جیش" فوج کی ٹریننگ کا جزو خیال کیا جاتا تھا خصوصاً منصور کے عہد میں، جس نے جنگی مسائل سے بہت دلچسپی کا اظہار کیا تھا اور وہ اُسے بہت دلچسپ مشغلہ خیال کرتا تھا کہ خود پہلے تخت پر بیٹھا ہو اور فوج کو اس کے سامنے پیش کیا جائے اس کے زمانہ میں فوج کے تین حصے تھے۔ شمالی عربوں کی فوج (مضر) جنوبی عربوں کی فوج (یمنی) اور خراسانیوں کی فوج۔

متوکل جب خلیفہ ہوا تو اس نے تمام فوج کی قدیم وردی بدل دی، اور ان کی خاکی وردی مقرر کی اور تلواروں کو گردنوں میں حمائل کرنے کی جگہ کمر سے لٹکانے کا حکم دیا۔

---

[1] ابن ہشام ج ۳ ص ۳۰۳ [2] تاریخ الاسلام السیاسی ص ۱۸۲

عباسی دور میں فوج کا نظام موجودہ زمانہ سے بہت ملتا جلتا تھا، اس زمانہ میں جاسوسی کا نظام بھی قائم تھا، یہ خدمت مرد و عورت دونوں انجام دیتے تھے۔ جاسوس، تاجروں، طبیبوں وغیرہ کے بھیس میں ہمسایہ ملکوں میں جاتے اور اپنی مملکت کو وہاں سے اطلاعات بھیجتے تھے لیکن عربوں کی جاسوسی بیزنطینی قلمرو میں کچھ زیادہ کامیاب نہ ہو سکی تھی یہ حکومت مسلمانوں کی حکومت کی حریف تھی اور عہدِ ماضی میں فنونِ جنگ میں بیزنطی عربوں کے استاد تھے۔

عرب اغریقیوں کی غارت گریوں کو روکنے کے لئے سرحدی قلعوں میں قیام پذیر رہتے تھے، یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ سرحدی جنگ کے لئے اس زمانہ میں غیر معمولی فوجی صلاحیت بیدار مغزی اور بے جگری کی ضرورت تھی، سوریا کی وہ سرحد جو ایشیائے کوچک کے مقابل میں ہے، عربوں کے لئے ہمیشہ خطروں کی آماجگاہ تھی، ایک طویل مدت تک مسلمانوں اور اغریقیوں میں وہاں مقابلہ رہا۔ کبھی عربوں کا پلہ بھاری رہتا کبھی اغریقیوں کا۔ اور طرسوس، اذنہ، مصیصہ مرعش، [illegible] میں [illegible] بیزنطیوں کے قبضے میں چلے جاتے۔

UNREGISTERED VERSION

منصور نے طرسوس، اذنہ، مرعش اور ملطیہ پر تسلط قائم کرنے کے بعد وہاں مزید فوجی استحکامات کا انتظام کیا تھا اُن کی از سرِ نو تعمیر کی تھی اور ان کا نام "ثغور" رکھا تھا۔

www.avs4you.com

ہارون رشید جب خلیفہ ہوا تو اس نے ان "ثغور" کو ایک مستقل صوبہ بنا دیا اور وہاں ایک خاص فوجی نظام مقرر کیا، وہاں قلعے تعمیر کیے اور حفاظت کے لئے ایک مستقل فوج رکھ دی، اس فوج کی تنخواہ باقاعدہ دی جاتی تھی اور اس فوج کو اس بات کی بھی اجازت دیدی کہ وہ زمینوں کو آباد کریں، جوتیں اور بوئیں۔ اس کی وجہ سے مسلسل جنگوں کے باوجود اس صوبہ کو غیر معمولی ترقی ہوئی اور وہ فلاح و بہبودی اور خوشحالی کے لحاظ سے اس زمانہ میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ یہ حالت واثق باللہ کے عہدِ خلافت تک قائم رہی۔ واثق باللہ کے زمانہ سے اس کی ترقی معکوس ہو گئی تھی، اس صوبہ کی عام خوشحالی اور دولت و ثروت کی وجہ سے بہت سے شعراء اور علماء یہاں آباد ہو گئے تھے اور نہایت اطمینان سے علماء وہاں درس و تدریس میں مشغول رہتے اور شاعر شاعری کیا کرتے تھے۔

فوج کی قیادت: دورِ رسالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی فوج کے

جنرل تھے۔ خلافتِ راشدہ کے ابتدائی دور میں یہ ذمہ داری خلفائے اپنے سر لی، لیکن جب ان خلفاء کی ذمہ داریاں بہت زیادہ بڑھ گئیں اور فوجیں مختلف مقامات پر جنگ میں مصروف تھیں اس وقت خلیفہ کے لئے یہ دشوار تھا کہ وہ فوج کی قیادت کر سکے، اس لئے اب ایسے شخص کو قیادت سونپ دی جاتی تھی جو شجاعت، قوت اور جرأت و حوصلہ میں بے مثل ہوتا تھا اور غیر معمولی فوجی قابلیت رکھتا تھا، اس شخص کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ وہ نہایت ذکی اور مدبر ہو۔ یہ بیان کرنے کی شاید حاجت نہیں کہ جنرل کو اپنی فوج پر پوری سیادت حاصل ہوتی تھی۔

ایک کامیاب جنرل کے لئے شیر کی جرأت، سوّر کی بے حسی، لومڑی کی فریب کاری، کتے کا صبر و ضبط، کرگی کا چوکنا پن، بھیڑیے کی غارت گری، مُرغ کی فیاضی، مُرغی کی شفقت (اپنے بچوں سے) کوّے کی احتیاط، اور تعوّد کی جفاکشی لازمی خیال کی جاتی تھی[1]

UNREGISTERED VERSION

خلیفہ کی طرف سے سپہ سالار کی اطاعت بھی ضروری تھی، وہ خلیفہ کا قائم مقام ہوتا تھا۔ اور خلیفہ کے قائم مقام کی حیثیت [illegible] گر کسی جگہ چند جنرل جمع ہو جاتے تو خلیفہ کسی ایک جنرل کو امارت کے لئے متعین کر دیتا۔ یہ سپہ سالار "قائد القواد" یا کمانڈر انچیف کی حیثیت رکھتا تھا۔ خاتمہ جنگ کے بعد جنرلوں کے فرائض فوج کی تعلیم و تربیت اور سامانِ جنگ اور اسلحہ جات کی فراہمی تک محدود ہوتے تھے۔

www.avs4you.com

عرب جنرلوں کا طریقہ جنگ کی تنظیم و ترقی اور اصلاح میں بہت بڑا حصہ ہے۔ عرب جاہلیت میں لڑنے کے دو طریقے یعنی "کرّ و فرّ" رائج تھے۔ عرب اپنے دشمن پر جارحانہ حملہ کرتے یہ "کرّ" تھا اور جب وُہ اپنے اندر کچھ ضعف اور تھکن محسوس کرتے تو پیچھے ہٹ آتے اور پھر سستانے کے بعد دشمنوں پر ٹوٹ پڑتے۔ یہ "فرّ" کہلاتا تھا۔ عہد جاہلیت میں عربوں کا یہی طریقہ جنگ تھا جو کسی نظام کے بغیر رائج تھا۔

اسلام کے بعد عرب جنرلوں نے اس طریقہ کو ناکافی خیال کیا اور تجربات سے معلوم ہُوا کہ یہ طریقہ ایک منظم فوج کے لیے مناسب نہیں ہے، قرآن نے ان الفاظ میں طریقہ جنگ

---

[1] الفخری۔ ص ۵۷ [2] آیت ۴ سورہ صف

میں اصلاح کی طرف اشارہ فرمایا۔" بلاشبہ! خدا ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو خدا کے راستہ میں صف باندھ کر "بنیان مرصوص" کی طرح لڑتے ہیں۔" چنانچہ مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نماز کی طرح صف باندھ کر لڑنا شروع کرتے تھے اور برابر سب دشمن کی طرف بڑھتے اور ایک انچ بھی آگے پیچھے نہیں ہوتے۔

بنی اُمیہ اور بنی عباس کے زمانہ میں عربوں کا اختلاط ایرانیوں سے بڑھ گیا۔ اور عربوں نے ایرانیوں سے فوجی تنظیم سیکھی اور ایرانیوں کی طرح فوج کو ہراول یا مقدمۃ الجیش (یہ سوار ہوتے) قلب (جہاں بادشاہ یا سپہ سالار ہوتا تھا) میمنہ، میسرہ اور ساقہ میں تقسیم کر دیا اور صف بندی کے پُرانے طریقہ کو چھوڑ دیا، عربوں نے تہذیب و تمدن میں ترقی کیساتھ ساتھ اس میں طرح طرح کی اور بھی اصلاحیں کیں۔

[illegible] - اور جنگ پر جاتے وقت مستحکم اور مضبوط شہروں میں عورتوں کے قیام کا انتظام کر دیا جاتا تھا۔[1]

جنرل فوج کے سا[illegible]ے، مگر جو فوجی نظام برباد کرتا یا مفتوحہ ممالک کے کسی شہری سے بدسلوکی سے پیش آتا اُسے سخت سزائیں دی جاتیں شراب کی حرمت نے ان کے اخلاق کو اعتدال پر رکھنے میں بہت سہارا دیا تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ کوئی سپاہی چار ماہ سے زیادہ اپنے اہل و عیال سے علیحدہ نہیں رہتا تھا، چار ماہ کے بعد اُسے چھٹی مل جاتی اور چند ماہ کے لئے اپنے گھر چلا جاتا۔[2]

سپاہیوں کا جذبۂ جہاد آیات قرآنی کی تلاوت سے بیدار کیا جاتا تھا۔ اور طبل جنگ اور فوجی بینڈ دلوں میں امنگ پیدا کرنے کے لئے بجائے جاتے تھے، عرب کا سپاہی جانبازی میں مشہور تھا۔ اس کا اعتقاد تھا کہ خدا کے راستہ میں مرنے کے بعد سیدھا جنت میں جاؤں گا جہاں حوریں میرے استقبال کے لئے منتظر کھڑی ہوں گی۔

---

۱ Sayed Ameer Ali P. 64 ۲ Ibid. P. 64,65

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

مصر کی فوج

عہد طولون اور اخشیدیہ میں

ابن طولون نے ایک بے پناہ فوج سوڈانیوں اور رومیوں کی طیار کی تھی، انکی کثرت کی وجہ سے شہر عسکر جس کی بنیاد صالح بن علی عباسی اور اس کے جانشین ابو عون گورنر مصر نے ڈالی تھی، ناکافی ثابت ہوا، اس تنگنا ہی کی وجہ سے ابن طولون نے اپنا دارالحکومت مدینۃ القطائع کو قرار دیا اور وہاں فوج کے مختلف ڈویژن سوڈانیوں، نوبیوں وغیرہ کے منتقل کر دیے گئے۔ ابن طولون نے اپنے قصر میں ایک ایسی جگہ بنوائی تھی۔ جہاں وہ فوج کا مظاہرہ اور پریڈ بخوبی دیکھ سکتا تھا۔ جب ابن طولون "باب اوسط" سے باہر نکلتا اور اس کی فوج دو [illegible] ڈسپلن کو دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

طولونیوں نے فوج کی طرف حد درجہ اہتمام سے کام لیا، اس کا اندازہ خمارویہ کے اس جلوس سے کیا جا سکتا تھا جس کا مظاہرہ شکار، سیر و تفریح یا عید اور دوسرے جشنوں کے موقعوں پر ہوتا تھا، شاہانہ جلوس کی ہیبت اور جاہ و جلال اُس وقت سے اور بھی بڑھ گیا تھا جب سے بنی حوف باڈی گارڈ کی حیثیت سے ساتھ چلتے تھے، بنی حوف لٹیرے تھے یہ نڈر اور غیر معمولی بہادر خیال کئے جاتے تھے، ملک کو ان کے شر سے بچانے کے لئے خمارویہ نے انہیں اپنی خدمت میں رکھ لیا تھا اور ان کی تنخواہیں اور وظیفے مقرر کر دیئے تھے۔ بعد میں انہیں اپنا محافظ اور باڈی گارڈ بنا لیا تھا، یہ دیباج اور ریشم کی قبائیں پہنتے تھے، چوڑے اور بوجھل پٹکے کمر سے باندھتے اور مزین تلواروں کو کمر سے لٹکائے ہوتے تھے ان کے پیچھے مختلف فوجی دستے ہوتے، ان کے پیچھے ایک ہزار سوڈانی سپاہی ہوتے تھے، جو لوہے کی بنی ہوئی مضبوط زرہیں پہنے ہوتے تھے اور زرہوں کے اوپر قبائیں اور سیاہ عمامے باندھے ہوتے تھے، ان کے سیاہ رنگ اور ان کے سیاہ کپڑوں کی وجہ سے ایسا نظر آتا تھا،

جیسے ایک سیاہ سمندر لہریں مار رہا ہے۔ اُن کی زرہ کی چمک دمک، تلواروں کی جھلک، اور عمامہ کے نیچے سے خیرہ کن خودوں کی چمک اور تازیانہ تھی۔ جب یہ سوڈانی گزر جاتے تو خمارویہ نکلتا تھا۔ اس کے ساتھ خاص باڈی گارڈ ہوتا تھا، خمارویہ اس وقت ایک گھوڑے پر سوار ہوتا تھا، جس پر شان و شکوہ اور رعب و دبدبہ برستا تھا۔ جب وہ چل دیتا تو اور لوگ بھی چلنے لگتے اور پھر نہایت گہری خاموشی کے ساتھ فوج روانہ ہوتی تھی۔ عید کے جلوس میں خمارویہ تلوار بھی لٹکائے ہوتا تھا۔

اخشیدیہ کے عہد میں مصر فوجی قوت اور مال و دولت کی زیادتی کی وجہ سے ممتاز تھا اس وقت فوج کی تعداد چار لاکھ نفوس تھی، جو ترکی اور رومی سپاہیوں پر مشتمل تھی، اس میں اخشید کی خاص باڈی گارڈ فوج شامل نہیں ہے، اس فوج کے سپاہیوں کو تنخواہیں باقاعدہ دی جاتی تھیں اور ایک دن کی بھی تاخیر نہیں ہوتی تھی، وسائل آمدنی نے اس کی دولت میں کثیر اضافہ کر دیا تھا۔

UNREGISTERED VERSION

اخشید کے عہد میں محمد بن رائق خزری نے مصر پر حملہ کر دیا تھا، یہ حملہ خلیفہ عباسی کے

www.avs4you.com

اشارہ سے کیا گیا تھا۔ اخشید نے ابن رائق کو عریش کے مقام پر شکست دی۔ یہ ۳۲۸ھ کا ذکر ہے۔ اس زمانہ میں سیف الدولہ حاکم حلب نے بھی حملہ کیا تھا۔ لیکن اُسے بھی ناکامی اٹھانا پڑی تھی۔ اخشید کی قلمرو حکومت میں مکہ، مدینہ اور شام داخل تھے۔ اخشید نے اپنے گورنروں اور جنرلوں سے اپنے بیٹے انوجور کے لئے جبراً ولی عہدی کی بیعت لی تھی۔

انوجور کے عہد میں فوج دو پارٹیوں میں تقسیم ہو گئی تھی، ایک اخشیدی پارٹی تھی جس میں خاندان اخشید کے غلام اور اُن کے حامی داخل تھے، دوسری پارٹی کافور کی تھی، اس میں کافور اور اس کے حامی شامل تھے۔

عہد فاطمیہ فاطمیوں نے اپنے دشمنوں سے تحفظ کے لئے ایک عظیم الشان فوج جمع کی تھی۔ یہ فوج دو حصوں میں تقسیم تھی، ان دونوں فوجوں کا ایک مخصوص یونیفارم تھا۔ فوج کے ڈویژن چند عناصر سے مرکب ہوتے تھے، ان میں مغاربہ، ترک، کرد، غز، ویلم، مصامدہ (مغرب کے بربر کا ایک با اثر اور طاقتور قبیلہ) اور سوڈانی امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ ہر ڈویژن کا

ایک افسر ہوتا تھا جو اپنے ڈویژن کو ٹریننگ دیتا تھا اور جنگ کے وقت صف بندی اور کمان کرتا تھا۔ ان میں سے بعض ڈویژن خلفاء کے نام کے ساتھ منسوب تھے۔ مثلاً حافظیہ (خلیفہ فاطمی حافظ الدین اللہ)، آمریہ (آمر باحکام اللہ خلیفہ فاطمی)، اور بعض وزراء کے نام سے منسوب تھے۔ مثلاً جیوشیہ (امیر الجیوش بدر جمالی وزیر اعظم) افضلیہ (وزیر اعظم افضل بدر جمالی)[1]

مستنصر باللہ کے عہد میں "جبر خلیج" جو فوجی مظاہرہ ہوا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فاطمیہ کے عہد کی فوجیں منظّم صف بندی کی شکل میں یکے بعد دیگرے چلتی تھیں، آگے بربر ہوتے تھے، ان کے بعد مغاربہ ہوتے تھے، ان کے پیچھے مشرقیوں یا ترکوں اور ایرانیوں کے فوجی دستے ہوتے تھے اور ان کے پیچھے حجازی اور سوڈانی فوجیں ہوتی تھیں۔

خلفاء کا معمول تھا کہ وہ فوجوں کی روانگی کا منظر "باب فتوح" کے دیدبان سے دیکھا کرتے تھے اور ان کو بڑی حوصلہ افزائی کرتے تھے جو [illegible] میں بھیجی جاتی تھیں، جہاں کے لوگ فاطمیوں کے اقتدار کے خلاف شورش اور بغاوتیں کرتے رہتے تھے فاطمی خلفاء نے ان کی خاص طور سے حوصلہ افزائی کی تھی، فوجوں کی روانگی کے وقت سپہ سالار کو خلیفہ کے سامنے کھڑے ہونے کی عزت نصیب ہوتی تھی۔ اس وقت خلیفہ سپہ سالار کو خلعت دیتا تھا۔ جنگی ساز و سامان، خورد و نوش وغیرہ کا سامان اور دوسری ضروری چیزیں وزیر بیت المال اس وقت سپہ سالار کے حوالہ کرتا تھا، فوج کی روانگی کے وقت دیدبان کی کھڑکیاں کھلی ہوتی تھیں، جب فوج کو خلیفہ کا چہرہ نظر آتا تھا تو وہ زمین بوس ہو جاتی تھی، پھر خلیفہ اشارہ کرتا تھا اور لشکر آگے بڑھ جاتا تھا، جب یہ فوجی مظاہرہ ختم ہو جاتا تو امیر البحر خلیفہ کے سامنے حاضر ہوتا اور اسے خلعت دی جاتی۔ پھر بیڑا روانہ ہو جاتا تھا[2]

ایوبیوں اور مملوکوں کا عہد ایوبیوں کے دور حکومت میں صلاح الدین ایوبی نے کردوں کی ایک عظیم الشان فوج بنائی تھی، یہ فوج دولت ایوبی کیلئے وجہ استحکام ثابت ہوئی تھی[3]

---

[1] صبح الاعشیٰ - ج ۳ ص ۴۸۲ [2] صبح الاعشیٰ جلد ۳ - ص ۵۲۳ - ۵۲۴

[3] بدائع الظہور (ابن ایاس) ج ۱ ص ۷۰

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

اس فوج نے بڑی وفاداری سے دولتِ ایوبی کی بنیادیں مستحکم رکھی تھیں، ملک صالح نجم الدین ایوب نے اپنے زمانہ میں ایک بہت بڑا لشکر جمع کیا، ان میں ترکوں کی تعداد زیادہ تھی[1] یہ ترکوں کے احسان کا عملی اعتراف تھا۔ صالح اور اس کے بھائی عادل میں جب حکومت کے بارے میں حریفانہ کشمکش تھی اور عادل نے صالح کو کرک کے قلعہ میں نظر بند کر دیا تھا اس وقت مملوکوں نے انتہائی وفاداری کا ثبوت دیا تھا اور رہائی کے وقت تک یہ برابر رفاقت کا حق ادا کرتے رہے تھے۔ ان مملوکوں کی تعداد کوئی اسیّ تھی۔ جب صالح اپنے بھائی عادل کے بعد بادشاہ ہوا تو اس نے ان مملوکوں کے ساتھ بہت احسانات کئے۔ اسے انکی وفاداری اور صبر وضبط کا اندازہ ہو گیا تھا اس نے انہیں کثرت سے خریدا[2] اور ان کے لئے "جزیرۂ روضہ" میں ایک قلعہ بنایا جس میں بہت بڑی مقدار جنگی سازو سامان، اسلحہ جات اور سامانِ خورد و نوش کی مہیّا کی اور وہاں ایک محل تعمیر کرا دیا، جس میں ساٹھ برج تھے۔ محل بننے کے بعد [illegible] قیام پذیر تھا۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

قلعۂ روضہ ایوبیوں کے زوال تک ان مملوکوں سے آباد رہا۔ جب معز ایبک نے مصر فتح کیا۔ اس وقت اس نے اس قلعہ کو منہدم کرا دیا، اور اس کے تمام ساز و سامان کو قلعۂ جبل میں منتقل کر دیا۔ ظاہر بیبرس کے زمانہ تک یہ کس مپرسی کے عالم میں پڑا رہا۔ بیبرس نے اس کی از سرِ نو تعمیر کرائی اور اُسے اسی معیار پر پہنچا دیا۔ جس پر صالح نجم الدین ایوب کے زمانہ میں تھا۔ جب عمارت کی تکمیل ہو گئی تو امراء اس کے برجوں میں قیام پذیر ہو گئے۔ جب منصور قلاوون (۶۷۸ھ ۔ ۶۸۹ھ، ۱۲۸۰ء ۔ ۱۲۹۳ء) مصر کا فرمانروا ہُوا تو اس نے مملوکوں کو قلعۂ جبل میں منتقل کر دیا اور وُہ ہمیشہ ان کا خیال رکھتا اور اُن کے ساتھ روزانہ دو چار لقمہ کھانا ضرور کھاتا تھا۔ ان مملوکوں کو شبانہ روز میں کسی وقت قلعہ چھوڑنے کی اجازت نہیں تھی۔ جب خلیل بن قلاوون (۶۸۹ھ ۔ ۶۹۳ھ، ۱۲۹۰ء ۔ ۱۲۹۳ء)

---

[1] Stanley Lane Pode, A History of Egypt in the, Middle Ages P. 243.

[2] الخطاط ج ۲ ص ۲۳۶ -

تخت پر بیٹھا تو اُس نے دن میں قلعہ سے باہر جانے کی اجازت دے دی، مگر شب کو باہر رہنے کی اجازت نہیں تھی۔ اس کے بعد ناصر بن محمد قلاوون نے قلعہ جبل کے اندر ایک وسیع میدان کا انتظام کیا اور شاہی مملوکوں کا اسے مرکز قرار دیا۔ اس زمانہ میں مملوکوں کو اس کی اجازت تھی کہ ہفتہ میں ایک بار خدام کے ساتھ حمام جائیں اور غروب آفتاب سے قبل قلعہ میں واپس آجائیں۔

ظاہر بیبرس نے اپنے دشمنوں سے مقابلہ کے لئے ایک عظیم الشان فوج جمع کی تھی۔ بیبرس نے کثرت سے مملوکوں کو خریدا تھا اور اس زمانہ کے مطابق جنگ اور دفاع کی نہایت اعلیٰ تربیت دلائی تھی۔ یہ وقت صلیبی جنگوں اور مغلوں کی لڑائیوں کا تھا۔ بیبرس نے ان کی فوجی ٹریننگ میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا تھا، فوج کے ہر دستہ کے لئے ایک فقیہ مقرر تھا۔ یہ قرآن، اصول اسلام اور نوشت و خواند کی تعلیم دیتا تھا، مملوکوں کے سن بلوغ تک یہ تعلیم جاری رہتی [illegible] کے بعد فوجی تربیت [illegible] جب [illegible]۔ تو وہ شاہی فوج میں داخل کر [illegible] جاتے تھے[1]

بیبرس کی فوج شاہی مملوکوں اور "جنود حلقہ" پر مشتمل تھی۔ ان دونوں کا یونیفارم اور ان کا مرتبہ مختلف تھا، شاہی مملوک مرتبہ اور قدر و منزلت کے لحاظ سے "جنود حلقہ" سے بڑھے ہوئے تھے۔ انہیں شاہی تقرب حاصل تھا، امراء دربار انہی میں سے مقرر کئے جاتے تھے "جنود حلقہ" میں ہر چالیس سپاہیوں پر ایک سپاہی افسر ہوتا تھا اسے اقتدار صرف جنگ و قتال کے وقت حاصل ہوتا تھا، ان کی فوجی تربیت اور صف بندی بھی جنگ کے وقت اسی افسر کے ذمہ ہوتی تھی۔ لیکن یہ افسر سلطان یا قائم مقام سلطان کی اجازت کے بغیر کسی فوجی کو برخاست نہیں کر سکتا تھا[2]

فوج کے یہ دونوں طبقے اپنے سروں پر زرد کلاہ بغیر صافہ کے اور جسموں پر سفید بعلبکی سوتی قبائیں پہنتے تھے۔ جن کے جیب و گریبان تنگ ہوتے تھے، بعض وقت یہ سرخ اور نیلی بھی ہوتی تھیں اور ان میں روئی کی گھنڈیاں لگی ہوتی تھیں[3]

---

[1] الخطط ج ۲ ص ۲۱۳، ۲۱۴ [2] صبح الاعشیٰ ج ۴ ص ۱۴، ۱۵ [3] الخطط ج ۲ ص ۹۰

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

جنگوں میں مملوک عام طور سے تلوار، نیزہ، تیر کمان کا استعمال کرتے تھے۔ ان کے علاوہ مملوکوں نے صلیبی اور تاتاری جنگوں میں منجنیق، ہلکے ٹینک اور گوپھنیں وغیرہ بھی استعمال کی تھیں۔

امراء اور فوج کے مخصوص مراتب اور امتیازات تھے۔ سلطان کی طرف سے ان امرا کو جاگیریں عطا کی جاتی تھیں، جہاں جاگیردار جا کر رہتے تھے اور اس کی پیداوار سے فائدہ اٹھاتے تھے جب جاگیر کے پٹہ کی مدت ختم ہو جاتی تھی یا جاگیردار مر جاتا تھا تو یہ جاگیر حکومت کی ہو جاتی تھی۔ سلطان وفادار اور معتمد امراء کے ساتھ یہ رعایت کرتا تھا کہ ان جاگیروں کو موروثی قرار دیدیتا تھا، فوج اور امراء کے لئے صرف یہ جاگیریں ہی نہیں ہوتی تھیں بلکہ مالِ غنیمت سے بھی ان کے حصّے مقرر تھے اور جاگیروں کے علاوہ حکومت کی طرف سے خورد و نوش وغیرہ کا الاؤنس علیحدہ ملتا تھا۔ کبھی یہ الاؤنس ان امراء کی اولاد کو بھی ملتا تھا جن کے پاس جاگیریں [illegible] ہوتی تھیں۔

UNREGISTERED VERSION

بیبرس سب سے [illegible] مملوکوں کی فوج کو منظم کیا، یہ ان کا ممتاز

www.avs4you.com

جنرل تھا، اس نے منصورہ کی جنگ میں غیر معمولی فوجی بصیرت کا مظاہرہ کیا تھا، اس کا جانشین عزالدین ایبک (شجرۃ الدر کا شوہر، بیبرس کا کمانڈر انچیف) ہوا تھا۔ مملوکوں کی فوج معمولاً خصوصاً مؤید کے زمانہ میں تین طبقوں میں تقسیم تھی۔ باقاعدہ فوج، جس کے اخراجات حکومت برداشت کرتی تھی، سلطان کے مملوک جن کے مصارف سلطان ذاتی طور پر برداشت کرتا تھا۔ یہ مملوک سلطان کے باڈی گارڈ کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ یہ مملوک نہایت ذی ثروت تھے۔ ان کا اثر و رسوخ، سلطانی تقرب اور شاہی نوازشوں کی وجہ سے بہت بڑھا ہوا تھا۔ تیسرے اُمراء کے مملوک تھے جن کے اخراجات اُمراء برداشت کرتے تھے یہ اُمراء کے باڈی گارڈ ہوتے تھے اور دشمنوں سے جنگ کے وقت ان کے پشت و پناہ ہوتے تھے۔

مملوکوں میں اس وقت بھی فوجی اسپرٹ باقی تھی۔ جب ان پر سلطان سلیم اول کا سیاسی اقتدار ہوا تھا۔ مملوک جنگوں میں اپنی فوج کی تنظیم اور ترتیب مربع شکل میں قائم کرتے تھے ان کی سوار فوج قلب میں ہوتی تھی جو بغیر کسی قسم کی ترتیب اور نظم کے میدانِ جنگ میں دشمنوں پر

لہ صبح الاعشیٰ ج ۴ ص ۵۰ - ۵۱

ٹوٹ پڑتی تھی یہی وجہ تھی کہ مملوکوں کی غیر معمولی شجاعت کے باوجود انہیں شکست دینا کوئی دشوار کام نہیں تھا۔[1]

فوج عثمانیوں کے عہد میں

دولتِ عثمانیہ کی فوج انکشاریہ (جدید فوج) سے مرکب تھی، یہ فوج سب سے پہلے اورخان نے بھرتی کی تھی اور وہ ایک مدت تک عثمانیوں کی قوتِ بازو رہی۔ سلطان سلیمان قانونی کے زمانہ میں اس فوج کی جاں نثاری کا یہ حال تھا کہ وہ سلطان کے ایک اشارہ پر کٹ مرنے کو طیار رہتی تھی، لیکن سلطان سلیمان کے بعد سلطنت کی مداہنت میں اس فوج نے سہل انگاری سے کام لیا اور اس کی سرگرمیوں اور جدوجہد کا دائرہ بڑے بڑے مرتبے حاصل کرنے تک محدود ہو گیا اور رعایا کو ان انکشاری عناصر نے لوٹنا کھسوٹنا شروع کر دیا اور بہت جلد سلاطین پر چھا گئے تھے، سیاست میں ان کا عمل دخل تھا، اس وقت اس فوج کے لوگ عیش و عشرت میں بدمست تھے اور جنگ سے کنارہ کش ہو گئے تھے اور جاہ جلال اور شان و شکوہ کے تمام مظاہر اختیار کر رکھے تھے۔ سچ پوچھیے تو اب سلطنتِ عثمانیہ کے لئے یہ [illegible] گئے تھے [illegible] ثانی نے ۱۸۲۶ء میں انہیں چن چن کر موت کے گھاٹ اتار دیا اور ان کی جگہ ایک نئی فوج بھرتی کی جس کی "تنظیم اور تربیت کے لئے غیر ملکی افسر بلائے گئے اور "آستانہ" میں ایک فوجی کالج قائم کیا گیا۔ جب سلطان عبدالمجید ان کے جانشین ہوئے تو انہوں نے جبری فوج بھرتی کا قانون نافذ کیا اور فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ان میں ایک باقاعدہ اور منظم فوج تھی، دوسری احتیاطی اور ہنگامی فوج تھی۔ اس زمانہ میں ترکوں کی فوجی کمزوری کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سلاطین عثمانیہ نے اپنی سلطنت کی شورشوں کو دبانے کے لئے مصر کے محمد علی پاشا سے امداد کی درخواست کی تھی۔

---

[1] دیکھئے الظاہر بیبرس وحضارۃ مصر فی عصرہ (جمال الدین سرور) ص ۱۴۰ - ۱۴۳

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

بحری نظام

مسلمان اور بحری نظام

اسلام کے ابتدائی دور تک عرب بحری جنگوں کے خوگر نہ تھے، وجہ یہ تھی کہ وہ تہذیب و تمدن سے دور تھے، اور اس وقت تک بحری سفروں کا بھی انہیں کم اتفاق پڑا تھا، سب سے پہلے حضرت عمرؓ کے عہد (سنہ ۱۳ھ۔ سنہ ۲۳ھ) میں گورنر بحرین علاء حضرمی نے حضرت عمرؓ کی اجازت کے بغیر سمندری راستہ سے بلادِ فارس پر بارہ ہزار مسلمانوں کے لشکر سے چڑھائی کی تھی، مسلمان اس مہم سے واپس لوٹے تو کثرت سے مالِ غنیمت ان کے پاس تھا۔ مگر جن جہازوں پر سوار ہو کر گئے تھے وہ برباد ہو گئے تھے، حضرت عمرؓ کو اس کا علم ہوا ابی العلاء [illegible] حضرت عمرؓ بحری جنگوں کو ناپسند کرتے تھے

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

شام کی جنگوں میں عربوں نے رومیوں کے جہاز دیکھے تھے، اس وقت سے انہوں نے جہازرانی سیکھنا شروع کر دی تھی۔ امیر معاویہؓ نے حضرت عمرؓ سے بحری راستہ سے بلادِ روم پر چڑھائی کی اجازت مانگی، کیونکہ اس راستہ سے یہ بلاد بہت قریب پڑتے تھے، حضرت عمرؓ نے عمرو بن عاصؓ سے بحری حالات دریافت کئے، حضرت عمرو بن عاصؓ نے جواب دیا۔ کامیابی سے زیادہ ناکامی کا اندیشہ ہے" حضرت عمرؓ نے یہ جواب سن کر امیر معاویہؓ کو لکھ دیا "بخدا! میں قیامت تک بحری جنگ کی اجازت نہیں دوں گا۔

اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ بحری جنگوں کو کتنا خطرانگیز خیال کرتے تھے۔ جب عمرو بن عاصؓ نے مصر فتح کیا اور رومیوں کو وہاں سے (سنہ ۲۰ھ، سنہ ۶۴۱ء) جلاوطن کیا گیا اُس وقت عمرو بن عاص کا ارادہ ہوا کہ اسکندریہ کو ان بلاد کا دارالسلطنت بنا دیا جائے کیونکہ یہ سکندر مقدونی کے (سنہ ۳۳۲ ق م) زمانہ سے پایۂ تخت رہا تھا۔ اس زمانہ میں بھی یہ شہر آبادی سے معمور تھا، اس لئے عمرو بن عاصؓ کو دارالسلطنت بنانے کا اور بھی خیال پیدا ہوا۔

حضرت عمرؓ سے اس کی اجازت مانگی، آپ نے قاصد سے دریافت کیا "کیا وہاں کے مسلمانوں اور میرے درمیان سمندر تو حائل نہیں ہے؟" اُس نے جواب دیا "اگر دریائے نیل جاری ہو تو سمندر حائل ہو جاتا ہے"۔ آپ نے عمرو بن عاصؓ کو جواب میں لکھ دیا "میں اسے ناپسند کرتا ہوں کہ مسلمان کسی ایسی جگہ قیام گزیں ہوں جہاں اُن کے، میرے درمیان کسی موسم میں بھی سمندر حائل ہو۔ میرے اور اپنے درمیان میں سمندر حائل مت کرو۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ اگر میں اونٹنی پر بیٹھ کر آنا چاہوں تو آسکوں"۔ حضرت عمرؓ نہایت دور بین انسان تھے، انہیں علم تھا کہ عرب جہاز رانی اور بحری جنگوں میں کوئی خاص فوقیت نہیں رکھتے ہیں، اس لئے آپ نے مصری بلاد کا دارالسلطنت اسکندریہ کو بنانا سیاسی تدبر کے خلاف سمجھا تھا۔

ابن خلدون نے بحری سفر سے عربوں کے احتراز کی یہ وجہ بیان کی ہے۔

عربوں کو اسلام سے قبل خانہ بدوشی اور تہذیب و تمدن میں کم مائیگی کی وجہ سے بحری [illegible] سابقہ سفروں اور جنگوں کا اتفاق نہیں ہوا تھا [illegible] پڑتا تھا اس لئے انہیں [illegible] تہذیب و تمدن کی ترقی، بحری جنگوں میں اور زیادہ مہارت کا سبب ہوئی تھی، جب عربوں نے روم و ایران کا تختہ الٹ دیا، بحری قوموں پر اقتدار قائم کیا، بحری فنونِ جنگ میں غیر معمولی بصیرت پیدا کر لی، اور سیاسی، اقتصادی اور صنعتی مرکزیت انہیں حاصل ہو گئی، اُس وقت عربوں کو بحری جہاد کا شوق پیدا ہُوا اور انہوں نے کشتیاں، جہاز اور جنگی جہاز بنائے، آدمیوں کا بیڑا طیار کیا اور سمندر پار کی غیر مسلم قوموں سے جنگ کرنے کے لئے بحری راستہ سے فوجیں روانہ کیں۔ پہلے ان ملکوں اور سرحدوں پر چڑھائی کی گئی جو سمندر سے قریب تھیں مثلاً شام، افریقہ، بلادِ مغرب اور اندلس۔[1]

حضرت عثمانؓ جب خلیفہ ہوئے تو امیر معاویہؓ نے ان سے بحری جنگوں کی اجازت مانگی اور اصرار کیا، حضرت عثمانؓ نے اجازت دے دی۔ مگر یہ قید لگا دی کہ اس کے لئے کسی کو مجبور نہ کیا جائے، ہر شخص کو اختیار ہو، جائے یا نہ جائے، امیر معاویہؓ اور مسلمانوں کو اس اجازت سے بیحد مسرت ہوئی اور بحری راستہ سے رومیوں پر چڑھائی کر دی، بحری مہموں

[1] مقدمہ ابن خلدون۔ ص ۲۲۰۔ ۲۲۲

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

کی غرض سے اس وقت کثرت سے جہاز بنائے گئے اور انہیں مسلح کیا گیا بحری قوت کا دولت اسلامی کے دائرہ کو وسیع کرنے میں بہت دخل تھا، حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں گورنر مصر عبداللہ بن سعد ابی سرح نے قسطنطین بن ہرقل سے بحر روم میں جنگ کی اور "ذات سواری" (جہازوں کی کثرت کی وجہ سے یہ نام پڑا) کے نام پر اُسے شکست دی۔ مسلمانوں کے جہاز اس جنگ میں دو سو سے زیادہ نہ تھے اور دشمن کے ایک ہزار سے کم نہ تھے، عربوں نے بحر روم کے اور بہت سے بڑے بڑے جزیرے فتح کیے جن میں صقلیہ، روڈس خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ جزیرے بیزنطی حکومت سے عربوں نے چھینے تھے، حکومت اسلامی کے لئے بحری بیڑا بنانے کا سہرا حضرت عثمانؓ کے سر ہے اس کے بعد سے اسلامی بیڑے کی حیثیت تاریخ میں ہمیشہ امتیازی رہی ہے امیر معاویہؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں جنگی جہاز بنائے، یہ وہ وقت تھا۔ جب بیزنطی فوجوں کی غارت گری بلادِ اسلامی پر جاری تھی۔ آپ نے ہر موسم میں ان کا دنداں شکن جواب دینے کی [illegible] بحری فوج کو خشکی کے راستہ سے یورش کرنے کے لئے تیار کیا اور گرمی اور سردی دونوں موسموں، میں جنگ جاری رکھنے کا لائحہ عمل اور نظام مرتب کیا۔ امیر معاویہؓ کے زمانہ میں شام کے بحری بیڑے میں سترہ سو جہاز تھے، آپ کے عہد میں عقبہ بن عامر نے جزیرہ روڈس پر حملہ کیا اور ۵۳ھ میں برلس میں رومیوں سے جنگ ہوئی۔ جہاں مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد شہید ہوئی۔ اس جنگ میں مسلمانوں کا سپہ سالار وردان بھی شہید ہوا جو حضرت عمرو بن عاصؓ کا آزاد کردہ غلام تھا۔ یہ مسلمہ بن مخلد (۴۷ھ۔ ۶۲ھ) گورنر مصر کے زمانہ کا واقعہ ہے اس الم انگیز واقعہ کے بعد مصر کے حاکموں نے جہاز سازی کی صنعت کی طرف پوری توجہ کی اور سب سے پہلی دفعہ "جزیرہ روضہ" میں ۵۴ھ کے اندر جہاز سازی کا کارخانہ قائم کیا گیا۱؎۔ اور اسلامی بحری بیڑے کو نہایت مضبوط اور مستحکم بنایا گیا۔ یہ بیڑا اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ عباسیوں کے ابتدائی عہد تک باقی رہا۔ جب مشرق و مغرب میں اسلامی حکومت کا انحطاط اور زوال شروع ہوا۔ اس وقت بحری قوت میں بھی انحطاط شروع

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

۱؎ الخطط مقریزی ج ۲ ص ۱۹۰۔ ۱۹۱۔

ہو گیا تھا۔

بحری بیڑے کا اقتدار

عربوں نے جب بلادِ شام، بلادِ فلسطین اور بلادِ مصر فتح کئے تو سرحدی تحفظ اور دشمنوں سے مقابلہ کے لئے ناگزیر تھا کہ بحری بیڑا اور بحری قوت کو مہیا کیا جائے، عربوں نے اسی ضرورت سے بہت بڑا بحری بیڑا تیار کیا۔ تاریخ شاہد ہے عربوں کا یہ بیڑا کتنا مستحکم اور زبردست تھا، شروع میں فنیقی ملکوں سے یہ عرب بحری راستہ سے تجارت کرتے تھے، پھر سوریہ، مصر اور ایشیائے کوچک کے ساحلوں پر بھی ان کی آمد و رفت ہو گئی تھی ۲۸ھ میں عربوں کے بیڑے نے جزیرہ قبرص پر تسلط قائم کر لیا۔ ۳۴ھ میں گورنر مصر دو سو جہازوں کا بیڑا لے کر بیزنطینیوں کی مدافعت کے لئے نکلا اس نے افریقہ کے ساحل کے پاس دشمن کے چھ سو جہازوں سے مقابلہ کیا اس میں مسلمانوں کو نمایاں کامیابی ہوئی۔ مسلمانوں نے اس جنگ میں پہلے ایک ایک [illegible] جب اس طرح اپنی شکست کے آثار دیکھے تو ایک ساتھ دشمن کے جہازوں پر ٹوٹ پڑے اور ان کے بادبان پھاڑ دیے اور تلواروں اور نیزوں سے دست بدست لڑائی لڑنے لگے۔[1] اس وقت جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور مسلمانوں کو زبردست کامیابی ہوئی اور بیزنطی بیڑا تباہ ہو گیا اور ان کا امیر البحر بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگ سکا۔ اس وقت سے مسلمانوں نے بحری اور بری جنگوں میں انفرادی مقابلہ کی جگہ اجتماعی حملہ کو اختیار کیا۔ یہ بحری بیڑا عموماً سوریہ اور مصر کی سرحدوں پر موجود رہتا تھا، عربوں کے جہاز بیزنطینیوں سے ہلکے نہ سہی مگر ان کے جہازوں سے زیادہ مضبوط ہوتے تھے، عربوں کے پاس تجارتی جہاز بھی کافی تعداد میں تھے جس کی وجہ سے تجارتی کاروبار نہایت آسانی سے کرتے تھے۔ ہر بحری سرحد پر ایک روشنی کا منارہ بنا تھا جسے "خشب" کہتے تھے۔ حکومت کے پاس جنگی جہاز صرف دارالسلطنت اور اہم علاقوں کی حفاظت کے لئے نہ تھے بلکہ ایک بڑی تعداد ان جہازوں کی بھی موجود رہتی تھی جو ضرورت

---

[1] A Short History of the Saracens. P. 492 - 493.

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

کے وقت فوراً سرحدوں اور صوبوں میں روانہ کر دیئے جاتے تھے۔ یہ انتظام فاطمیوں اور سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے زمانہ میں تھا، ہر جنگی جہاز کا ایک افسر ہوتا تھا۔ جس کا فرض سپاہیوں کو ٹریننگ دینا اور ضروری ساز و سامان اور جنگی اسلحہ کا فراہم کرنا تھا۔ ایک دوسرا افسر اور ہوتا تھا جسے رئیس یا جہاز کا کپتان کہا جاتا تھا۔ لفظ Admiral اسی کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔

بیزنطیوں سے عربوں نے بحری فنونِ جنگ کی تعلیم حاصل کی تھی، پھر تھوڑی ہی مدت میں اتنی ترقی کی کہ یورپ کے استاد بن گئے، یہ ان کی فطری شجاعت اور جنگ سے غیر معمولی شیفتگی کا نتیجہ تھا۔ یورپ میں اس وقت بھی عربوں کی بہت سی بحری اصطلاحات مستعمل ہیں۔ عربوں کا اثر بحر روم کی بسنے والی قوموں پر یورپ کی دوسری اقوام سے زیادہ گہرا پڑا تھا۔ فان کریمر Von Kremer کے الفاظ میں "قدیم عربوں کا بحری بیڑا عیسائی دنیا کے لئے نمونہ [illegible] ہیں

UNREGISTERED VERSION

مثلاً Cable بحری تار، عربی لفظ "حبل" کے مترادف ہے۔ Arsenel (اطالوی زبان Darsenel) عربی لفظ "دار الصناعہ" کے ہم معنی ہے۔ اسی طرح لفظ Corvette عربی لفظ "غراب" (ایک قسم کا جہاز) Admiral امیر البحر کی مسخ شدہ صورت ہے۔[1]

www.avs4you.com

مصر کا بحری نظام

دورِ اسلامی میں مصر دریائے نیل میں چلنے والے جہازوں کی صنعت میں مشہور تھا۔ یہ جہاز دریائے نیل کے پار آتے جاتے تھے اور بلادِ مصر کی پیداوار کو ایک طرف سے دوسری طرف پہنچاتے تھے، مصر میں اس وقت بحری بیڑا بھی موجود تھا اور جہاز سازی کی صنعت بھی پائی جاتی تھی۔ یہ جہاز مسلّح ہوتے تھے اور مشرقی بلاد روما پر اسکندریہ، دمیاط، تینس (بحیرہ منزلہ کے شمال مشرق میں ایک چھوٹا سا جزیرہ) اور خرم (بحر روم کے ساحل پر بحیرہ منزلہ کے مشرق میں ایک شہر) کے راستہ سے یورش کرتے رہتے تھے۔

[1] Orient under the Caliphe P. 356

احمد بن طولون (۲۵۴ھ۔ ۲۷۰ھ) موسس دولت طولونیہ (۲۵۴ھ۔ ۲۹۲ھ) کی صنعت کو ترقی دینے میں امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ اس نے جزیرۂ روضہ کے قریب چند کارخانے قائم کئے تھے، جو "صناعۃ الجزیرۃ" کے نام سے معروف تھے۔ اور محمد بن طغج اخشید (۳۲۳۔ ۳۳۴ھ) بانی دولت اخشیدیہ (۳۲۳۔ ۳۵۸ھ) کے عہد تک یہ کارخانے قائم رہے۔ محمد بن طغج اخشید کے زمانہ میں جنگی اور دریائے نیل کے باربردار جہاز "صناعۃ مصر" اور "صناعۃ الجزیرۃ" دونوں جگہ کے کارخانوں میں بنائے جاتے تھے۔

فاطمیوں نے بلاد شام کے چند اہم شہروں انطاکیہ اور حلب وغیرہ پر قبضہ کر لینے کے بعد محسوس کیا کہ اب بیزنطی حکومت کے خطرہ اور دباؤ کی وجہ سے بہت بڑے بحری بیڑے کی ضرورت ہے۔ اس اندیشہ سے معزالدین فاطمی اور اس کے جانشینوں نے جنگی جہاز سازی کے کارخانے مصر، اسکندریہ اور دمیاط میں قائم کئے ان جہازوں کا بدرقہ اور بیڑا شامی سرحدوں عکہ، صور اور [illegible]

UNREGISTERED VERSION

معزالدین نے "مقس" میں جہاز سازی کا بہت بڑا کارخانہ قائم کیا تھا، جس میں چھ سو جہاز تیار کئے گئے تھے یہ جہاز مورخ مصر مسبحی (محمد بن ابی قاسم عبیداللہ بن احمد متوفی ۴۲۰ھ) کے الفاظ میں " اتنے عظیم الشان، مضبوط اور عمدہ تھے کہ اس سے قبل اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی ہے"۔ مقریزی کا بیان ہے اس عہد میں مصر کے بحری بیڑے کے دس قائد تھے ان کے افسر (قائد القواد) کو عہد فاطمی میں "امیر الجیش" اور مملوکوں کے زمانہ میں "ناظر الجیش" کہا جاتا تھا، ان قاعدوں کی مختلف تنخواہیں تھیں، جو بیس دینار ماہانہ (سو روپیہ ماہانہ) سے زیادہ نہ تھیں۔ اس بحری بیڑے کے لئے بجٹ میں بہت بڑی رقم رکھی جاتی تھی جو مخصوص جاگیروں کے خراج سے پوری کی جاتی تھی، مصری بیڑے کے اہتمام پر ہمیشہ فاطمیوں نے پوری توجہ مرکوز رکھی تھی۔

www.avs4you.com

صلیبیوں کی جنگ میں عاضد عبداللہ فاطمی کے وزیر اعظم ابو شجاع شاور بن مجیر کے حکم سے مصر کے بحری بیڑے میں آگ دیدی گئی تھی اور وہ خاک کا ڈھیر ہو گیا تھا۔ اس کارروائی کا مقصد یہ تھا کہ دشمن اُن سے فائدہ نہ اُٹھا سکے۔

۵۶۷ھ میں جب دولتِ فاطمی کا آفتاب غروب ہوگیا اور سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے سلطنتِ ایوبیہ کی بنیاد ڈالی اس وقت بحری بیڑہ کی طرف انتہائی توجہ مرکوز کی گئی تاکہ صلیبیوں کو ممالکِ اسلامیہ کی حدود پر یورش کرنے سے روکا جاسکے، سلطان نے اس بیڑے کے نظم ونسق اور دوسری ضروریات کے لئے ایک مستقل دفتر قائم کیا تھا، جسے "دیوانی اسطول" کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا، اس محکمہ کا افسر سلطان کا بھائی عادل تھا۔

ایوبیوں کے دور میں لوگ بحری جنگوں سے عام طور پر گریز کرنے لگے تھے اور سلاطین کو بحری خدمات کے لئے لوگوں پر جبر کرنا پڑتا تھا، اُس وقت بحری خدمات کو باعثِ ننگ خیال کیا جاتا تھا اگر کسی کو "یا اسطولی" (یعنی بحری محکمہ کا ملازم) کہہ دیا جاتا تھا تو غیظ و غضب میں وہ پیچ وتاب کھانے لگتا تھا۔ یا اسطولی کا مطلب یہ لیتا تھا کہ میں اس شخص کی طرح ہوں جو صلیبی دشمنوں کے بیڑے میں آیا ہے، یہ بیان کرنے کی غالباً ضرورت نہیں کہ صلیبی [illegible]

UNREGISTERED VERSION

مصر جب مملوکوں کے اقتدار (۶۴۸ - ۹۲۲ھ = ۱۲۵۰ - ۱۵۱۶ء) میں آیا تو بحری بیڑے میں نئے سرے سے زندگی پیدا ہوئی۔ الظاہر بیبرس [illegible] ۶۷۶ھ) نے بحری قوت کو نہایت زبردست بنادیا تھا۔ غرض یہ تھی کہ بحری راستہ سے دشمنوں کی غارت گری کی روک تھام کی جائے۔ اس دور کا بحری بیڑا ملک صالح نجم الدین ایوب کے زمانہ سے کسی طرح کم نہ تھا بیبرس نے تمام ان لکڑیوں کے استعمال کی ممانعت کردی تھی جو جہاز سازی کے کام آسکتی تھیں۔ اسکندریہ اور دمیاط کی سرحدوں پر جنگی جہازوں کے بنانے کے لئے نئے کارخانے قائم کئے گئے اور سلطان اکثر صناعۃ الجزیرہ کا معائنہ کرتا رہتا تھا اور اس کے لئے ہر طرح کی سہولتیں مہیا کرتا تھا، سلطان نے جہازوں کا ایک بیڑا ۶۶۹ھ میں جزیرہ قبرص روانہ کیا تھا، یہ بیڑا چالیس جنگی ڈونگوں پر مشتمل تھا۔ جزیرہ کے قریب یہ بیڑا برباد ہوگیا تھا بیبرس کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے اُس وقت تک دم نہ لیا۔ جب تک برباد شدہ بیڑے کی تلافی نہ کرلی اور اتنا ہی زبردست بیڑا تیار نہیں کرلیا۔

بحری بیڑے کو ترقی دینے میں بیبرس کا اشرف خلیل بن قلاوون (۶۸۹ھ ـ ۶۹۳ھ)

www.avs4you.com

مطابق ۱۲۹۰ء ۱۲۹۳ھ) صحیح جانشین تھا، اس نے ساٹھ عظیم الشان جنگی جہاز بنوائے تھے جو اسلحہ جات اور دوسرے جنگی جہاز و سامان سے لیس تھے۔ جب یہ جہاز تیار ہوئے تھے اُس وقت اشرف نے جزیرہ روضہ کے کارخانے کا جائزہ لیا تھا اور اس تقریب میں ایک عظیم الشان دربار منعقد کیا تھا۔ دریائے نیل اور جزیرہ روضہ کے آس پاس لوگوں کی رہائش کے لئے کثرت سے خیمے نصب کئے گئے تھے۔ سلطان جب ورود فرما ہوا تو جنگی جہازوں (جن میں روشندان تھے ان سے دشمنوں پر تیر اندازی کی جاتی) اور ہلکے جہازوں کو یکے بعد دیگرے اس کے سامنے پیش کیا گیا۔ ہر جنگی جہاز میں بُرج اور قلعہ تھا۔ بحری فوجوں نے اس وقت اپنے کمالات اور بحری فنونِ جنگ کا حیرت انگیز مظاہرہ کیا تھا[1]۔ اس کے بعد سلطان قلعہ واپس آگیا تھا اور لوگ تین روز جشنِ مسرت میں مصروف رہے تھے۔

اس سرسری جائزہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسلامی مصر از منۂ وسطیٰ میں بحری اور تجارتی جہاز سازی کی [illegible] اور سلاطین نے بھی بحری اور تجارتی بحری بیڑے کو ترقی د[illegible] تھا۔ اس زمانہ میں بحری بیڑے کے ملازموں کو نہایت احترام اور عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور مجاہدین فی سبیل اللہ غزاۃ فی اعداء اللہ وغیرہ سے انہیں خطاب کیا جاتا تھا اور جوشِ احترام اور عقیدت میں اُن سے دعا کی درخواست کی جاتی تھی، حکومت کے ساتھ شہری فوجوں اور بڑے کی ترقی اور حوصلہ افزائی کے کاموں میں پورا اشتراکِ عمل کرتے تھے، ان باتوں کا بھی مصر کے بحری بیڑے کی ترقی و عروج میں بہت بڑا حصہ تھا۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

---

[1] الخطط ج ۳ ص ۱۹۴ - ۱۹۵ -

ڈاک کا نظام

ڈاک پہنچانے کے لئے تیز رفتار گھوڑے بارہ بارہ میل کے فاصلہ پر متعین تھے۔ ایک گھوڑے کا سوار منزل پر پہنچکر ڈاک کا تھیلہ دوسرے کو دیدیتا تھا، دوسرا سوار بھی اسی طرح کرتا تھا اور یہ سلسلہ آخر تک قائم رہتا تھا[1]

عہد بنی امیہ میں ڈاک کا انتظام

عربوں نے ڈاک کا نظام قیصر و کسریٰ کی حکومتوں سے سیکھا، اسلام میں سب سے پہلے ڈاک کا محکمہ امیر معاویہؓ نے قائم کیا اس وقت وہ شام کے گورنر تھے [illegible] کا موقع ملا تھا عبد الملک بن مروان (۶۵ھ تا ۸۶ھ) نے اس محکمہ میں بہت سی اصلاحات کیں اور اسے حکومت کا نہایت اہم شعبہ بنا دیا۔ [illegible] تھی کہ شبانہ روز میں کسی وقت بھی ڈاکیہ کو میرے پاس آنے سے روکا نہ جائے[2]

عباسیوں کے زمانہ میں بغداد میں ڈاک کا بہت بڑا محکمہ تھا اور طول و عرض میں اس کی شاخیں تھیں، معتصم کے زمانہ تک ڈاک رسانی کا کام نامہ بر کبوتروں سے لیا جاتا تھا اس وقت تک ڈاک کا یہ نظام حکومت کے خطوط اور مراسلات تک محدود تھا اور اس کا دائرہ عمل شہریوں تک وسیع نہ تھا۔ اس لئے یہ ایک خالص سرکاری شعبہ تھا، ڈاک کے افسروں کا فرض تھا کہ وہ گورنروں کی نگرانی کریں اور دشمنوں کی کارروائیوں کی مرکزی حکومت کو اطلاع دیں، آخر زمانہ میں صوبوں کے افسروں کے فرائض میں جاسوسی بھی داخل تھی اور وہ گورنروں کی کارروائیوں کی خفیہ اطلاعات خلیفہ کو بھیجتے تھے۔ مرکزی ڈاک کے افسروں کا کام خلیفہ کے احکامات سے گورنروں کو اطلاع دینا ہوتا تھا[3]

۱؎ الفخری فی الآداب السلطانیہ ص ۱۰۱، ۱۰۲ ۲؎ قلقشندی ج ۱۴ ص ۳۶۷، ۳۶۸

۳؎ Khuda Bakhsh, Orient under the Caliphs P. 233
At Seq Hall, P. 72.

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

عہد عباسیہ میں عباسیوں نے ڈاک کے نظام کی ترقی و اصلاح کی طرف کافی توجہ کی تھی منصور کا قول تھا "حکومت کے عناصر ترکیبی میں چار عناصر نہایت اہم ہیں، ان کا انتخاب بہت غور و فکر کے بعد کرنا چاہیئے۔ قاضی جو نہایت بیباک اور نڈر ہو۔ دنیا کی کسی طاقت سے مرعوب نہ ہو سکے، پولیس کا افسر، جسمیں کمزور کی حمایت اور طاقت ور کے بل نکال دینے کی قوت ہو۔ خراج کا افسر، جو نہایت دیانتدار ہو، ظلم و جور سے اسے طبعی نفرت ہو۔ ڈاک کا افسر (یہ لفظ منصور نے تین بار سبابہ انگشت کو دانتوں کے نیچے دبا کر کہا تھا) جو صحیح حالات سے بے کم و کاست اطلاع دے اور اپنی طرف سے کوئی کتر بیونت نہ کرے"

منصور نہایت بیدار مغز فرمانروا گزرا ہے وہ اپنے گورنروں اور وزراء کے حالات سے ہمیشہ باخبر رہتا تھا، محکمہ ڈاک کے افسر نے ایک دفعہ اسے اطلاع دی کہ حضر موت کا گورنر شکار کو کثرت [illegible] رول پر صرف کرنے کے لئے نہیں ہے (تیر و کمان کے مصارف) مسلمانوں کی فلاح و بہبودی میں صرف کرنے کے لئے ہے اور تو اُسے جنگلی جانوروں پر صرف کر رہا ہے۔ فلاں ابن فلاں کو اپنی گورنری کا چارج دیدے، خُدا تجھے اور تیرے خاندان کو برباد کرے"

منصور نے ڈاک کے افسروں سے جاسوسی کی خدمات بھی لی تھیں، یہ افسر حکومت کے نظم و نسق کے لئے اس کے دست و بازو ثابت ہوئے تھے اور وہ پوری سلطنت کے گورنروں، قاضیوں خراج کے افسروں اور دوسرے محکموں کے افسروں کے حالات سے باخبر رہتا تھا، ڈاک کے افسروں کا یہ بھی فرض تھا کہ گندم، غلہ، چمڑے اور خورد و نوش کی اشیاء کے بھاؤ کے بارے میں اطلاع دیں اور اس کی نگرانی رکھیں کہ حکومت کے مقرر کردہ نرخ سے زیادہ قیمت پر خرید و فروخت تو نہیں ہو رہی ہے۔ منصور کے زمانہ میں ڈاک کے افسروں میں دو دفعہ تمام سلطنت کی خبریں اس کے سامنے پیش کرتے تھے۔ مغرب کی نماز کے بعد دن بھر کے واقعات کی اطلاعات اور صبح کی نماز کے بعد رات بھر کی تمام اہم خبروں سے اطلاع دیتے تھے، اس نظام کی وجہ سے منصور تمام اسلامی سلطنت کے حالات سے واقف رہتا تھا، اور قاضی کے ظلم و جور، حکومت کے حدود میں بھاؤ کے اُتار چڑھاؤ، کسی بات سے وہ بے خبر نہ رہتا تھا۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

طبری نے ٢٢٠ھ کے حوادثات میں بیان کیا ہے۔ جمادی الاخری ٢٢٠ھ میں معتصم نے عجیف بن عنبر کو زط (سندھ کا ایک سیاہ رُو حبشی قسم کا خاندان ہے۔ زطی کپڑے انہی کی طرف منسوب ہیں)، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ سوڈان اور ہندوؤں کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں) سے جنگ کرنے کے لئے روانہ کیا تھا۔ ان لٹیروں نے بصرہ کے راستہ کو غیر مامون کر دیا تھا۔ اور غلہ کے خرمن کو لوٹ لیا کرتے تھے اور کسکر اور بصرہ تک اودہم مچا رکھا تھا اور راستہ کو پُر خطر بنا دیا تھا۔ اس جنگ کے دوران میں عجیف نے گھوڑوں کو باقاعدہ جگہ جگہ متعین کر دیا تھا، جو فوراً ڈاک کو لے کر آگے بڑھ جاتے تھے اور عجیف کے پاس سے خبر نکلتے ہی معتصم کے پاس اسی روز پہنچ جاتی تھی۔[1]

اکثر سلاطین اور امراء نے اپنے اور ڈاک کے افسروں کے درمیان خفیہ اشارات مقرر کر رکھے [illegible] خطوط [illegible] ہوتے تھے تو قابل اعتماد خیال کئے جاتے تھے ورنہ نہیں، چنانچہ ابو مسلم خراسانی کو خراسان سے جب منصور نے بغداد بلایا تھا تو ابو مسلم کھٹکا تھا [illegible] جب تک میرا خط تمہارے پاس نہ آئے اس وقت تک تم قیادت کرنا۔ میرے خط کی پہچان یہ ہو گی کہ مہر نصف لگی ہو گی۔ اگر پوری مُہر لگی ہو تو سمجھ لینا کہ میرا خط نہیں ہے، میری طرف سے لکھا گیا ہے۔ ابو مسلم جب مدائن پہنچا اور منصور نے اُسے قتل کرا دیا اور اس کے بعد ابو مسلم کی طرف سے ابو نصر کو خط لکھا جس میں حکم دیا تھا کہ جو کچھ ابو مسلم کا مال و دولت ہے وہ لے کر فوراً یہاں پہنچے ابو نصر نے جب دیکھا کہ پوری مہر لگی ہوئی ہے تو سمجھ گیا کہ ابو مسلم نے نہیں لکھا ہے۔[2]

فان کریمر (Von Kremer) عہدِ عباسیہ کے نظام ڈاک کے بارے میں لکھتا ہے۔[3] "بڑے بڑے صوبوں میں ڈاک کے محکمہ کا ایک اعلیٰ افسر ہوتا تھا، اس کا منصبی فرض تھا کہ ریاست کی اہم خبروں سے خلیفہ کو اطلاع دے اور گورنروں کے حالات کی نگرانی کرے دوسرے الفاظ میں وہ مرکزی حکومت کا نمائندہ اور معتمد ہوتا تھا، باوجود ان تمام انتظامات کے بڑے بڑے صوبوں کے گورنر رفتہ رفتہ مختار ہوتے رہے یہاں تک کہ صوبے موروثی ہونے لگے اور اپنی طرف سے گورنر اپنا ولیعہد اور جانشین مقرر کرنے لگے اور آہستہ آہستہ خلفاء کے دائرہ اقتدار سے نکلتے گئے۔"

---

[1] تاریخ التمدن الاسلامی ج ۱ ص ۲۲۶ [2] ایضاً [3] Orient under the Caliphs, P.

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

مصر میں ڈاک کا نظام

مصر میں ڈاک کا نظام مملوکوں کے دور میں خصوصاً بیبرس کے عہد میں نہایت اعلیٰ پیمانہ پر قائم تھا، بیبرس نے ملک کے چپہ چپہ میں بری اور فضائی ڈاک کا نظام قائم کیا تھا، اور ایک جال سا بچھا دیا تھا۔ اس محکمہ کا مرکز قلعہ جبل تھا[1] یہاں سے ڈاک کے چار بڑی راستے جاتے تھے، ایک راستہ قوص تک، دوسرا عیذاب تک (یہ بندرگاہ بحر احمر کے قریب ہے۔ یمن، حبشہ اور ہندوستان کے جہاز یہاں آتے تھے۔ زمانہ ماضی میں مصر سے حاجی آتے تھے۔ پھر وہاں سے سمندری راستہ سے جدہ پہنچتے تھے) تیسرا راستہ اسکندریہ تک چوتھا دمیاط اور غزہ تک جاتا تھا، اس مرکز سے سلطانی احکامات تمام سلطنت کے اطراف میں بھیجے جاتے اور گورنروں کے خطوط بھی اسی جگہ پہنچتے تھے۔

بیبرس کے عہد میں، مصر میں ہفتہ میں دو بار ڈاک آتی تھی۔ بیبرس نے ڈاک کے مرکزوں میں ہر ممکن آرام اور سہولت مہیا کی تھی، چنانچہ انسانوں اور جانوروں کے خورد و نوش اور دوسری ضروریات افراط سے موجود رہتی تھیں۔ ڈاک خانہ قائم کرتے وقت اس کا لحاظ رکھا جاتا تھا کہ قرب وجوار میں [illegible] ہو، ہر ڈاک خانہ میں گھوڑے موجود رہتے تھے۔ ان گھوڑوں کے لئے سلطانی نشان ضروری تھا[2]

محکمہ ڈاک کا نگران دیوانِ انشاء کا افسر ہوتا تھا، ڈاک کی تختیاں دفتر میں محفوظ رکھتا تھا اور جب کوئی ڈاکیہ ڈاک لے کر کسی مقام پر جاتا تھا اس وقت ایک تختی اسے دے دی جاتی تھی، وہ یہ تختی آمد و رفت کے دوران میں گلے میں ڈالے رہتا تھا۔ یہ تختیاں چاندی کی ہوتی تھیں۔ تختی کے ایک طرف لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه، وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ وَلَوْ کَرِهَ الْمُشْرِکُوْنَ ٥ ضرب بالقاهرة المحروسة لکھا ہوتا تھا، دوسری طرف عز لمولانا السلطان ... سلطان الاسلام والمسلمین۔ تحریر ہوتا تھا[3]

بیبرس نے نامہ کبوتروں سے بھی ڈاک رسانی کا کام لیا تھا۔ ان کبوتروں کے رہنے کے لئے

[1] نجوم زاہرہ ج ۶ ص ۵۴ میں ہے کہ قلعہ جبل کے کھنڈرات اور آثار شکستہ اس وقت بھی قاہرہ کے مشرق میں جبل مقطم کے پاس موجود ہیں۔ اس قلعہ کو ۵۷۲ھ میں ناصر صلاح الدین نے تعمیر کیا تھا اور چند روز وہاں قیام فرما بھی رہا۔

[2] صبح الاعشیٰ ج ۱۴ ص ۳۷۲ - بدائع الزہور فی وقائع الدہور ج ۱ ص ۱۰۸ [3] ایضاً۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

قلعہ جبل میں برج بنے تھے اور بری ڈاک کی طرح ان کی بھی مختلف مقامات پر شاخیں اور مرکز قائم تھے، لیکن مسافت کے اعتبار سے یہ بری ڈاک سے ذرا زیادہ فاصلہ پر ہوتے تھے۔ جب کبوتر لے کر دوسرے مرکز (برج) میں پہنچتا تھا تو برج کا نگران نامہ لے کر دوسرے کبوتر کے بازو یا پروں میں باندھ دیتا تھا اور یہ سلسلہ برابر جاری رہتا تھا[1]

نامہ بر کبوتروں کے ذریعہ خطوط رسانی میں انتہائی اختصار کا لحاظ رکھا جاتا تھا، بسم اللہ، طویل تمہیدوں اور بے شمار القابوں سے جو اس زمانہ کے خطوط کی خصوصیت تھی۔ احتراز کیا جاتا تھا اور صرف تار کی طرح ضروری اشارات پر اکتفا کیا جاتا تھا۔ اس میں تاریخ اور وقت ضرور لکھا جاتا تھا۔ یہ خطوط بازو یا پروں کے نیچے باندھ دیے جاتے تھے، معمول یہ تھا کہ دو خط ایک مفہوم کے دو کبوتروں کے ذریعہ بھیجے جاتے تھے اور دوسرے کبوتر کو پہلے کبوتر کے روانہ ہو [illegible] گا [illegible] حادثہ پیش آجائے تو دوسرا پہنچا دے، یہ بھی معمول تھا کہ بارش کے وقت اور پیٹ بھر کھلائے بغیر کبوتر کو روانہ نہیں کیا [illegible] نے والے کبوتر کے چند امتیازی نشانات تھے، یعنی خاص قسم سے اس کی چونچ پر نشان لگا دیا جاتا، خاص طرح سے اس کے پروں کو کتر دیا جاتا۔ جب یہ کبوتر قلعہ جبل میں خط لے کر پہنچتا تو سلطان اُسے خود وصول کرتا تھا[2][3]

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

---

[1] صبح الاعشیٰ ج ۱۴، ص ۳۷۰، ۳۷۲ ۔ بدائع الزہور فی وقائع الدہور ج ۱ ص ۱۰۸ [2] الخطط۔ ج ۲ ص ۲۳۱ - ۲۳۲ - تاریخ البرید فی مصر۔ ص ۴۳ - ۴۴ [3] Stanley Lane Poole, A History of Egypt in the middle ages, P266- وکتاب الظاہر بیبرس۔ ص ۱۳۵، ۱۳۶

پولیس کا نظام

خلافتِ راشدہ، بنی اُمیہ اور بنی عباس میں پولیس کا نظام

پولیس کا کام امن وامان اور نظم و نسق قائم کرنا اور قائم رکھنا تھا۔ پولیس کا عملہ سرکشوں اور مجرموں کو سزائیں دیتا تاکہ شہریوں کو سکون و اطمینان حاصل ہو۔ سب سے پہلے حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے شب کی چوکیداری کے لئے نظام عسس قائم کیا تھا۔ پھر حضرت علیؓ کے عہدِ خلافت میں باقاعدہ پولیس کا نظام قائم ہُوا۔ اس محکمہ کے سب سے بڑے افسر کو "صاحب شرطہ" یا پولس کا افسر کہا جا[illegible] قوت ہونا اس کے لئے ضروری خیال کیا جاتا تھا، وہ اس زمانہ کے فوجی پولس افسر سے زیادہ مشابہ تھا ابتدا میں پولس کا محکمہ عدالت کے ماتحت ہوتا تھا اس کا فرض عدالت کے احکام کا نفاذ اور حدودِ شرع کو عمل میں لانا تھا، مگر کچھ عرصہ بعد یہ مستقل محکمہ ہو گیا اور جرائم پیشہ لوگوں کو براہِ راست سزائیں دینے لگا۔ ہشام بن عبدالملک (۱۰۵ھ۔ ۱۲۵ھ) نے "نظام احداث" کو اسی محکمہ سے وابستہ کر دیا، اس کے افسر کے فرائض پولس افسر اور سپہ سالار کے فرائض کے بین بین ہوتے تھے[1]۔ پولس افسر کے فرائض عموماً بڑے بڑے جنرلوں اور آزاد کردہ غلاموں (عہد عباسیہ میں) کے سپرد کئے جاتے تھے۔ پولس افسر کے اختیارات کا دائرہ عمل رعایا کے تمام طبقوں تک وسیع نہ تھا۔ صرف بڑے بڑے امراء، بڑے بڑے عہدہ داروں، غنڈوں اور سرکشوں تک محدود تھا۔

اُندلس کے اموی خلفاء کے عہد میں پولس کے نظام نے بہت ترقی کر لی تھی۔ اندلس میں پولس کے محکمہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ بڑا محکمہ اور چھوٹا محکمہ۔ بڑے محکمہ کے افسر شاہی ملازمین، خاندانِ شاہی اور بڑے بڑے رتبہ کے لوگوں پر اقتدار رکھتے تھے۔ اور

---

[1] Sayed Amir Ali. P. 63

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

چھوٹے محکمہ کے افسر عام رعایا پر اختیارات رکھتے تھے، بڑے محکمہ کے افسر کے لئے دربارِ شاہی میں ایک خاص اعزازی کرسی ہوتی تھی اور دوسرے اُمراء حکومت پر اس کا اقتدار و اثر ہوتا تھا اور وہ وزیر اور حاجب کے قریب قریب ہم پلّہ ہوتا تھا۔[1]

مصر میں پولس کا نظام مصر میں عربوں کی حکومت کے زمانہ میں پولس افسر بہت بڑا عہدہ دار خیال کیا جاتا تھا۔ جب امیر یا گورنر دار السلطنت سے باہر جاتا تو پولس افسر اس کا قائم مقام ہوتا تھا۔ اس لئے اس عہدہ کو دار السلطنت (فسطاط) کی خلافت بھی کہتے تھے۔ پولس افسر سلطان اور گورنر کی طرف سے اس کی غیر حاضری میں امامت بھی کرتا تھا، فوج کی تنخواہوں وغیرہ کے معاملات بھی اسی کے سپرد تھے۔ پولس کا محکمہ عربوں کے مصر فتح کرنے کے بعد شہر فسطاط میں قائم کیا گیا تھا، جب شہر "عسکر" کی بنیاد رکھی گئی تو اس میں باقاعدہ کوتوالی بھی [illegible]

(۱) ادنیٰ پولس (سفلی) اس کا مرکز شہر فسطاط تھا۔

(۲) اعلیٰ پولس۔ اس کا مستقر شہر عسکر تھا۔

اعلیٰ پولس نام رکھنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس کا مستقر ادنیٰ پولیس کے مرکز فسطاط سے بلند مقام عسکر پر واقع تھا، جس کی عمارتیں لشکر اور طولون کے پہاڑوں پر تھیں۔ جب جوہر صقلی نے مصر فتح کیا اُس وقت اس نے پولس اعلیٰ کے محکمہ کو عسکر سے قاہرہ میں منتقل کر دیا تھا۔[3]

یہ عجیب اتفاق تھا کہ جس روز جوہر صقلی نے مصر فتح کیا اُسی روز پولیس افسر کا انتقال ہُوا تھا، جوہر نے اس کی جگہ جبز کو پولس افسر مقرر کر دیا تھا۔ ادنیٰ پولیس کا محکمہ فسطاط ہی میں قائم رہا۔[4] اور جوہر نے اس کا افسر عروبہ بن ابراہیم اور شبلی معرض کو مقرر کیا تھا۔[5]

بلادِ افریقہ (موجودہ بلادِ تونس) میں ابنِ خلدون کے زمانہ (۸۰۸ھ) تک پولس افسر "حاکم" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ بلادِ اندلس میں "صاحب مدینہ" (کوتوال) اور مملوکوں

---

[1] مقدمہ ابن خلدون۔ ص ۲۱۸، ۲۱۹ [2] ابن میسر۔ ص ۴۵ [3] تاریخ جوہر صقلی (علی ابراہیم حسن) ص ۴،

[4] ابن رقماق ج ۴ ص ۱۱ [5] اتعاظ الحنفا ص ۹۵

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

کے عہد میں "والی" کے نام سے اسے مخاطب کیا جاتا تھا[1]

غرض مسلمانوں کے ابتدائی دور میں پولس کا محکمہ عدالت کے ماتحت تھا۔ اس کے فرائض عدالت کے احکام نافذ کرنا اور حدودِ شرعی کو عمل میں لانا تھا، کچھ عرصہ بعد پولس کا محکمہ ایک مستقل محکمہ بن گیا تھا اور براہ راست مجرموں کو سزائیں دینا اس کے اختیار میں تھا، اس وقت پولس افسر کی حیثیت حاجب اور وزیر کے قریباً ہم پلہ تھی۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

---

[1] مقدمہ ابن خلدون ص ۲۱۸

باب ۳ سوم

نظامِ مالیات

۱۔ بیت المال کے ذرائع

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

آمدنی اور مصارف

۲۔ مصر کا نظامِ مالیات

مسلمانوں کا نظام مالیات

تاریخی نقطۂ نظر سے

مالیات کا صحیح نظام اور آمد و صرف میں توازن ریاست (State) کا اہم عنصر ہے ارباب سیاست اس سے ناواقف نہیں۔ مسلمانوں نے اپنی حکومت کے ابتدائی زمانہ سے مالیات کا شعبہ (بیت المال) قائم کیا اور اس کے نظام کی سطح بلند کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اس شعبہ کی حیثیت موجودہ "وزارت مالیہ" کی تھی اور اس شعبہ کے افسر کی ذمہ داریاں ایک وزیر مال سے کسی طرح کم نہ تھیں۔

ذرائع [illegible] فے [illegible] مال غنیمت اور عشر تھے۔ ذیل میں ان پر ایک اجمالی نظر ڈالی گئی ہے۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

خراج | خراج نقد یا پیداوار کی ایک [illegible] غیر مسلموں کی اُن زمینوں سے لیا جاتا تھا۔ جس پر مسلمانوں نے مقابلہ کے بعد یا صرف صلح کے بعد تسلط قائم کیا تھا، یہ ضروری تھا کہ مجاہدین کی اجازت سے ان زمینوں کو امیر نے مفادِ عامہ کے لئے وقف کر دیا ہو، اور ان میں تقسیم نہ کیا ہو، ورنہ خراج کی جگہ عشر (۱/۱۰) لیا جاتا تھا[۱]

خراج وصول کرنے کے دو طریقے تھے، ایک پیمائش کا طریقہ تھا، اس میں زمین کی پیمائش یا تخمینہ کے بعد نقد یا پیداوار کی ایک خاص مقدار مقرر کر دی جاتی تھی۔ اس سے غرض نہ تھی کیا بویا گیا؟ کتنا پیدا ہوا؟ حضرت عمرؓ نے ارضِ سواد کا خراج اسی پیمائش کے طریقہ پر مقرر کیا تھا۔

دوسرا طریقہ بٹوارے کا تھا، اس میں پیداوار کا ایک معیّن حصّہ مقرر کر دیا جاتا تھا، یہ طریقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے پایا جاتا تھا۔ آپ نے اہلِ خیبر سے وہاں کی نصف پیداوار

---

[۱] دیکھئے تفصیل الاحکام السلطانیہ (الماوردی) ص ۱۳۲

پر مصالحت فرمائی تھی۔

خراج کی مقدار خلافتِ راشدہ میں زمین کی پیداوار، زرخیزی اور وسائلِ آبپاشی کی آسانیوں کا لحاظ کرکے مقرر کی جاتی تھی۔ حالات کے اعتبار سے اس میں ردوبدل بھی ہوتا رہتا تھا۔

دیوانِ خراج مسلمانوں سے قبل روم و فارس کی حکومتوں میں ٹیکس کا محکمہ قائم تھا۔ ہر صوبہ میں ایک افسر کے ماتحت بہت بڑا عملہ کام کرتا تھا۔ اس افسر کو ضروری مصارف کا اختیار حاصل تھا، لیکن اس کا فرض تھا کہ آمد و خرچ میں (۱) ان کا خیال رکھے۔

مسلمانوں نے روم و فارس پر اقتدار قائم کرنے کے بعد ان محکموں کو باقی رکھا۔ دفتری زبان تک نہیں بدلی۔ عبدالملک بن مروان کے زمانہ تک شام میں اغریقی، فارس میں فارسی اور مصر میں قبطی کی جگہ عربی عبداللہ بن عبدالملک گورنر مصر نے ولید بن عبدالملک کے حکم سے کر دی [illegible]

UNREGISTERED VERSION

خراج وصول کرنے کے لئے باقاعدہ افسر مقرر تھے، یہ عموماً گورنر یا سپہ سالار ہوتے تھے

www.avs4you.com

ان کا فرض تھا کہ وہ مفادِ عامہ اور فوجی مصارف کے علاوہ باقی رقم بیت المال کو بھیج دیں امام ابو یوسفؒ کے الفاظ میں "خراج کا افسر فقیہ ہو، عالم ہو، پاک باز ہو، منصف مزاج ہو، متدین ہو اور خود رائی سے احتراز کرتا ہو"۳

خلافتِ راشدہ کا زمانہ عدل و انصاف سے معمور تھا، خراج کی وصولی میں گورنروں کو بے اعتدالیوں کی جرأت نہ ہوتی تھی، اس دور میں پیمائش کے طریقے سے خراج وصول کیا جاتا تھا اور زمین کی زرخیزی اور پیداوار کی نوعیت کا لحاظ رکھا جاتا تھا، پورا خراج نقد کی صورت میں ادا کرنا ضروری نہ تھا، پیداوار کی شکل میں بھی دیا جاسکتا تھا، ناگہانی آفات اور پیداوار کی کمی کے وقت معاف کر دیا جاتا تھا یا اس میں کچھ تخفیف کر دی جاتی تھی۔ گورنروں کا فرض تھا کہ آبپاشی کی سہولتیں مہیا کریں اور ترقیِ زراعت کی دوسری تدابیر عمل میں لائیں۔

---

۱ موصل سے عبادان تک طول اور مغرب میں قادسیہ سے حلوان تک۔ تاریخ خطیب بغدادی ج ۱ ص ۲۴

۲ دیکھیے تفصیل مقریزی ج ۱ ص ۲۸ ۳ کتاب الخراج للامام ابی یوسفؒ ص ۱۸

نظام محاسبہ: حکومت کی طرف سے خراج کے افسروں کا نہایت سختی سے محاسبہ کیا جاتا تھا، حضرت عمرؓ نے احتساب کا ایک مستقل محکمہ قائم کر دیا تھا، اس محکمہ کے افسر محکمہ خراج کے عہدہ داروں کی مالی حالت کا جائزہ لیتے رہتے تھے اور اس بات کی سخت نگرانی رکھتے تھے کہ کہیں کسی عہدہ دار کا خرچ اس کی آمدنی سے زیادہ تو نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تھا تو فوراً تفتیش کی جاتی تھی، حضرت عمرؓ کو اگر خراج کے کسی افسر کی دولت مندی پر شبہ ہو جاتا تھا تو نہایت سختی سے اس کی تحقیق کراتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عمرو بن عاصؓ کی غیر معمولی ثروت پر شبہ ہو گیا تو آپ نے اُن کی رعایت نہیں کی اور نہایت سختی سے محمد بن مسلمہ کے ذریعہ تفتیش کرائی۔[1]

بنو امیہ نے خراج کا نظم ونسق اعلیٰ پیمانہ پر قائم کیا تھا، عبدالملک بن مروان خراج کے بددیانت افسروں کو برطرف کرنے کے بعد نہایت سختی سے ان کی ثروت کا جائزہ لیتا تھا اور جو [illegible] رکھی ہیں ان سے اعتراف کرانے کے لئے انہیں سنگین سزائیں دی جاتی تھیں اور اُن سے مال و دولت لے کر بیت المال میں داخل کر دیا جاتا تھا۔ یہ سزائیں اکثر حدودِ شرع سے متجاوز ہو جاتی تھیں ان لوگوں کے دلوں میں امانت رکھنے والے افسروں کی طرف سے فطری طور پر نفرت اور دشمنی پیدا ہو جاتی تھی، جو بعض دفعہ نازک صورت اختیار کر لیتی تھی، بنی اُمیہ کا آخری زمانہ فتنہ و فساد کا دور تھا، اس میں خراج کا نظام بھی ابتر ہو گیا تھا، جبر و استبداد، رشوت ستانی اور شخصی عداوت کا دور دورہ تھا، گورنروں میں آمریت کی شان پائی جاتی تھی۔ نیا گورنر اپنے سابق گورنر کے عملہ کو گرفتار کر لیتا تھا اور اس کی جگہ اپنے ہوا خواہ افراد کو مقرر کر دیا کرتا تھا۔ بنی اُمیہ کی تباہی میں اس کا بھی بہت بڑا دخل تھا۔[2]

نظام جاگیرداری: یہ نظام اپنی ابتدائی شکل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے پایا جاتا ہے۔ آپ نے مزنیہ کے چند آدمیوں کو ایک زمین دی تھی کہ اسے جوتیں، بوئیں انہوں نے بے اتفاقی سے اُسے بے کار پڑا رہنے دیا اور دوسرے لوگ اُسے جوتنے

[1] دیکھئے تفصیلات طبری ج ۱ ص ۶۴-۶۸ - [2] طبری ج ۳ ص ۵۰۲

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

بونے لگے۔ تھوڑی مدت کے بعد مزنیہ کے لوگوں نے اُسے واپس لینا چاہا تو دونوں میں نزاع پیدا ہُوا، تصفیہ حضرت عمرؓ کی عدالت میں پیش ہوا، آپ نے فیصلہ، جو شخص زمین کو تین سال تک بیکار پڑا رہنے دے اس کے بعد اگر کوئی دوسرا اُسے جوتنے بونے لگے تو وہی اس زمین کا زیادہ حقدار ہے، حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن مسعود کو بحرین اور سعد بن ابی وقاص کو ہُرمز کا جاگیردار بنایا تھا، ان جاگیرداروں کا فرض تھا کہ فوجی اور دوسری ضرورتوں سے بچی ہوئی رقم بیت المال میں داخل کر دیں۔[۱]

منصور نے اپنے چند خاص ارکانِ حکومت کو جاگیردار بنایا تھا یہ ان کی خدمات جلیلہ کا اعتراف اور صلہ تھا، یہ جاگیریں نہایت سرعت کے ساتھ آبادی سے معمور ہو گئی تھیں اور اسٹیٹ کی فلاح و بہبود پر اس کا نہایت اچھا اثر پڑا تھا۔ احمد بن طولون نے جب دیکھا کہ فسطاط اور عسکر آبادی اور فوجوں کی کثرت کے لیے ناکافی ہیں تو منصور کی طرح اس نے بھی امراء کو [illegible] آمدنی میں اضافہ کریں۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

جاگیرداری کا یہ جدید نظام عیوب سے خالی نہ تھا۔ جاگیردار کا مطمحِ نظر زیادہ سے زیادہ دولت حاصل کرنا ہوتا تھا تاکہ حکومت کی مالگزاری ادا کرنے کے بعد اپنے لیے بھی کافی رقم بچا سکے، جاگیردار کو اپنی جاگیر پر پورا اختیار ہوتا تھا اور وُہ حسبِ خواہش کاشتکاروں پر لگان لگا دیتا تھا اور اُسے کوئی روک ٹوک کرنے والا نہ تھا۔ کاشتکار شبانہ روز کی مسلسل محنت سے "قبر کا اگلا ہوا مردہ" نظر آنے لگتا تھا، لیکن وُہ لگان بھی بمشکل ادا کر سکتا تھا۔ مرکزی حکومت تک ان بیچاروں کی رسائی نہیں ہو سکتی تھی کہ ان کے خلاف احتجاج کریں سچ پوچھیے تو جاگیرداروں کے مزید جَور و استبداد کے خطرہ سے انہیں اس کی جرأت بھی نہیں ہوتی تھی۔[۲]

---

[۱] تفصیل ملاحظہ ہو مقریزی ج ۱ ص ۷۶ ۔ الخطط ج ۱ ص ۸۲ اور الاحکام السلطانیہ ص ۱۸۵ ۔ ۱۸۱ ۔

[۲] تفصیلات ملاحظہ ہوں کتاب الخراج (امام یوسفؒ) ص ۷۱ ۔ ۷۰ ۔ ۶۱ ۔ ۱۸

ڈاکٹر گروہان اڈولف (Grahman Adolfe) نے جاگیرداری کے نظام پر بصیرت افروز بحث کرتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہے[1] جاگیر کے پٹہ کی مدت چار سال سے زیادہ نہیں ہوتی تھی۔ جاگیردار کی ذمہ داریوں میں نہ صرف کاشت وغیرہ کرانا داخل تھا، بلکہ پلوں کی مرمت، آب پاشی کی سہولتیں مہیا کرنا اور زمین کی اصلاح بھی شامل تھی، مدت کی قلت اور مصارف کی زیادتی کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ جاگیرداران جاگیروں سے یہ اخراجات پورے کرتے تھے۔ ان جاگیرداروں کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ اتنی آمدنی حاصل ہو جائے کہ حکومت کا ٹیکس ادا کرنے کے بعد ان کی دلچسپیوں کے لئے بھی کافی رقم بچ رہے بیچارے محکوم کاشتکار درمیان میں پستے تھے۔

جاگیرداری کا یہ نظام عالم گیر تھا۔ دسویں اور گیارہویں صدی عیسوی کے یورپ نے بھی مسلمانوں کے اس نظام کی تقلید کی تھی۔

UNREGISTERED VERSION

جزیہ

www.avs4you.com

جزیہ کی رقم ایک معین مقدار کا نام ہے جو ذمیوں سے لی جاتی تھی اور مسلمان ہونے کے بعد ساقط ہو جاتی تھی۔ خراج اور جزیہ میں اتنا فرق تھا کہ خراج زمین سے لیا جاتا تھا اور مسلمان ہونے سے اس پر کوئی اثر نہ پڑتا تھا اور جزیہ جانوں کا ٹیکس تھا اور اسلام لانے سے معاف ہو جاتا تھا، اور دوسرے جزیہ کی بنیاد "نصِ قرآنی" پر قائم ہے اور خراج کی اساس "اجتہاد" پر ہے۔

جزیہ ذمیوں پر زکوٰۃ کی جگہ مقرر تھا، مسلمان اور ذمی دونوں ایک ریاست (State) کے شہری خیال کئے جاتے ہیں ان کے حقوق میں کسی قسم کا امتیاز نہ تھا۔ مسلم ریاست ان کے جان و مال کا ذمہ لیتی تھی اور ضروری تھا کہ جزیہ کی رقم ذمیوں کی فلاح و بہبود، تعلیم و ترقی اور ان کی دوسری ضروریات پر صرف کی جائے۔ شریعت نے جزیہ انہی ذمیوں پر

---

[1] Arabic Paper in the Egyptian library, Vol. II, P. 64.

[2] الاحکام السلطانیہ - ص ۱۳۷-

واجب قرار دیا تھا جو اگر مسلمان ہوتے تو اُن پر "جہاد" فرض ہوتا۔

جزیہ کی مقدار حسب ذیل تھی :۔

(۱) دولتمندوں سے = ۴۸ درہم سالانہ (= بارہ روپے)

(۲) متوسط طبقہ سے = ۲۴ ″ ″ (= چھ روپے)

(۳) ادنیٰ طبقہ سے = ۱۲ ″ ″ (= تین روپے)

غریبوں، بے بسوں، اندھوں، اپاہجوں، مجنونوں اور دوسرے معذور افراد سے جزیہ نہیں لیا جاتا تھا، راہب اگر متمول نہ ہوتے تو انہیں جزیہ ادا نہ کرنا پڑتا تھا۔ یہ صرف عاقل بالغ اور آزاد مردوں پر واجب تھا، عورتوں اور بچوں سے نہ لیا جاتا تھا[۱]

جزیہ اسلام کا جدید تخیل نہ تھا، بلکہ یونانیوں نے اسے سب سے پہلے ایشیائے کوچک کے باشندوں پر ۵ق م عائد کیا تھا، رومیوں اور ایرانیوں نے ان کی تقلید کی تھی۔ اور اپنی مفا[illegible] کا نظام جزیہ ایرانیوں کے نظام جزیہ سے بہت کچھ ملتا جلتا ہے۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

مسلمان فرمانروا جزیہ وصول کرنے میں عدل و انصاف اور نرمی کا برتاؤ کرتے تھے اسلام کا قانون تھا کہ جزیہ وصول کرنے کے لئے کسی ذمی کو زدوکوب نہ کیا جائے، نہ دھوپ میں کھڑا کیا جائے، نہ بدن داغ کر یا کسی دوسری طرح جسمانی اذیت پہنچائی جائے۔ سہل انگاری کی حالت میں صرف حوالات میں بند کیا جا سکتا ہے مگر ادائیگی کے بعد فوراً رہا کر دیا جائے۔

قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) امام ابو یوسفؒ نے ہارون رشید کو خط میں لکھا تھا۔

"آپ کا فرض ہے، ذمیوں سے رواداری برتیں، یہ ابن عم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا۔ ان کی ضرورتوں سے بے خبر نہ رہیئے۔ ان پر جبر و جور اور زیادتی نہ ہونے پائے جزیہ کے علاوہ اور ان کا مال نہ لیا جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ان آخری الفاظ سے آپ ناواقف نہ ہوں گے "ذمیوں سے بھلائی کرنا، ان سے رواداری برتنا۔ انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دینا"[۲] عہد عباسیہ میں ذمیوں

---

[۱] کتاب الخراج۔ ص ۶۹-۷۲، الجامع الاحکام القرآن قرطبی۔ ج ۸ ص ۱۰۸۔ الاحکام السلطانیہ ص ۱۳۹ [۲] ایضاً ص ۱۳۷۔

کے حقوق کے تحفّظ اور ان کی دوسری ضروریات کا لحاظ رکھنے کے لئے ایک مستقل محکمہ قائم تھا[۱]

زکوٰۃ

انواعِ زکوٰۃ پانچ ہیں :-

(۱) سونا، چاندی: سونا بیسؔ مثقال اور چاندی دوؔسو درہم ہو، اور ان پر سال گزر جائے تو ۱/۴۰ دینا پڑتا ہے۔

(۲) مویشی: ان میں اونٹ، گائے، بیل اور بھیڑ بکری داخل ہیں، یہ ضروری تھا کہ وہ بار برداری، گھی، دودھ اور افزائشِ نسل کے لئے پالے گئے ہوں، اور سال کی اکثر مدت میں چرتے رہے ہوں، گھوڑے، گدھے اور خچر اگر تجارت کے لئے نہ ہوں تو اُن پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے[۲]

UNREGISTERED VERSION

(۳) سامانِ تجارت: تجارت کا سامان اگر سونے چاندی کے "نصاب" تک پہنچ جاتا اور اس پر ایک سال بھی پورا گزر جاتا تو ۱/۴۰ دینا پڑتا تھا[۳]

www.avs4you.com

(۴) سونے چاندی کی کان اور خزانہ: قانونِ شریعت میں ان دونوں کی ایک حیثیت تھی۔ اگر دارالحرب ہوتا تو ۱/۵ حصہ ریاست کا تھا، ارضِ صلح میں ۱/۴ حصہ ریاست کا تھا اور باقی پانے والے کا حق تھا[۴]

(۵) غلّہ اور پھل: اگر زمینیں بارش اور قدرتی نالیوں کے ذریعہ سیراب ہوتیں، تو ان کی پیداوار کا ۱/۱۰ حصہ لیا جاتا۔ ۱/۲۰ اس وقت لیا جاتا جب انہیں سینچنا پڑا ہو، اور نشو ونما میں کاوشیں اُٹھانی پڑی ہوں[۵]

---

۱ Sayed Ameer Ali, A Short History of The, Saracens. p-415

۲ دیکھئے تفصیل کتب فقہ میں۔ ۳ صحیح بخاری ۴ صحیح بخاری۔ الجامع الاحکام القرآن ج،

۵ ص ۹۹ الفقہ علی مذاہب الاربعہ

فیٔ

محارب قوموں کا جو مال بغیر کسی قسم کی جنگ و جدال کے ہاتھ آئے وہ "فی" کہلاتا ہے۔ فیٔ کا ۱/۵ حصہ پانچ حصّوں میں تقسیم کیا جاتا۔ ایک حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تک آپؐ کا ہوتا تھا اور باقی چار حصے آپ کے قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور بے زاد راہ مسافروں کو دیدیئے جاتے تھے ۴/۵ حصہ حضرت عمرؓ کے ابتدائی دور تک فوج میں سامان جنگ خریدنے کے لئے تقسیم کر دیا جاتا۔ جب حضرت عمرؓ نے سامانِ جنگ فراہم کرنے کا باقاعدہ انتظام حکومت کی طرف سے کر دیا تو یہ مال بیت المال میں داخل کر دیا جاتا تھا۔

غنیمت

UNREGISTERED VERSION

مالِ غنیمت اس مال و دولت کو کہا جاتا تھا جو مسلمانوں نے غیر مسلموں سے مقابلہ کے بعد حاصل کیا ہو، یہ چار قسم کا ہوتا تھا۔ مرد قیدی، عورتیں اور بچے، زمین اور مال و دولت۔ قیدیوں کے بارے میں امیر کو اختیار تھا کہ فدیہ لے کر رہا کر دے، قتل کر دے یا انہیں مجاہدین میں تقسیم کر دے۔ اہل کتاب کی عورتوں اور بچّوں کو مجاہدین میں تقسیم کر دیا جاتا تھا اور ان کا قتل جائز نہ تھا، اگر یہ مشرک اور دہریہ ہوتے تھے اور اسلام لانے سے انکار کر دیتے تھے اس صورت میں امیر کو اختیار تھا کہ انہیں غلام بنا لیا جائے یا قتل کر دیا جائے تقسیم کے وقت یہ خیال رکھا جاتا تھا کہ ماں سے بچہ جدا نہ کیا جائے۔

www.avs4you.com

زمینیں، جن کے مالک قتل، قید یا جلاوطنی کی وجہ سے انہیں خیرباد کہہ گئے ہوں مجاہدین میں تقسیم کر دی جاتیں یا اُن کی اجازت سے مفادِ عامہ کے لئے وقف کر دیا جاتا!

مال و دولت کا ۱/۵ حصہ فیٔ کی طرح پانچ حصّوں میں تقسیم کر دیا جاتا اور ۴/۵ حصہ مجاہدین کا حق سمجھا جاتا، تقسیم میں سوار کو پیدل سے دگنا دیا جاتا تھا[1]

---

[1] دیکھئے تفصیل الجامع الاحکام القرآن ج ۸ ص ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶ - احکام القرآن (ابن عربی) ج ۱ ص ۳۵۴ - احکام السلطانیہ ص ۱۳۵۔

عشر | سامان کا ۱/۱۰ حصہ ان غیر مسلم تاجروں[1] سے لیا جاتا تھا جو دار الحرب سے دار السلام میں تجارت کرنے آتے، اسے عشر کہا جاتا۔ یہ سال میں ایک دفعہ ادا کرنا پڑتا تھا۔

بیت المال کے وسائلِ آمدنی میں گرا پڑا مال۔ لاوارثی دولت اور زرِ مصالحت بھی داخل تھا۔ خلافتِ راشدہ کے ذرائع آمدنی کا یہ اجمالی خاکہ ہے۔

عہدِ بنی اُمیّہ

بنی اُمیہ کے دور میں نہ صرف جزیہ کی مقدار بڑھا دی گئی بلکہ اور نئے ٹیکس بھی لگا دیے گئے۔ امیر معاویہؓ نے اپنے گورنر مصر وردان کو لکھا تھا "ہر قبطی مرد پر ایک قیراط بڑھا دو" حجاج بن یوسف کے بھائی نے یمن[2] کی زمینوں پر عشر کے علاوہ ایک اور ٹیکس لگا دیا۔ عبدالملک بن مروان نے تمام خراسان کی مردم شماری کرائی تھی اور ہر فرد پر ایک جدید ٹیکس لگا دیا تھا۔ اور اسی پر اکتفا نہ کیا تھا بلکہ مقررہ جزیہ کی مقدار میں تین دینار کا اضافہ کر دیا تھا۔[3] [illegible] ٹیکس [illegible] زیادہ کر دیئے گئے، یہ وہ وقت تھا جب انہیں پچھلے ٹیکس ادا کرنے بھی دوبھر تھے۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے خراج کے افسروں کے نام حکم جاری کیا تھا، "خراج کے درہموں کی مالیت کے درہم چودہ قیراط سے زیادہ نہ ہو"۔ یہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ اس کا موقع ملتا تھا کہ زیادہ مالیت کے درہم شہریوں سے وصول کریں اور انہیں بدل کر کم مالیت کے درہم بیت المال میں داخل کر دیں۔[4]

عبید اللہ بن زیاد گورنر عراق نے خراج کے عرب افسروں کی جگہ ایرانی افسر مقرر کر دیے تھے۔ یہ بڑے بڑے زمیندار تھے اور تجربہ نے بتا دیا تھا کہ وہ زیادہ ایماندار اور صاحبِ بصیرت ہوتے تھے۔[5]

عبد الملک بن مروان نے اپنے غیر معمولی سیاسی تدبّر سے ٹیکس کا نظام نہایت بلند معیار

۱؎ صبح الاعشیٰ ج ۳ ص ۲۶۳ ۲؎ کتاب الخراج ص ۲۳ ۳؎ تفصیل ملاحظہ ہو۔ تاریخ یعقوبی۔ ج ۲ ص ۲۵۸

۴؎ طبری ج ۲ قسم ثانی ص ۴۵۸-۹۹۵۔

پر پہنچا دیا تھا اور ٹیکس کے افسران کو ایک پائی بھی غبن کرنے کی جرأت نہ ہو سکتی تھی۔ وہ نہایت سختی سے ان کا محاسبہ کرتا تھا، رشوت خور اور بد دیانت افسروں کو معزول کر کے انہیں لرزہ خیز سزائیں دیتا تھا اور ان سے ایک ایک حبّہ اگلوا لیتا تھا۔

بنی اُمیہ کے زوال کے ساتھ ان کا نظام مالیات بھی ابتر ہو گیا تھا، انتہا یہ تھی، کہ ۱۳۲ھ، ۷۵۰ء میں جب وہ عباسیوں کے ساتھ موت و زندگی کی کشمکش میں مبتلا تھے اس وقت فوج کی تنخواہیں ادا کرنے میں سہل انگاری برتی گئی، نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی فوج عباسیوں کے ساتھ مل گئی اور دمشق کے قلعوں پر بنی اُمیہ کی جگہ عباسیوں کا سیاہ پرچم لہرانے لگا یہ آخر ۱۳۲ھ کا واقعہ ہے۔

عہد عباسیہ

UNREGISTERED VERSION

عباسیوں نے زراعت کی ترقی کو اپنا نصب العین قرار دیا تھا۔ اس کی وجہ سے ریاست کی مالیات پر [illegible] ۱۳۱ھ تک لگان پیمائشی طریقہ سے وصول کیا جاتا رہا۔ منصور نے اس میں اتنی ترمیم کی کہ گندم اور جو کی پیداوار کے لئے بٹوارہ کا طریقہ نافذ کر دیا اور میوہ کے باغات کے لئے پیمائش کا قدیم دستور جاری رہا مہدی نے جب افسروں کی بدعنوانیوں کا ہدف باغات کو دیکھا تو بٹوارہ کے طریقہ کو ہمہ گیر کر دیا۔ زمین اگر بے حد زرخیز ہوتی اور راور آبپاشی کی دقتوں کا سامنا زیادہ نہ کرنا پڑتا تو پیداوار کا ½ حصہ ریاست کا حق ہوتا ورنہ ⅓، ¼ یا ⅕ حصہ زمین کی نوعیت کے لحاظ سے ادا کرنا پڑتا تھا۔

www.avs4you.com

باغات کے پھلوں کی قیمت کا تخمینہ لگایا جاتا تھا اور ⅓ یا ¼ ریاست کو دینا پڑتا تھا ۲۰۴ھ، ۸۱۹ء ۸۲۰ء میں مامون نے زرخیز زمین کے ½ حصہ لگان میں تخفیف کر کے ⅖ کر دیا تھا۔ بابل، کلدان، عراق، الجزیرہ اور فارس کی سرزمینوں سے صلح نامہ کے مطابق ٹیکس وصول کیا جاتا تھا۔ اس کی وجہ سے وہ افسروں کی بے اعتدالیوں سے مامون تھے۔ شمالی فارس اور خراسان کے باشندے بھی "مصالحانہ ٹیکس" ادا کرتے تھے، خشک سالی اور

دوسری آفات کے وقت لگان میں تخفیف کر دی جاتی۔ معتضد کے زمانہ میں جب الم انگیز قحط پڑا تھا تو لگان کا ۱/۴ معاف کر دیا گیا تھا اور ادا کرنے کے لئے ۱۷ جنوری کی جگہ ۱۵ مارچ تک مہلت دیدی گئی تھی، پھر اس میعاد کو ۱۲ جولائی تک بڑھا دیا گیا تھا۔

عباسیہ کے دورِ عروج میں زراعت کی ترقی کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہارون کے زمانہ میں ریاست کی سالانہ آمدنی ۲۷۲ ملین[1] درہم اور ۱/۲ ۴ ملین دینار تھی اور مامون کا صرف خرچ چھ ہزار دینار یومیہ یا (۲۱۹۰) دینار سالانہ تھی[2]

عباسیوں نے خراج کے نظم و نسق میں اپنے سیاسی شعور کا ثبوت دیا تھا، ہارون کے عہد میں امام ابو یوسفؒ نے "خراج" کا ایک شرعی لائحہ عمل بنایا تھا جو سرکاری قانون قرار دیا گیا تھا، اس میں تنظیم خراج، آمد و صرف اور مالیات کے دوسرے اہم عناصر کو اسلامی نقطہ نظر سے بیان کیا گیا تھا۔

UNREGISTERED VERSION

[illegible] دستور کا اجمالی خاکہ یہ تھا:-

www.avs4you.com

(۱) بیت المال [illegible]

ا- مالِ غنیمت کا ۱/۵ حصہ۔

ب- خراج - اس باب میں عشر اور جزیہ کا بیان بھی داخل تھا۔

ج- صدقات۔

(۲) خراج وصول کرنے کا طریقہ کار۔

(۳) بیت المال کے ضروری مصارف۔

عباسیوں نے امام ابو یوسفؒ کے اس آئین مالیات کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھا اور اس پر عمل کرنے کی حتی الامکان کوشش کی تھی۔

بنی امیہ کے عہدِ حکومت میں لگان نوروز (بیساکھ کی پہلی تاریخ) سے ایک ماہ قبل وصول کیا جاتا تھا۔ اس وقت فصل تیار نہ ہوتی تھی اس لئے کاشتکاروں کو ادائیگی میں

---

[1] ملین = دس لاکھ۔ درہم = ۴ر - دینار = ۵ر

[2] Sayed Amir Ali A Short History of the Saracens, P. 426

بڑی پریشانی اٹھانی پڑتی تھی۔ اُن کا ایک وفد ہشام بن عبدالملک کے پاس آیا تھا، اور درخواست کی تھی کہ اس کی میعاد ایک ماہ بڑھا کر نوروز کر دی جائے، مگر ہشام نے انکار کر دیا تھا، عباسیہ کے زمانہ میں اس کی میعاد نوروز مقرر تھی۔ ہارون کے دور میں اربابِ زراعت یحییٰ بن خالد برمکی وزیرِ اعظم کے پاس یہ التجا لے کر آئے تھے کہ لگان کی میعاد میں دو ماہ کا اضافہ کر دیا جائے۔ یحییٰ نے اس اندیشہ سے رد کر دیا تھا کہ اسے مجوسیت کا تعصب خیال کیا جائے گا[۱]

متوکل کے عہد میں یہ قضیہ دوبارہ پیش ہُوا تو اس نے میعاد میں دو ماہ کا اضافہ کر دیا۔ لیکن مستنصر نے اپنے زمانہ ہی میں وہی میعاد مقرر کر دی تھی جو متوکل سے قبل تھی۔ معتضد نے اپنے دورِ حکومت میں متوکل کے زمانہ کی میعاد کو سولہ روز پہلے کر دیا تھا۔

[illegible] س میں

UNREGISTERED VERSION

خام اشیاء، اور دوسری "فتوحات" داخل نہیں تھیں۔ جن کی قیمت کم و بیش پانچ لاکھ اور دس لاکھ دینار ہوتی تھی[۲]

www.avs4you.com

عباسیہ کے زوال کے ساتھ ساتھ ریاست کی آمدنی میں بھی انحطاط شروع ہوا اور چوتھی صدی ہجری (دسویں صدی عیسوی) میں اس کی آمدنی ہارون کے عہد سے ⅓ سے بھی کم رہ گئی تھی۔ آئے دن کے جنگی اخراجات مالیات پر ایک بارِ گراں تھے، ریاست کے مضمحل اعضا کو ان کی وجہ سے اور بھی سکون نہ تھا[۳]

ابنِ خلدونؒ نے عہدِ مامون کے سرکاری کاغذات سے ٹیکس کی آمدنی کا ایک نقشہ مرتب کیا تھا، اسے ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ اس سے عہدِ مامونی کے شعبہ مالیات کا اندازہ[۵] کیا جا سکتا ہے۔

---

[۱] البیرونی کتاب الآثار الباقیہ ترجمہ P. Edward Sacha [۲] دیکھئے صبح الاعشیٰ

ج ۳ ص ۲۷۰۔ مقدمہ ابن خلدون ص ۲۴۲۔ حضارۃ الاسلام فی دار السلام ص ۱۸۸ کتاب الخراج (ابن قدامہ)

[۳] Cambridge Medieval History, Vol IV P. 151.

نمبر شمار	اقلیم	زر نقد	خام پیداوار اور دوسری اشیاء
۱	ارض اسود	۲۷۸۰۰۰۰۰ درہم	نجرانی پارچے ۲۰۰
۲	حلوان	۴۸۰۰۰۰۰ "	مہر لگانے کی مٹی ۲۴۰ رطل[1]
۳	کسکر	۱۱۶۰۰۰۰۰ "	
۴	دجلہ کے اضلاع	۲۰۸۰۰۰۰۰ "	
۵	اہواز	۲۵۰۰۰۰۰۰ "	شکر ۳۰۰۰۰ رطل
۶	فارس	۲۷۰۰۰۰۰۰ "	عرق گلاب کی بوتلیں ۳۰۰۰۰ عدد روغن زیتون سیاہ ۳۰۰۰۰ رطل
۷	کرمان	۴۰۰۰۰۰۰ "	یمنی کپڑے کے تھان ۵۰۰ کھجور ۲۰۰۰۰ رطل
۸	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۹	سندھ کا علاقہ	۱۱۵۰۰۰۰۰ "	عود ہندی ۱۵۰ رطل
۱۰	سجستان	[illegible]	[illegible] ۳۰۰۰ ۲۰ رطل
۱۱	خراسان	۲۸۰۰۰۰۰۰ "	۲۰۰۰ نقرہ ۴۰۰۰ عدد ترکی گھوڑے ۱۰۰۰ اغلام ۲۰۰۰۰ کپڑے کے تھان ۳۰۰۰۰ رطل بلیلہ
۱۲	جرجان	۱۲۰۰۰۰۰۰ "	ریشم ۱۰۰۰ اشقہ
۱۳	قومس	۱۵۰۰۰۰۰ "	۱۰۰۰ نقرہ
۱۴	طبرستان، ریان اور ماند	۶۳۰۰۰۰۰ "	طبرستانی فرش ۶۰۰ چادریں ۲۰۰ تھان ۵۰۰ رومال ۳۰۰ جام (پیالہ) ۳۰۰
۱۵	رے	۱۲۰۰۰۰۰۰ "	۲۰۰۰۰ رطل شہد
۱۶	ہمدان	۱۱۳۰۰۰۰۰ "	رب الریان ۱۰۰۰ رطل، شہد ۱۲۰۰۰ رطل
۱۷	بصرہ و کوفہ کا وسطی علاقہ	۱۰۷۰۰۰۰۰ "	
۱۸	مازندران		
۱۹	شہرزور	۶۷۰۰۰۰۰ "	

[1] رطل تقریباً آدھ سیر

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

نمبر	اقلیم	زرِ نقد	خام پیداوار اور دوسری اشیائ
۲۰	موصل	۳۴۰۰۰۰۰ درہم	شہد ۲۰۰۰۰ رطل
۲۱	آذربیجان	۴۰۰۰۰۰ "	
۲۲	الجزیرہ و فرات کے اضلاع	۳۴۰۰۰۰۰ "	غلام ۱۰۰۰ شہد ۱۲۰۰۰ مشکیزے چادریں ۲۰ باز ۱۰
۲۳	آرمینیہ	۱۳۰۰۰۰۰ "	فرش خاص قسم کے ۲۰۔ زقم ۵۸۰۔ ایک مچھلی ۱۰۰۰۰ رطل سوکاہی ۱۰۰۰۰ رطل، صونج ۱۰۰۰ رطل خچر ۲۰۰۔ بچھیرے ۳۰ عدد۔
۲۴	برقہ	۱۰۰۰۰۰۰ "	
۲۵	افریقہ	[illegible] "	فرش [illegible]
۲۶	قنسرین	۴۰۰۰۰۰ "	روغن زیتون ۱۰۰۰ رطل
۲۷	دمشق	[illegible] "	
۲۸	اردن	۹۷۰۰۰ "	
۲۹	فلسطین	۳۱۰۰۰۰ "	روغن زیتون ۳۰۰۰۰۰ رطل
۳۰	مصر	۲۹۲۰۰۰۰ "	
۳۱	یمن	۳۷۰۰۰۰ "	یمنی اشیاء آتی تھیں، مگر تفصیل اُن کی نہیں ملی۔
۳۲	حجاز	۳۰۰۰۰۰ "	
	میزان کل	۳۹۰۸۵۵۰۰۰ "	

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

مامون کے بعد یہ آمدنی گھٹنا شروع ہوئی اور معتصم کے زمانہ میں ۳۸۸۲۹۱۳۵۰ درہم، اور تیسری ہجری کے وسط میں ۲۹۹۲۶۵۳۴۰ درہم سے بھی کم رہ گئی تھی۔

بیت المال کے مصارف

فرمانروا بیت المال کی آمدنی کو ریاست اور فلاح عامہ کی ضرورتوں پر حسب مصلحت صرف کرتا تھا۔ اہم مصارف یہ تھے :۔

(۱) گورنروں، قاضیوں، کلکٹروں، بیت المال کے افسر اور ریاست کے دوسرے عہدہ داروں کی تنخواہیں۔

(۲) فوج کی تنخواہیں، یہ تنخواہیں ان اوقات کی ہوتی تھیں جن میں وہ فوجی خدمات انجام دیتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ اوقات غیر محدود تھے اور فوجیوں کی تنخواہیں بھی غیر معین تھیں، ان فوجیوں میں مال غنیمت کا ⅘ حصہ اور خراج کی آمدنی مساویانہ طور سے تقسیم کر دی جاتی تھی۔

حضرت ابوبکرؓ نے بھی اپنے دورِ خلافت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مساویانہ تقسیم کو لائحۂ [illegible] اسلامی خدمات کا لحاظ کر کے تفریق کی تھی، یہ تفریق حسب ذیل تھی :۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

امہات المومنین [illegible] ہزار درہم سالانہ۔ صرف حضرت عائشہؓ کی یہ خصوصیت تھی کہ آپ کو بارہ[۱۲] ہزار درہم سالانہ دیے جاتے تھے۔ امتیازی سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ان کی قدر و منزلت اور ان کے والد حضرت ابوبکرؓ کی اسلامی خدمات اور ان کا ۱۰۰۶ از تھا۔ اصحاب بدرؓ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ پانچ ہزار درہم، اصحاب بدرؓ کے ہم پایہ مسلمانوں کو چار ہزار درہم، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، انصار و مہاجرین کے بعض دوسرے صاحبزادوں کو تین ہزار درہم، عام صاحبزادوں کو دو ہزار درہم عام مسلمانوں کو حسب مراتب تین سو چار سو درہم کے درمیان انصار و مہاجرین کی عورتوں کے حسب مرتبہ تین تین سو اور چھ سو درہم مقرر تھے) یہ وظائف سالانہ تھے اور انفرادی حیثیت سے دیے جاتے تھے۔

لہ تحریر الاحکام فی تدبیر اہل الاسلام لبدر الدین ابن جماعۃ المنشور بالعدد الرابع من المجلۃ الاسلامیہ (۱۹۳۴ء) ص ۳۸۴ نیز دیکھئے :۔

Islamied Von Kremer Culturgeschiebte Des Brients, Trans, Dgs. Khuda Bukhsh P. 57

فوج کے افسروں کی تنخواہیں سات ہزار، آٹھ ہزار اور نو ہزار درہم سالانہ، انکی خدمات اور فوجی صلاحیت کے لحاظ سے مقرر تھی، ان کی بیویوں اور اولاد کے وظائف ان میں داخل نہ تھے، ہر افسر کو ڈیڑھ بگیہ گندم کی پیداوار بھی دی جاتی۔

خلافتِ راشدہ میں فوجوں کی تنخواہوں کا یہی معمول رہا۔ امیر معاویہؓ نے سیاسی مصلحت کے زیرِ اثر فوج کی تعداد کے ساتھ ساتھ سپاہیوں کی تنخواہوں میں بھی اضافہ کر دیا تھا، ان کی فوج کی تعداد ساٹھ ہزار تھی اور چھ کروڑ درہم سالانہ اس پر صرف ہوتا تھا، خلافتِ بنی اُمیہ کی بنیادیں جب ذرا مستحکم ہوگئیں تو اس مصرف میں ½ تخفیف کر دی گئی تھی۔

زراعت میں آسانیاں پیدا کرنے کے لئے نہریں کھدوانا بھی بیت المال کے ذمہ تھا، دجلہ و فرات سے بڑی بڑی نہریں کاٹ کر ریاست کے دور دراز حصوں میں آب رسانی کی سہولتیں مہیا کی جاتی تھیں۔

UNREGISTERED VERSION

[illegible]

(۵) اسلحۂ جنگ، اور دوسرے جنگی ساز و سامان کے اخراجات۔

www.avs4you.com

(۶) ارباب علم و فضل اور علماء کے وظائف۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں باقاعدہ وظیفہ یاب افراد کے نام حکومت کے دفتر میں درج تھے۔ اس وقت ان افراد کی تعداد محدود تھی۔ اس لئے عرب، غیر عرب کی تخصیص نہ تھی، اور ان وظائف کا دائرہ عمل عجم کے ان نمبرداروں تک وسیع تھا، جو ضرورت کے وقت عربوں کی جنگوں میں امداد کیا کرتے تھے، حضرت علیؓ کے زمانہ تک یہی طریقۂ عمل رہا تھا۔[1]

بنی اُمیہ نے عداوت کی وجہ سے علویوں کے وظائف بند کر دیئے تھے یا ان میں تخفیف کر دی تھی اور اپنے خاندان کے گراں قدر وظائف مقرر کر دیئے تھے اور ریاست کی آمدنی کا بڑا حصہ ان خاندانی وظائف کی بھینٹ چڑھ جاتا تھا، بنی اُمیہ کی یہ دور اندیشانہ پالیسی تھی، مقصد اس سیاسی بحران کا مقابلہ تھا جو علویوں اور اُن کے حامیوں کے وظائف بند کرنے سے پیدا ہوا تھا۔

---

[1] تفصیل دیکھئے احکام السلطانیہ ص ۱۹۴-۱۹۶۔ فتوح البلدان ۴۶۱ ۴۶۴۔ تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۲۱۳۔

عربوں کو اپنی انفرادیت کا ہمیشہ خیال رہتا تھا اور انہیں یہ گوارا نہ تھا کہ مفتوحہ ممالک کی جاگیریں عجمی مسلمانوں میں مساویانہ طور پر تقسیم کی جائیں خطرہ یہ تھا کہ ان کی اکثریت عربوں کی اقلیت پر مستقبل میں معاشی، سیاسی اور تمدنی لحاظ سے کہیں حاوی نہ ہو جائے۔

مغرب کے ارباب سیاست نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی اصلاحات پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ ان اصلاحات میں آپ نے عرب اور عجم کے مسلمانوں کے معاشی، سیاسی اور تمدنی حقوق مساوی قرار دیے تھے۔ عربوں کی طرح عجمی مسلمانوں کے وظائف بھی مقرر کر دیئے گئے تھے اور اس جزیہ کو معاف کر دیا گیا تھا جسے بنی اُمیّہ کے فرمانرواؤں نے عجمیوں کے مسلمان ہو جانے کے باوجود معاف کرنا سیاسی پالیسی کے خلاف سمجھا تھا۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی ان اصلاحات کا مالیات پر یہ اثر پڑا کہ وظائف کی زیادتی اور جزیہ کی آمدنی [illegible] لگی۔ انکی وفات کے بعد ہشام بن عبد الملک نے مالیات کے شعبہ کی آمدنی کو اعتدال پر لانے کیلئے جو جابرانہ پالیسی اختیار [illegible] ہنگاموں نے بنی اُمیّہ کے مستقبل پر بہت بُرا اثر ڈالا۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

فان فلوتن (Von Floten) ان اصلاحات پر ان الفاظ میں تبصرہ کرتا ہے۔ "بنی اُمیّہ کے زوال کا سب سے اہم سبب یہ تھا کہ عرب اور غیر عرب عناصر میں تفریق کی گئی تھی، عجمی عنصر سیاسی، تمدنی اور معاشی حقوق میں عرب عنصر کا ہم پلّہ قرار نہ دیا گیا تھا، یہ اسلامی آئینِ مساوات کے خلاف تھا۔ بنی اُمیّہ میں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے سب سے پہلے داخلی اصلاحات کی طرف عملی قدم اٹھایا، آپ نے عرب و عجم کے مسلمانوں کے تمام حقوق مساوی قرار دیئے، عربوں کی طرح عجمیوں کے وظائف مقرر کر دیئے، عجمی مسلمانوں کا قانونِ شریعت کے مطابق جزیہ معاف کر دیا۔ اندرونی اصلاحات میں انہماک کی وجہ سے جدید فتوحات کا دروازہ بند ہو گیا اور فوجیں بھی بیت المال پر ایک بار ہو گئیں۔ ان باتوں کا مالیات کے شعبہ پر بہت بُرا اثر پڑا اور آمد و صرف میں توازن قائم نہ رہا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ آمدنی سے خرچ بڑھ گیا اور حکومت مالی دقتوں میں مبتلا ہو گئی۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے زمینوں کو سپاہیوں کی ملکیت سے خارج کر دیا تھا حالانکہ وقت کا تقاضا یہ تھا کہ مزید زمینیں انہیں دی جاتیں تاکہ وُہ غلہ وغیرہ کی پیداوار سے اپنی ضرورتیں پوری کرتے اور لگان کے ذریعہ حکومت کی آمدنی میں اضافہ کرتے، اس طرح سے مالیات کا بوجھ بڑی حد تک ہلکا ہو سکتا تھا، یہ وقت جدید وظائف مقرر کرنے کا نہ تھا بلکہ ضرورت اس کی تھی کہ عربوں کے وظائف بھی بند کر دیئے جاتے۔ اس وقت بیت المال کی حالت وظائف کی متحمل نہ تھی، امویوں کے سیاسی دشمن مدت سے وقت کے منتظر بیٹھے تھے، ہشام بن عبد الملک نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی اصلاحات کی ناکامی کے بعد مالیات کی حالت کو اعتدال پر لانے کے لئے جو سخت گیرانہ پالیسی اختیار کی اس کی وجہ سے امویوں کے خلاف سازشیں کرنے کا اور موقع ملا۔ یہ وُہ وقت تھا جب بنی اُمیہ کی سیاسی کمزوریوں کی وجہ سے ہشام کے سر پر تاج خلافت لرز رہا تھا۔[۱]

UNREGISTERED VERSION

www.avs4you.com

---

۱ Rechers Surla Domination Arabe, P. 50, 60

نیز دیکھئے تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۳۰۵

مصر کا نظامِ مالیات

عربوں کی تسخیر سے عہد طولون تک

حضرت عمرؓ نے مصر کی آراضی کو مسلمانوں کی ناقابل تقسیم ملکیت قرار دیا تھا اور یہ زمینیں کاشتکاروں کو لگان پر دیدی گئی تھیں، قبطیوں کو مصر کا شہری تسلیم کیا تھا اور ان پر جزیہ لگا دیا تھا۔ بلادِ مصر کے رومی باشندے محارب قوم کی حیثیت سے مقابلہ پر آئے تھے اس لئے مسلمانوں نے ایک ایک کر کے انہیں وہاں سے نکال باہر کیا تھا۔

۹۶ھ ۷۱۵ء میں ولید بن عبدالملک کی طرف سے ابن رفاعہ کی سرکردگی میں ایک کمیشن مصری مردم شماری اور جزیہ [illegible] کے لئے مقرر کیا گیا تھا، اس کمیشن نے [illegible] مسلسل نو ماہ کی کوششوں کے بعد اپنی رپورٹ پیش کی تھی، اس میں بیان کیا گیا تھا۔ مصر کی بستیوں کی تعداد دس ہزار سے اوپر ہے اور کوئی بستی ایسی نہیں ہے جس کے باشندوں میں پانچ سو سے کم آدمی جزیہ ادا کرتے ہوں۔

ابن رفاعہ کی رپورٹ کے مطابق جزیہ ادا کرنیوالوں کی تعداد حسب ذیل ہوگی:۔

۱۰۰۰۰ × ۵۰۰ = پانچ ملین نفوس) یہ تعداد مصر کی آبادی کا ۱/۲ حصہ تھی[1]

حضرت عمرو بن عاصؓ کے زمانہ میں ہر ذمی پر دو دینار (دس سو پیہ) عاید کئے گئے تھے بچے، بوڑھے، عورتیں اور معذور مستثنیٰ تھے، اس وقت جزیہ ادا کرنے والوں کی تعداد آٹھ ملین نفوس تھی[2]

اس جگہ یہ خلجان پیدا ہوتا ہے کہ اس حساب سے جزیہ کی رقم سولہ ملین دینار ہوئی

---

[1] کتاب فتوح مصر (ابن عبدالحکیم ص ۱۵۶)   [2] ایضاً ص ۸۷

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

اور یہ مسلّم ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس جزیہ کی آمدنی بارہ ملین دینار پہنچتی تھی۔ ممکن ہے اس کا یہ جواب دیا جائے "حضرت عمرو بن عاصؓ چار ملین فوجی مصارف اور ان جدید اصلاحات کے لئے رکھ لیتے تھے، جنہیں وُہ مصر میں مستقبل قریب میں جاری کرنا چاہتے تھے"

یہ بیان کرنا بے محل نہ ہوگا کہ خلافتِ راشدہ اور بنی اُمیّہ کے زمانہ میں بلادِ مصر کی مجموعی آبادی ۱۵ - ۱۸ ملین نفوس کے مابین تھی۔[1]

حضرت عمرو بن عاصؓ مصر کے ذمیوں سے مصالحت کی شروط کے مطابق دُو دینار فی کس جزیہ وصول کرتے تھے جو موجودہ سکّہ کے حساب سے ایک گنی، دُو قرش، تین ملیم تھا۔ سٹانلی لین پول (Stanley Lane Pool) نے اپنی کتاب (Comis and Medels.) میں یہ تحقیق پیش کی ہے کہ ایک دینار ۱۱ ۵ ملیم کا تھا۔

حضرت عمرو بن عاصؓ لگان وصول کرنے کے وقت دریائے نیل کے مدّو جزر اور پانی کی [illegible] پیداوار و مدا نقصان غیر اختیاری مجبوریوں کی وجہ سے بعض دفعہ لگان کی وصولی میں تاخیر ہو جاتی تھی، اور وُہ مدینہ کو خراج کی رقم دیر میں بھیجتے تھے، یہ تاخیر حضرت عمرؓ کو بہت ناگوار تھی، آپ خراج کے معاملہ میں نہایت سخت تھے، حضرت عمرو بن عاصؓ نے پہلے سال دس ملین دینار خراج روانہ کیا تو انہیں کوئی خوشی نہ ہوئی۔ دوسرے سال بارہ ملین دینار بھیجے۔ اسوقت بھی اُنہیں کوئی خاص مسرت نہ ہوئی انہیں معلوم ہُوا تھا کہ مقوقس (حضرت عمرو بن عاصؓ سے قبل رومیوں کی طرف سے مصر کا گورنر) کے دور میں مصر کا خراج بیس ملین دینار تھا، فراعنہ مصر کے زمانہ میں مصر کا خراج بعض مورخین نے دُو کروڑ چوالیس لاکھ دینار بیان کیا ہے، ریّان بن ولید جو حضرت یوسف (علیہ السلام) کے زمانہ کا فرعونِ مصر تھا، کے دور میں دو سو ستّر ملین دینار بیان کیا گیا ہے۔ لیکن یہ تحقیق اُس قیامت خیز قحط کا تصور کرتے ہوئے، جو حضرت یوسف (علیہ السلام) کے زمانہ میں مسلسل سات برس تک مسلط رہا تھا ایک افسانہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی ہے۔

---

[1] دیکھیے ملن Milne کی کتاب Egypt under Roman Rule.

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

اگر حضرت عمرؓ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ مصر کے باشندے قبلِ اسلام جو خراج ادا کرتے تھے اب اس کا نصف بھی نہیں ادا کرتے ہیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ کو حضرت عمرو بن عاصؓ پر شبہ ہو، یہ شبہ طبعی تھا، بعض مورخین نے اس قرینہ سے اسے مزید تقویت دی ہے کہ حضرت عمرو بن عاصؓ نے وفات کے بعد ترکہ میں قریباً پچھتر جریب خالص سونا چھوڑا تھا۔

حضرت عمرؓ اور حضرت عمرو بن عاصؓ کی اس سلسلہ میں طویل خط و کتابت ہوئی[۱] آپ نے اُن سے اپنے شک و شبہ کا اظہار کیا، حضرت عمرو بن عاصؓ نے رفع کرنے کی کوشش کی۔ اگر ہم اس کا تصور کریں کہ خراج کی آمدنی کا ایک بڑا حصہ فوجوں کی تنخواہوں اور مفادِ عامہ مثلاً نہریں کھدوانا، پُل تعمیر کرانا وغیرہ میں صرف ہو جاتا تھا تو حضرت عمرو بن عاصؓ پر شبہ کی گنجائش نہیں رہتی، وہ سیاسی ماحول کی مصلحتوں سے خوب واقف تھے، اور اسی زاویہ [illegible] نصف حصہ خراج بھی قبلِ اسلام کے اعتبار سے مصر ادا نہیں کرتا ہے" یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرو بن عاصؓ نے رومیوں کے عائد کیے ہوئے ان بے شمار بھاری ٹیکسوں میں تخفیف کر دی تھی جو مدت سے اُن کے لئے ناقابلِ تحمل تھے۔ بٹلر کی نظر میں حضرت عمرو بن عاصؓ کے زمانہ میں خراج کی آمدنی کے کم ہونے کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے بہت سے ٹیکس معاف کر دیئے تھے اور وہ اپنے دور میں ہر ایسا کام کرنے سے احتیاط کرتے تھے جس سے مصریوں میں انتشار پیدا ہو۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

حضرت عمرؓ کے سامنے ایک قبطی مدبر نے اسلامی دور میں خراج کی آمدنی کی قلت کا ایک سبب یہ بیان کیا تھا "آپ کا گورنر (حضرت عمرو بن عاصؓ) ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہتا ہے، زمین کی اصلاح و ترقی کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا، جو کچھ خود بخود پیدا ہو جاتا ہے اس سے خراج وصول کر لیتا ہے گویا اس کا ارادہ ایک سال سے زیادہ وہاں رہنے کا نہیں ہے۔

---

[۱] دیکھئے ابن عبدالحکیم۔ ص ۱۵۸

عہد اسلام میں غیر مسلموں سے آمدنی کے دو ذریعے تھے :۔

(۱) شخصی ٹیکس : یہ جزیہ تھا (۲) اراضی کا ٹیکس : ان دونوں کی مجموعی آمدنی کو خراج کہا جاتا تھا۔

اگر بعض مورخین کے قول کے مطابق خراج کے دائرۂ عمل کو جزیہ تک محدود کر دیا جائے تو مصر کی آبادی کا فتح اسلام کے وقت متعین کرنا کتنا دشوار ہے۔ اس کا اندازہ دو بلند پایہ مورخین کی روایات سے کیجئے۔ ان میں ایک ابن عبدالحکیم (متوفی ۲۷۶ھ ۸۸۹ء) مصنف "فتوح مصر والمغرب"، کی روایت ہے، جو اسلامی مصر کا سب پہلا مورخ ہے، دوسری بلاذری (متوفی ۲۹ ھ ۹۰۳ء) مصنف "فتوح البلدان" کی ہے جو ابن عبدالحکیم، کا ہم عصر تھا۔

ابن عبدالحکیم نے بیان کیا ہے، حضرت عمرو بن عاص رضؓ کے زمانہ میں بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کو چھوڑ کر [illegible] ـوں کی تعداد ۱/۳ حصہ خیال کی جائے تو مصر کی آبادی تیئیس ملین نفوس ہو گی اور اس کو تسلیم کرنا دشوار ہے، کیونکہ اگر یہ صحیح مان لیا جائے تو صرف جزیہ کی آمدنی سولہ ملین دینار ہو گی۔ حالانکہ مورخین کا اتفاق ہے کہ جزیہ اور لگان دونوں کی مجموعی آمدنی حضرت عمرو بن عاصؓ کی گورنری کے پہلے سال دس ملین دینار تھی اور دوسرے سال بارہ ملین دینار سے زیادہ نہ بڑھی تھی۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

بلاذری نے بیان کیا ہے، حضرت عمرو بن عاصؓ نے ہر مصری پر عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو چھوڑ کر دو دینار عائد کئے تھے۔ اس وقت مصر کا خراج جس میں جزیہ کی آمدنی بھی شامل تھی دو ملین دینار تک پہنچ گیا تھا۔ اگر ہم یہ مان لیں کہ اس میں جزیہ کی آمدنی ایک ملین دینار تھی تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ پانچ لاکھ نفوس جزیہ ادا کرتے تھے اس تخمینہ پر مصر کی آبادی دو ملین نفوس سے زیادہ نہیں ہوتی ہے۔

مصر کے خراج کا نظام غیر تغیر پذیر نہ تھا، بلکہ حالات کے اعتبار سے اس میں تبدیلی ہوتی رہتی تھی، جزیہ کی آمدنی مصریوں کے کثرت سے مسلمان ہونے کی وجہ سے برابر گھٹتی

رہی تھی۔ دوسری طرف زمینوں کا لگان موسمی حالات، پلوں کی تعمیر اور زمین وغیرہ کی اصلاح و مرمت اور دوسری زراعتی سہولتوں کے اعتبار سے گھٹتی بڑھتی رہتی تھی، ان امور کی وجہ سے "آمدنی" سے "آبادی" کی صحیح تعداد نہیں معلوم کی جا سکتی ہے۔

حضرت عثمانؓ نے اپنی خلافت میں حضرت عمرو بن عاصؓ کو معزول کر دیا تھا، اور اُن کی جگہ اُن کے رضاعی بھائی عبداللہ بن ابی سرح کو گورنر مقرر کیا تھا۔ ابن سرح نے نہایت سختی سے خراج وصول کیا اور اس سختی کی وجہ سے خراج کی تعداد چودہ ملین دینار تک پہنچ گئی۔ حضرت عثمانؓ نے طنزاً حضرت عمرو ابن عاصؓ سے کہا تھا "مصر کی دودھار اونٹنی کا سمجھدار دوہنے والا دیکھا؟" حضرت ابن عاصؓ نے جواب دیا تھا "جی ہاں یہ سچ ہے لیکن اس نے اس کے معصوم بچہ کو باندھ کر دوہا ہے۔" ابن ابی سرح نے ہر ذمی پر دو دینار کی جگہ تین دینار لگا دیے تھے، اگر اس زمانہ میں بہت سے مصری مسلمان نہ ہو جاتے تو ممکن تھا کہ سولہ ملین دینار تک خراج کی مقدار پہنچ جاتی۔

حضرت امیر معاویہؓ [illegible] مصر کے گورنر مقرر ہوئے اس وقت جزیہ کی آمدنی نو ملین دینار رہ گئی تھی[1]۔ یہ آمدنی مصریوں کے کثرت سے مسلمان ہونے کی وجہ سے برابر گھٹتی رہی، حتیٰ کہ حضرت عمرو بن عاصؓ کے آخری زمانہ میں صرف پانچ ملین دینار سالانہ رہ گئی تھی۔

خلافتِ راشدہ اور امویوں کے زمانہ میں مصر کا مزروعہ رقبہ قریب قریب چھ ملین فدان تھا (ایک فدان = ۵۹۲۹ گز مربع) اس میں سے ⅔ حصہ پر گندم اور جو کی کاشت ہوتی تھی ایک فدان کی پیداوار سات کیلات (۱ کیلہ = ۲ مدّ، ایک مدّ = ۵۶ تولہ ۹ ماشہ) تھی اس حساب سے کل رقبہ کی پیداوار یہ ہوگی:

۷ کیلہ × ۴ فدان / ۱۲ = ۲۳۳۳۳۳۳ ۔ ارواب (ایک اردب = ۲۴ صاع۔ ایک صاع = ۲۳۴ تولہ) اگر ہم زمین کا لگان ۲ فیصدی حساب سے فرض کریں تو حکومت کا حصہ اس پیداوار میں سے ۲ × ۲۳۳۳۳۳۳ / ۱ = ۴۶۶۶۶۶۶ ۔ اردب ہوگا۔

---

[1] کتاب البلدان (یعقوبی) ص ۳۳۳

زمین کا لگان ۲۰ فیصدی تھا۔ اس پر ایک ہلکی سی روشنی یعقوبیؒ کے یہ الفاظ ڈالتے ہیں: حضرت عمرو بن عاصؓ نے اسکندریہ اور مصر کے دوسرے صوبوں پر قبضہ کرنے کے بعد پہلے سال باشندوں سے پیداوار کا ۲۰ فیصدی وصول کیا تھا۔[1]

خلافت راشدہ اور امویوں کا زمانہ مجموعی حیثیت سے عدل و انصاف اور رواداری کا زمانہ تھا۔ اس دور میں جزیہ کے وصول کرنے میں گورنروں کی طرف سے معمولاً سخت گیری نہیں برتی گئی اور خلفاء کے دل میں مال و دولت کی غیر معمولی ہوس نہ تھی۔ امویوں کا آخری دور اس سے مستثنیٰ ہے اس زمانہ میں بدعنوانیاں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً سلیمان بن عبدالملک (۹۶-۹۹ھ) کے زمانہ میں خراج کے افسر اُسامہ بن زید نے خراج نہایت سختی سے وصول کیا تھا۔ اس کی وجہ سے مصر کا خراج دس ملین دینار تک پہنچ گیا تھا۔[2]

حضرت [illegible] مقرر کیا تھا اس نے آپ سے درخواست کی تھی "اجازت ہو تو مسلمان ہونے کے بعد بھی جزیہ معاف نہ کیا جائے لوگ محض جزیہ کی وجہ [illegible] سے نہیں ہوتا۔" حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے نہایت سختی اور حقارت سے اس درخواست کو ٹھکرا دیا تھا۔

کندیؒ[3] نے لکھا ہے۔ ہشام بن عبدالملک کے زمانہ میں جب ابن حجاب گورنر مصر نے دریائے نیل سے سیراب ہونے والے تمام رقبہ کی پیمائش کرائی تھی تو یہ آراضی تیس[4] ملین فدان نکلی تھی، یہ بیان مبالغہ سے خالی نہیں ہے۔ مقریزی نے اور کمال کیا ہے اس کی "تحقیق" ہے یہ پیمائش شدہ زمین سو ملین فدان تھی۔

مصر کے گورنروں نے جزیہ کی آمدنی میں روز بروز انحطاط دیکھا تو انہیں آمدنی بڑھانے کا خیال پیدا ہوا اور زراعتی ترقی کی طرف متوجہ ہوئے اور آراضی کی تعمیر و اصلاح، آب رسانی کا انتظام اور دوسری ترقی زراعت کی تدابیر اختیار کیں، مقصد یہ تھا کہ اس سے

---

[1] تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۷۶، ۱۷۷ [2] مزید تفصیل کے لئے دیکھئے فتوح البلدان بلاذری ص ۲۱۴، ۲۱۵
[3] الخطط ج ۱ ص ۹۹ [4] ایضاً (مقریزی)، تاریخ التمدن اور الادارۃ الاسلامیہ میں حیان بن شریح کا نام ملتا ہے۔ [5] کتاب الولاۃ ص ۲۶۱۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

حکومت کی آمدنی میں اضافہ ہو اور وہ جزیہ کی طرح غیر مستقل نہ ہو، یہ کام حکومت کا بہت بڑا شعبہ بن گیا اور زمین کی پیمائش اور پیداوار کی نگرانی کے لئے جدید دفاتر کا قیام عمل میں آیا، ان دفاتر میں صدہا اشخاص کام کرتے تھے، جن کی تنخواہوں پر اس صیغہ کی آمدنی کا ایک بہت بڑا حصہ صرف ہو جاتا تھا اور کچھ زیادہ بچپت نہ ہوتی۔ مقریزیؒ کا بیان ہے: صرف ہارون الرشید کے زمانہ میں اس صیغہ سے ۱۰۸۰۰۰ دینار کی بچپت موسیٰ بن عیسیٰ ہاشمی نے کی تھی ورنہ معمولاً خرچ آمدنی کے برابر ہو جاتا تھا۔

مدینہ (خلافت راشدہ) اور دمشق (بنی امیہ) کی حکومتوں نے حکومت روما کی طرح پیداوار کی تنظیم اور پیداوار کی ہر نوع پر ٹیکس نہ لگایا تھا، حکومت مدینہ نے صرف گندم پر ٹیکس عائد کیا تھا، حالانکہ حکومت روما نے قلیل سے قلیل نوع پیداوار کو بھی ٹیکس سے مستثنیٰ [illegible] اسلامی حکومت

UNREGISTERED VERSION

نے صرف ۲ فیصدی ٹیکس لگایا تھا اور رومیوں کے ہاں کم سے کم ٹیکس کی مقدار ۱۰ فیصدی تھی۔ اس کی وجہ سے [illegible] حضرت عمرؓ کی خراج کے معاملہ

www.avs4you.com

میں سختی سب جانتے ہیں۔ سچ پوچھیے تو اس کا سبب مسلمانوں کے دفتری نظم و نسق کی ابتری اور زراعت کی اصلاح و ترقی میں عملی حصہ لینے سے گریز تھا۔ ان کا دفتری نظام رومیوں کی طرح باقاعدہ نہ تھا۔ ان کا مطمح نظر صرف یہ تھا کہ خراج کی پوری مقدار وصول ہو جائے، انہیں اس سے کوئی مطلب نہ تھا، کیا بویا گیا؟ دوسری طرف حکومت روما ہر کام میں دخل دیتی تھی، کاشتکاروں کو مشورہ دیتی، زراعت کی عملی تعلیم دیتی، اصلاح و ترقی سے غیر معمولی دلچسپی لیتی۔ اور اس کی نظر میں رہتا کہ کیا بویا گیا؟ کیسے بویا گیا؟ کتنا بویا گیا؟ وغیرہ وغیرہ۔

اسلامی حکومتوں کی بلاد مصر میں زراعت کی اصلاح و تنظیم سے غفلت، زیادہ سے زیادہ خراج کی وصولی سے دلچسپی کا انجام یہ ہوا کہ بعض خلفاء گورنروں کے جبر و استبداد کی پروا نہ کرتے تھے، ان کے نزدیک وہ بے اعتدالیاں درخور التفات نہ تھیں جن کا گورنر خراج وصول کرتے وقت مظاہرہ کرتے تھے، مرکزی حکومت کی اس بے نیازی کی وجہ سے

۱۔ الخطط ج ۱ ص ۷۵

وہ نہایت اطمینان سے اتنا سرمایہ جمع کر لیتے تھے جو معزول ہونے کے بعد ان کی دلچسپیوں میں کوئی تخفیف نہ پیدا ہونے دیتا، یہ وہ وقت تھا جب گورنر صبح و شام معزولی کے منتظر رہتے تھے۔

نظام مالیات

طولونیوں اور اخشیدیوں کے دور میں

عباسی خلیفہ، متوکل کے زمانہ میں احمد بن مدبّر مصر کا افسر خراج مقرر کیا گیا۔ اس نے بہت سے جدید ٹیکس عائد کر دیے اور نہایت سختی سے انہیں وصول کیا، اس جدید افسر نے بلادِ مصر کی آراضی کا ٹیکس دو جنسوں میں تقسیم کر دیا، خراجی، ہلالی۔ خراجی میں غلّہ، کھجوروں، انگوروں کی بیلوں اور میوہ جات کے باغات کی پیداوار کا ٹیکس داخل تھا [illegible] ان "فتوحات" کا شمار نہ تھا [illegible] حاصل ہوتی تھیں، مثلاً بکریاں مرغیاں وغیرہ ہلالی، گھاس اور مچھلی وغیرہ کا ٹیکس تھا، یہ جدید ٹیکس علم و فن کی ترقی آبپاشی کی سہولتیں مہیا کرنے اور دوسرے مفاد عامہ کے لئے تعمیری کاموں کے نام سے عائد کئے گئے جو کبھی شرمندۂ عمل نہ ہوئے اور فکر و عمل کا دائرہ خراج وصول کرنے تک محدود رہا، جزیہ کی آمدنی دار الخلافت روانہ کر دی جاتی، باقی رقم جن مدوں میں اٹھتی تھی، انہیں مفادِ عامہ سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔

روپیہ بٹورنے کی اس مجنونانہ ہوس اور زراعت کی ترقی و اصلاح اور آبپاشی وغیرہ کی آسانیاں مہیا کرنے کی طرف سے بے نیازی کا یہ اثر ہوا کہ لگان کی آمدنی صرف آٹھ لاکھ دینار رہ گئی۔ حالانکہ حضرت عمرو بن العاصؓ کے زمانہ میں اس کی آمدنی ایک کروڑ بیس لاکھ دینار تھی، اور ان کے جانشین عبداللہ بن سعد کے زمانہ میں ایک کروڑ چالیس لاکھ تک پہنچ گئی تھی۔

ابن مدبّر کی اس ذہنیت اور سخت گیرانہ رویّہ سے ملک کے باشندوں میں ایک ہیجان

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

پیدا ہو گیا اور اس کے خلاف شورشیں اٹھنے لگیں، اس سیاسی ماحول میں بغداد کی مرکزی حکومت کی طرف سے یارجوج مصر کا گورنر مقرر کیا گیا، اس نے ابنِ مدبر کا نہ صرف موجودہ منصب برقرار رکھا بلکہ اپنا نائب قرار دیا۔ مصریوں کے جذباتِ عداوت کے لئے یہ اور تازیانہ ہُوا۔ ابنِ مدبر بھی اس صورتِ حالات سے ناواقف نہ تھا، جب اُسے اپنا انجام بد دکھائی دیا تو اُس نے اپنے بھائی ابراہیم کے ذریعہ مرکزی حکومت میں کوشش کی اور تاجِ خلافت کی طرف سے اس کا تبادلہ کر دیا گیا اور دمشق، فلسطین اور اُردن کا افسرِ خراج بنا دیا گیا یہ ۲۵۷ھ کا واقعہ ہے، مصر کا افسر خراج ابنِ مدبر کی جگہ احمد بن محمد (احمد بن خالد وزیر اعظم خلافتِ بغداد کے خواہر زادہ) کا تقرر عمل میں آیا۔

یارجوج کی وفات ۸ ر رمضان المبارک ۲۵۹ھ کے بعد احمد بن طولون اس کا جانشین مقرر کیا گیا [illegible] ابن مدبر کو مصر [illegible] اور [illegible] کا نظم و نسق بھی اسی کے ہاتھ میں دے دیا۔ [illegible]ھ میں جب خلیفہ عباسی نے ابنِ طولون سے خراج کا تقاضا کیا تو اس نے یہ کہہ کر [illegible] ہاتھ میں ہے" ابن طولون کے زمانہ میں ابن مدبر کا اقتدار بہت بڑھ گیا اور نظامِ حکومت، عدالت، فوج اور مالیات سب پر اس کا اثر و نفوذ تھا۔

احمد بن طولون عزم و ہمت اور پختہ کاری میں امتیازی حیثیت رکھتا ہے، اُس نے آمدنی کی ایک بہت بڑی مقدار ملکی اصلاحات پر صرف کی، زراعت کی طرف خصوصی توجہ کی۔ پل تعمیر کرائے، نہریں جاری کیں اور زراعت کی ترقی و اصلاح کی دوسری تدبیریں اختیار کیں۔ ان تمام کوششوں کے باوجود مصر کی مجموعی آمدنی تینتالیس لاکھ دینار سالانہ سے آگے نہ بڑھ سکی۔ اس رقم میں صنعت و حرفت کا ٹیکس اور جزیہ کی آمدنی بھی داخل ہے اگرچہ اس وقت جزیہ کی آمدنی نہ ہونے کے برابر تھی۔

لین پول کا بیان ہے :۔ ابن طولون کے زبردست کارناموں اور بے شمار اصلاحات کے مقابلہ میں بلادِ مصر کی مجموعی آمدنی کافی نہیں ہو سکی، اس بنیاد پر ابنِ طولون کی طرف منسوب کئے ہوئے چند من گھڑت واقعات کی دوسرے مورخوں کی طرح اس نے بھی تصدیق

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

کی ہے۔ مثلاً ابنِ طولون کو "صحرا" میں ایک خزانہ ملا تھا، جس سے اُس نے "مارستان" کی تعمیر کی۔ ایک خزانہ "جبل" میں ملا تھا جو کئی ملین تھا، جس سے جامع مسجد اور پُل کی تعمیر کی۔ یہ قصّے افسانوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ اگر فرض کر لیا جائے، کہ یہ واقعات صحیح ہیں جب بھی ان کی مقدار بقولِ مورخین کے دوٗ ملین سے زیادہ نہ تھی، جو دو سال کے خراج کی آمدنی سے بھی کم تھی۔

ابنِ طولون کا معمول تھا کہ ہر ماہ اوسطاً ایک ہزار دینار غرباً اور ایک ہزار دینار فلاح و بہبودی کے کاموں پر روزانہ صرف کرتا تھا، اس وقت ملک فقر و فاقہ کی مصیبت میں مبتلا تھا، اور صنعت و حرفت اور زراعت کی حالت نہایت ابتر تھی، اس حالت میں وہ ملک کی فلاح و بہبودی اور اصلاح و ترقی کے لئے اُٹھا، صنعت و حرفت کا احیاء کیا۔ زراعت کی ترقی کی عملی تدبیریں اختیار کیں۔ ان محنتوں کا ثمرہ یہ نکلا کہ ریاست کی آمدنی تینتالیس لاکھ دینار تک پہنچ گئی، حالانکہ اس سے قبل ابنِ مدبر کے زمانہ میں گھٹ کر صرف آٹھ لاکھ دینار سالانہ رہ گئی تھی۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

ابنِ طولون نے ہمہ گیر اصلاح و ترقی سے ایسا ماحول پیدا کر دیا کہ اُسے خراج کی وصولی میں کبھی سختی کرنے کی نوبت نہ آئی۔ لین پول نے جو سختی کا الزام لگایا ہے، وہ صحیح نہیں ہے۔ بلادِ مصر کو ابنِ طولون نے ایک نئی زندگی بخشی۔ اس کے زمانہ کی عام فلاح و بہبودی کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ گیہوں اس کے دور میں فی دینار دس اردب تک فروخت ہوئے تھے۔

خمارویہ کے دورِ حکومت میں مصر کا خزانہ خالی ہونا شروع ہوا اور اس کی غیر معمولی سخاوت، فوج پر بے شمار انعام و بخشش، اور اپنی بیٹی کے جہیز کے بے پناہ اخراجات کی وجہ سے چند روز میں خاک اُڑنے لگی، دوسرے خلیفہ کی خدمت میں دوٗ لاکھ دینار سال ماقبل کا اور تین لاکھ دینار سالانہ سالِ رواں کا پیشگی خراج ایک ساتھ روانہ کرتا تھا، اس "نیاز مندی" سے خوش ہو کر خلیفہ نے اسے فرات اور برقہ کے مابین بلاد کا حاکم بنا دیا تھا۔ وہاں کی امامت، مالیات اور عدالت کے اختیارات و فرائض بھی اسی کو حاصل

تھے اور اس کی اولاد بھی تیس برس تک ان بلاد پر حکمراں رہی تھی۔
خمارویہ نے نہایت بیدردی سے اپنی بیٹی کے جہیز میں کروڑوں دینار لٹا دیے تھے جس کی وجہ سے مصر کے بیت المال میں دھول اُڑنے لگی تھی، مورخین کا بیان ہے کہ اس جہیز کی مثال مصر کی تاریخ میں نظر نہیں آتی۔
کافور اخشیدی نے زراعت کی ترقی میں نہایت جدوجہد سے کام لیا تھا، جس کی وجہ سے مصر کے خراج کی آمدنی میں چار ملین دینار کا اضافہ ہو گیا۔ بدقسمتی سے اخشیدیوں کے آخری دور (۳۲۳۔۳۵۸ھ) میں دریائے نیل کا پانی گھٹ گیا، اور برابر نو برس (۳۵۱۔۳۶۰ھ) تک یہ حالت قائم رہی۔ اس زمانہ میں بلادِ مصر دوگونہ مصیبت میں مبتلا تھے، قحط اور وبا، سخت مہنگائی کی وجہ سے لوگ فاقوں سے مرنے لگے اور گیہوں کی شکل تک [illegible] کفن و دفن تک کا سامان لوگوں کے پاس نہ تھا، اس نو برس کے عرصہ میں فقر و فاقہ اور وبا سے مرنے والوں کی تعداد چھ لاکھ تک پہنچ گئی۔ مردوں کی [illegible] دیا جاتا۔ دریائے نیل کے پانی کے گھٹنے کا اثر حکومت کے محکموں اور صوبوں پر بھی نہایت گہرا پڑا اور عالم گیر فقر و فاقہ اور وبا سے لوگ گھبرا اُٹھے اور لُوٹ مار کرنے لگے۔ کافور فوج کی تنخواہیں ادا نہ کر سکا جس کی وجہ سے اس کی فوجوں نے اس کے خلاف بغاوت کر دی۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

فاطمیوں کے عہد میں

جوہر صقلی نے جس وقت مصر فتح کیا اُس وقت مصر پر یہ قہر و غضب مسلط تھا اس نے سب سے پہلے قحط اور فقر اور فاقہ کی بلا خیزیوں کو دُور کرنے کے لئے دانشمندانہ قدم اٹھایا ایک بہت بڑا غلہ کا ذخیرہ عام لوگوں کے لئے فراہم کیا اور اُسے محتسب کی نگرانی میں دے دیا جو اس کی تقسیم کا مناسب انتظام کرتا۔ محتسب اس کی سختی سے دیکھ بھال رکھتا تھا، کہ کوئی شخص غلہ کا ذخیرہ مناسب وقت پر گراں فروخت کرنے کیلئے جمع کرنے نہ پائے[1]

[1] جوہر صقلی (علی ابراہیم حسن) ص ۵۷

مصر کی تسخیر کے وقت علی بن یحییٰ افسر خراج تھا، اس وقت جوہر نے اسے اُسکے عہدہ پر برقرار رکھا۔ لیکن ایک ماہ کے بعد ہی اس کا شریک کار رجاء بن صولاب کو کر دیا، جو غالباً بلادِ مغرب کا شیعہ تھا، کچھ عرصہ بعد خراج کا محکمہ یعقوب بن کلس اور علوج بن حسن کی نگرانی میں دیدیا گیا اور ابن یحییٰ اور ابنِ صولاب دونوں سبکدوش کر دیئے گئے۔ اُس وقت خراج وصول کرنے والے عملہ کو دو حصّوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ایک علی محمد اور عبداللہ بن عطاء کی ماتحتی میں تھا اور دوسرا حسن بن عبداللہ اور حسین بن احمد روزباری کی نگرانی میں تھا۔

جوہر صقلی[1] نے پہلے سال تین کروڑ چار لاکھ دینار خراج وصول کیا۔ کافور کے آخری زمانہ میں خراج کی مقدار بہت زیادہ گھٹ گئی تھی۔ اس لحاظ سے یہ آمدنی بہت کافی کہی جاسکتی ہے۔

UNREGISTERED VERSION

خلیفہ معز (۳۴۱-۳۶۵ھ) نے یعقوب بن کلس اور علوج بن حسن کو ٹیکس کا جدید نظام مرتب کرنے کے [illegible] مختلف اقسام کا جائزہ لیا

www.avs4you.com

اس کے بعد نظام ٹیکس کا ایک جدید خاکہ بنایا، ترتیب کے وقت مختلف دوروں کے ٹیکس بھی ان کے پیشِ نظر تھے۔ حکومت نے اس خاکہ پر عمل کرنے کی پوری کوشش کی اس کا بہت اچھا اثر پڑا اور پیداوار میں اس کی وجہ سے معتدبہ اضافہ ہو گیا۔ اُس وقت خراج کے افسروں کے خلاف شکایات کی سماعت اور ان کے انسداد کے لئے باقاعدہ ایک شعبہ قائم کیا گیا جو اُن کی بے اعتدالیوں کے خلاف نہایت سختی سے کارروائیاں کرتا تھا۔

ابن میسر کا بیان ہے۔ فاطمیوں کے عہد میں فسطاط کی یومیہ آمدنی پچاس ہزار اور ایک لاکھ دینار کے بین بین تھی اور دمیاط اور اشمونین کی یومیہ آمدنی کا اوسط دو لاکھ بیس ہزار دینار تھا[2] لیکن یہ حقیقت کے خلاف معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اگر ایک لاکھ دینار یومیہ کا اوسط فرض کر لیا جائے، تو سالانہ آمدنی چھتیس ملین دینار ہوتی ہے، اور اس قدر آمدنی فاطمیوں کے عہد میں کبھی نہیں ہوئی تھی، غالباً یہ مقدار دراہم کی ہے دینار کی نہیں۔

---

[1] الخطط ج ۱ ص ۹۹ [2] ابن میسر ا ص ۴۶

خلیفہ معز الدین کے عہد میں مصر کا مزروعہ رقبہ دو لاکھ پچاسی ہزار سات سو چودہ فدان تھا۔ وزیر اعظم بدر جمالی کے زمانہ تک اس رقبہ میں کمی نہ ہونے پائی، خلیفہ مستنصر کے درمیانی عہد حکومت میں یہ رقبہ بہت گھٹ گیا تھا، اس کی وجہ صرف دریائے نیل کے پانی میں کمی اور وبا نہ تھی، بلکہ حکام کی بے اعتدالیاں اور زراعت کی طرف سے مجرمانہ غفلت کا بھی بہت بڑا دخل تھا۔ نہریں کھدوانا، پل تعمیر کرانا اور دوسری زراعتی سہولتوں کی طرف اس وقت کسی نے توجہ نہ کی تھی۔

ذیل کے نقشہ سے مزروعہ رقبہ کی دور بہ دور کی ترقی اور انحطاط کا اندازہ کیا جا سکتا ہے

حاکم	سنہ	مزروعہ رقبہ	خراج	ٹیکس ایک فدان پر
حضرت عمرو بن عاص رض	۲۰ھ	۶ ملین فدان	[illegible] دینار	۲ دینار
ہشام بن عبدالملک	۱۲۵ھ	۲ " "	۴۰۰۰۰۰۰ "	۲ "
مامون	۲۱۶ھ	[illegible]	"	۲ "
احمد بن طولون	۲۷۰ھ	؟	۸۰۰۰۰۰ "	
اخشید	۳۳۴ھ	۵۰۰۰۰۰ "	۲۰۰۰۰۰۰ "	۴ "
معز الدین	۳۵۸ھ	۲۸۵۷۱۴ "	۲۰۰۰۰۰۰ "	۷ "
مستنصر (آخری دور)	۴۸۷ھ	؟	۳۰۶۱۰۰۰ "	؟

مستنصر فاطمی کے آخری دور میں ٹیکس کی مقدار میں اضافہ کر دیا گیا تھا، اور اس زمانہ میں ان اشیاء پر بھی ٹیکس لگا دیے گئے تھے جن پر فتح اسلامی سے اس وقت تک کسی فرمانروا نے عائد نہ کیے تھے، لین پول نے اس جدید ٹیکس کی حسب ذیل تفصیل بیان کی ہے:۔

۱؎ مقریزی ج ا ص ۹۹ ۲؎ A History of Egypt in the Middle Ages. P. 143.

۳؎ یہ فہرست لین پول نے ابن مماتی کی کتاب "الدواوین" سے نقل کی ہے۔

گندم اور جو	۲½ یا ۳	اردب	فی فدان
لوبیا	۴½ یا ۳	"	"
جوار، چنا اور مسور	۲½	"	"
کتاں	۳	۲ دینار	"
ابریشم	۱	"	"
لیموں	۳	"	"
روئی	۱	"	"
گنّا	۵ یا ۲½	"	"
قلقاش	۵	"	"
بادنجان	۳	"	"
[illegible]	۳	"	"
انگور اور دوسرے میوہ جات	[illegible]		

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

یہ ٹیکس گندم، جَو، لوبیا، گنّا، قلقاش، بادنجان اور میوہ جات کے لئے ایک بارگراں تھے، ان کی پیداوار اس کی متحمل نہ تھی، ستم ہے کہ فی فدان چار دینار اوسط پڑتا تھا۔

بدرجمالی کی وزارت عظمیٰ کے دور میں خراج کی آمدنی تیس لاکھ اکسٹھ ہزار تھی، اس سے ہم یہ تخمینہ لگا سکتے ہیں کہ مستنصر کے عہد میں مزروعہ رقبہ ۳۰۶۱۰۰۰/۴ = ۷۶۵۲۵۰ فدان تھا یہ بیان کرنے کی حاجت نہیں کہ یہ بہت کم رقبہ تھا۔

فاطمیوں کے عہد میں مصر میں ۱۲۲۸ گاؤں اور ۸۳۴ قصبے اور شہر تھے اور خراج کی آمدنی تیس لاکھ اکسٹھ دینار تک پہنچ گئی تھی[1]

فاطمیوں نے کاشتکاروں کے ساتھ نہایت رواداری کا سلوک کیا تھا اور وہ ہمیشہ ان کی فلاح وبہبود اور ان کی سطح زندگی بلند کرنے کی کوشش کرتے تھے، خصوصاً معزالدین اور عزیزالدین کے دور میں کاشتکاروں پر غیر معمولی عنایات مبذول رہیں، جب فاطمی خلفاء کے اقتدار کا خاتمہ ہوگیا اور وزارت عظمیٰ نے اس کی جگہ لے لی اُس وقت وزراء کا سلوک

[1] کنائس مصر (ابو صالح ارمنی) ص ۱۰

کاشتکاروں کے ساتھ اچھا نہ رہا تھا۔

وزراء میں صرف یازوری کی ذات ایسی گذری ہے جس نے بدعنوانیوں کی اصلاح کی، اس کا ایک امتیازی کارنامہ یہ تھا کہ اُس نے حکومت کے گندم کے ذخیرہ کو مناسب داموں میں فروخت کر دیا تھا اور دوسرے وزراء کی طرح گرانی کے وقت کا انتظار نہ کیا تھا، اس کی وجہ سے ایک طرف حکومت کو سخت مالی خسارہ اُٹھانا پڑا، دوسری طرف حکومت کے پاس وقتِ ضرورت کے لئے گندم کا ذخیرہ نہ رہا، خوش قسمتی سے اسی سال گندم کی پیداوار زیادہ ہوئی اور اُسے کاشتکاروں کی حالت سُدھارنے کا اور موقع ملا اور اس نے تاجروں کو ارزاں داموں میں گندم خریدنے کی ممانعت کر دی اور حکومت کی طرف سے مناسب نرخ مقرر کر دیا۔ یہ بیان کرنے کی شاید ضرورت نہیں کہ اس زمانہ میں کاشتکاروں کو روپیہ کی ضرورت ہوتی اور تاجر اُن کی شدتِ احتیاج سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے تھے، دوسری طرف حکومت نے غلّہ [illegible] وغیرہ کے وقت اُسے کام میں لایا جائے[1]

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

مملوکوں کا دور

مملوک سلاطین نے زراعت کی طرف خصوصی توجہ مبذول کی اور اس کی اصلاح و ترقی میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی تھی۔ اس دور میں دریائے نیل سے کاٹ کر بڑی بڑی نہریں جاری کی گئیں اور ملک کے ہر گوشہ میں پُل تعمیر کئے گئے، یہ پُل دو قسم کے تھے، شاہی پُل، یہ پُل ملک کے عام مفاد سے تعلق رکھتے تھے اور لگان کی آمدنی کا ایک بہت بڑا حصّہ ان پر خرچ کیا جاتا تھا۔ یہ حالت سلطان ناصر کے دور میں قائم نہ رہی تھی، اس کے زمانہ میں لگان کی آمدنی سلطان کی خدمت میں بھیجدی جاتی تھی اور پلوں کی تعمیر و مرمت اور تحفظ کے اخراجات شہریوں سے وصول کئے جاتے تھے، دوسری قسم کے پُل "بلدیہ" کہلاتے تھے، ان کا مفاد مقامی تھا اور اُن کے اخراجات مقامی کاشتکاروں کو برداشت کرنا پڑتے تھے۔

---

[1] Stanley Lane Pode, A History of Egypt in the Middle ages. P 134

مملوکوں کے عہد میں وسائلِ آمدنی حسب ذیل تھے :

(۱) زمین کی پیداوار : زمین کی پیداوار پر مختلف لگان تھا۔ سمندر کے محاذ میں جو علاقہ تھا اس کا ٹیکس پیداوار کی شکل میں لیا جاتا تھا، یہ پیداوار گندم، جو، تل، لوبیا، مسور اور پیاز کی تھی اور معمولاً ان کا ٹیکس ایک فدان پر دو اردب سے تین اردب تک مقرر تھا ساحلی علاقہ کا ٹیکس عموماً نقد کی شکل میں لیا جاتا تھا، اور سنہ ۷۹۰ھ (۱۳۸۸ء) میں اس کی مقدار دس روپیہ فی فدان غیر معمولی زرخیز علاقہ سے وصول کیا جاتا تھا اور ساڑھے سات روپیہ فی فدان متوسط زرخیز علاقہ سے لیا جاتا تھا، اس ٹیکس میں پیداوار کی زیادتی اور قلت کی بنا پر کمی بیشی ہوتی رہتی تھی۔

مصر کے ساحلی اور محاذی دونوں مزروعہ رقبوں کا انتظام سرکاری دفاتر، جاگیردار اُمرا وغیرہ کے سپرد تھا، مساجد اور مدارس کے اوقاف اس سے مستثنیٰ تھے، ان کے انتظامات قوم کے ہا[illegible] زمین [illegible]

UNREGISTERED VERSION

اوّل : یہ چار محکموں میں تقسیم تھا :

www.avs4you.com

(۱) دیوانی وزارت : اس کے ذمہ الجیزہ اور منفلوط کے صوبوں کا انتظام تھا۔ یہاں سے گندم وغیرہ کی ایک قلیل مقدار شاہی غلہ کے ذخیرہ کے لئے فسطاط آتی تھی۔

(۲) دیوانِ خاص : اس کے ذمہ اسکندریہ، فوہ (دریائے نیل کے ساحل پر ایک چھوٹا شہر) تروجہ (بحر روم کا ایک شہر) اور نستروہ یا بحیرۂ برلس کے علاقوں کا انتظام اور خراج وغیرہ وصول کرنا تھا۔ یہ آمدنی خزانۂ خاص میں داخل کر دی جاتی تھی، جو سلطان کے "ناظرِ خاص" کی نگرانی میں ہوتا تھا، یہ دیوان سلطان ناصر بن محمد قلاوون نے قائم کیا تھا۔

(۳) دیوانِ مفرد : چند مخصوص ضلعوں کا انتظام اس کے سپرد تھا اور اس کی آمدنی سے شاہی باڈی گارڈ کی تنخواہیں دی جاتی تھیں، یہ دیوان ظاہر برقوق نے قائم کیا تھا۔

(۴) دیوانِ املاک : یہ محکمہ چند ان زرخیز ضلعوں کا انتظام کرتا تھا، جن کی آمدنی سلطان نے اپنی ذات کے لئے مخصوص کر لی تھی، اسے بھی سلطان ظاہر برقوق نے قائم

۱ے صبح الاعشیٰ ج ۳ ص ۴۵۲، ۴۶۸

کیا تھا دوسری قسم کے دفاتر امراء کی جاگیروں کے لگان وغیرہ کے حساب و کتاب اور دوسرے ضروری امور سے تعلق رکھتے تھے، ساحلی اور محاذی علاقوں کا ایک بہت بڑا رقبہ جاگیروں کی شکل میں اُمراء کے قبضہ میں تھا، یہ جاگیریں حسبِ مراتب تھیں، بعض اُمراء کے قبضہ میں ایک ضلع سے دس اضلاع تک تھے۔ سلطانی مملوکوں کو بھی جاگیریں دی گئی تھیں اور یہ معمولاً ایک ضلع میں دو یا دو سے زیادہ حصّہ دار ہوتے تھے۔

دوم: حکومت کا دوسرا ذریعہ آمدنی، معدنی چیزوں کی آمدنی تھی۔ ان میں تین کانیں مشہور تھیں "زمرد، نمک اور نطرون۔ زمرّد کی آمدنی سے زیادہ خرچ آتا تھا، اس لئے اس میں روپیہ ضائع کرنا چھوڑ دیا گیا۔ یہ سلطان ناصر محمد بن قلاوون کے آخر زمانہ کا ذکر ہے۔

(۱) نمک کی برآمد، اسکندریہ کی بندرگاہ سے روم میں کی جاتی تھی اور ایک قنطار کی قیمت معمولاً ۵ اور ۵ ۱/۲ دینار ہوتی تھی۔ حکومت اس کی آمدنی کا ۱/۲ حصّہ امراء اور فوج پر صرف کرتی تھی۔

UNREGISTERED VERSION

(۲) نطرون طرانہ [illegible] کی آمدنی کا ۱/۳ حصّہ فوج پر صرف کیا جاتا تھا۔

www.avs4you.com

(۳) مملوک حکومت کا تیسرا ذریعہ آمدنی زکوٰۃ تھا۔ نقد کے علاوہ اس مال و اسباب سے بھی زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی جس کی اسکندریہ کی بندرگاہ سے برآمد ہوتی تھی۔

(۴) آمدنی کا چوتھا ذریعہ جزیہ یا ٹیکس تھا جو دس اور پچیس درہم کے درمیان لیا جاتا تھا۔

(۵) چنگی، جو اسکندریہ اور دمیاط کی بندرگاہوں پر درآمد ہونے والے مال و اسباب پر لی جاتی تھی۔ اس کی مقدار ۱۰ فیصدی سے ۳۵ فیصدی تک تھی۔ مستقبل میں اس میں اور زیادہ اضافہ کر دیا گیا۔ ایک زمانہ ایسا بھی آیا تھا جب ایک جہاز سے جو یورپ سے اسکندریہ پہنچتا تھا، چالیس ہزار دینار سے زیادہ چنگی وصول کی جاتی تھی، آخر زمانہ میں ٹیکس میں بہت تخفیف کر دی گئی تھی، مقصد اس سے تجارت کی حوصلہ افزائی تھا۔

(۶) لاوارثی مال و دولت

(۷) قاہرہ کے "دارالضرب" کی آمدنی۔

یہ مملوکوں کے ذرائع آمدنی کا ایک اجمالی خاکہ ہے، تفصیل مقریزی (ج ۱ ص ۱۰۳، ۱۱۱) میں دیکھی جاسکتی ہے۔

ذیل میں ایک فہرست دی جاتی ہے جس سے مختلف عہدوں کی آمدنی کا اندازہ ہوگا

حاکم	خلیفہ	خراج کی مقدار دینار کی شکل میں
عمرو بن عاصؓ	حضرت عمرؓ	۱۲۰۰۰۰۰۰ دینار
عبداللہ بن سعدؓ	حضرت عثمانؓ	۱۴۰۰۰۰۰۰ "
اُسامہ بن زیدؓ	سلیمان بن عبدالملک	۱۲۰۰۰۰۰۰ "
عبیداللہ بن حجاب	ہشام بن عبدالملک	[illegible]
موسیٰ بن عیسیٰ		۴۲۵۷۰۰۰ "
احمد بن مدبر		[illegible] "
احمد بن طولون		۴۳۰۰۰۰۰ "
خمارویہ بن احمد بن طولون		۴۱۰۰۰۰۰ "
محمد بن طغج اخشید		۲۰۰۰۰۰۰ "
کافور اخشیدی		۳۰۲۷۰۰۰۰ "
جوہر صقلی	معزالدین فاطمی	۳۴۰۰۰۰۰ "
وزارت یعقوب بن کلس	عزیزالدین فاطمی	۳۰۰۰۰۰۰ "
	حاکم	۲۴۰۰۰۰۰ "
وزارت یازوری	مستنصر	۲۰۰۰۰۰۰ "
		اسمیں ایک ملین شام کی آمدنی کا ہے۔
سنہ ۴۶۳ھ میں		۲۸۰۰۰۰۰ "
بدر جمالی سنہ ۴۸۷ھ میں		۳۱۰۰۰۰۰ "

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

حاکم	خلیفہ	خراج کی مقدار دینار کی شکل میں
افضل بن بدر جمالی	مستعلی	۵۰۰۰۰۰ دینار
صلاح الدین یوسف بن ایوب ۵۸۵ھ		۴۶۵۳۰۲۹ "
ظاہر بیبرس		۱۲۰۰۰۰۰ "

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

---

۱ مقریزی ج ۱ ص ۸۷-۹۸-۱۰۰

۲ صرف ابن ایاس (ج ۳- ص ۴۴۴) نے یہ رقم بیان کی۔

بابِ (۴) چہارم

نظامِ عدالت

۱۔ عدالت

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

۲۔ عدالتِ عظمیٰ

۳۔ احتساب

عدالت

عہد جاہلیت میں

عہد جاہلیت میں نوعیت کے لحاظ سے "عدالت" کی تین قسمیں تھیں :

۱۔ حکومت : اسلام سے قبل قریش میں بنی سہم کی حکومت قائم تھی ، یہ حکومت کس قسم کی تھی ، یقینی طور پر نہیں بتایا جاسکتا ، لیکن اتنا معلوم ہے کہ اسلام سے قبل عربوں کا معمول تھا کہ متمدن قبیلے معاشرہ اور سوسائٹی کی تنظیم اور فلاح و بہبود کے لئے اجتماعی معاملات کی ذمہ [illegible] بنی سہم کی اس حکومت کا مقصد عدل و انصاف کا قیام ہو۔ قریش اور وفودِ عرب بنی سہم کے سرداروں کے پاس باہمی خصومات کا تصفیہ [illegible]

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

عہد جاہلیت کے ممتاز قاضی ، ہاشم بن عبد مناف ، ابولہب بن عبدالمطلب ، عاص بن وائل قس بن ساعدہ ایادی ، اُمیہ بن ابی الصّلت ، زہیر بن ابی سلمٰی ، ذوالاعدوانی ، اور اکثم بن صیفی تھے ۔ یہ بیان کرنا بے محل نہ ہوگا کہ صرف قاضی کے فیصلہ سے خصومات کا خاتمہ نہیں ہو جاتا تھا بلکہ فیصلے منوانے میں طاقت اور دباؤ سے بھی کام لینا پڑتا تھا۔

۲۔ ثالث بنانا : عربوں کا معمول تھا کہ وہ اپنے خصومات فیصل کرانے کاہنوں اور قیافہ شناسوں کے پاس جاتے تھے ، کاہنوں کے متعلق ان کا اعتقاد تھا کہ ان کے تابع جنات ہیں اور وہ انہیں ہر چھپی چیز سے آگاہ کر دیتے ہیں ۔ قیافہ شناس کا اُن کے ہاں مفہوم یہ تھا کہ وہ نفسیات کا ماہر ہو ، اس کی شخصیت غیر معمولی دانائی کی حامل ہو ، انسانوں کی حرکات اور قرائن سے انہیں بھانپ لے اور بات کی تہ تک پہنچ جائے ، جھگڑوں کے فیصلہ کے لئے عربوں میں قرعہ اندازی کا طریقہ بھی رائج تھا ، جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی برقرار رکھا تھا ۔ آنحضرتؐ جب کسی سفر پر تشریف لے جاتے تو قرعہ اندازی کے ذریعہ اس کا فیصلہ

فرماتے کہ کونسی زوجۂ مطہرہ کو ہمراہ لے جانا چاہیئے، اثباتِ واقعہ کے لئے گواہوں کی شہادت بھی معتبر خیال کی جاتی تھی۔

۳۔ "دادِ خواہی" اس دور میں عدالتِ عظمیٰ کی یہ ابتدائی شکل تھی اور مظلوم اپنے سے زبردست ظالم کی نا انصافی اور جبر و ظلم کے خلاف عدالتِ عظمیٰ میں جسے وہ سمجھتا ہو۔ یا ماحول نے بنا دیا ہو، احتجاج کرتا تھا۔ مستقبل میں مسلمانوں میں "النظر فی المظالم" کے نام سے دادِ خواہی کا محکمہ قائم کیا گیا، غالباً یہ نظام عربوں نے ایرانیوں سے لیا تھا۔ عربوں میں اس کی ابتدار، عاص بن وائل اور قبیلہ زبید کے ایک شخص کے درمیان ایک اختلاف کیوجہ سے ہوئی تھی۔ عاص بن وائل (ممتاز قاضی) نے قبیلہ زبید کے آدمی سے کچھ سامان خریدا تھا، لیکن قیمت ادا کرنے میں مدت تک بہلانے کرتا رہا، جب وہ مایوس ہوگیا تو اس نے کعبہ کا طواف [illegible] وقت عبداللہ بن جدعان کے مکان میں جمع ہوئے اور وہاں سب نے یہ حلف اٹھایا کہ مظلوموں کی ظالموں کے خلاف [illegible] عہد [illegible] الفضول" کہا جاتا ہے اس مجلس اور معاہدہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک تھے [1]

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

عہدِ رسالت میں

جاہلیت میں عدالت کے نظام کی ایک بنیاد موجود تھی، ظہورِ اسلام کے بعد عدالت کے فرائض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ تھے، آپ مسلمانوں اور غیر مسلموں سب کے باہمی خصومات کا فیصلہ کرتے تھے، مدینہ میں مہاجرین اور مدینہ کے مسلمانوں اور یہود و مشرکین میں جو معاہدہ ہوا تھا اس میں یہ الفاظ موجود تھے" اس معاہدہ میں شریک ہونے والوں کے درمیان اگر کوئی جھگڑا یا اختلاف ہوگا تو وہ اللہ عز و جل اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کریں گے [2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف شریعتِ اسلامی کے مبلغ تھے بلکہ آپ کی حیثیت

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے الاحکام السلطانیہ ص ۷۵ [2] ابن ہشام ۔ ج ۲ ص ۹۴-۹۸

ایک قاضی کی بھی تھی، آپ کی زندگی میں آپ کے سوا کوئی اور قاضی کے فرائض انجام دیتا تھا، اس عہدِ طیبہ میں پورے طور پر فطری سادگی موجود تھی اور اسلام کا دائرہ عمل بھی ابھی تک صرف ایک مختصر رقبہ تک محدود تھا۔ دوسرے خصومت و مقدمات کی کمی بھی تھی، اس لئے اور قاضیوں کے تقرر کی حاجت نہ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں صرف قاضی کی حیثیت سے کسی شہر میں کسی کا تقرر نہ فرمایا تھا، ہاں بعض گورنروں کو دوسری ذمہ داریوں کے علاوہ یہ ذمہ داری بھی سپرد کر دی تھی۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپؐ کسی صحابی کو کسی جھگڑے کے طے کرنے کیلئے مامور کر دیا کرتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے جھگڑوں قضیوں کا فیصلہ وحی کے مطابق فرماتے تھے، آپ مدعی اور مدعا علیہ دونوں کی گفتگو کو توجہ سے سنتے، اثباتِ واقعہ کی صورتیں [illegible] واقعہ کا اثبات [illegible] یا نفی اور قرعہ وغیرہ تھیں۔ آپ کا قول تھا۔ "مدعی کے ذمہ بینہ پیش کرنا ہے اور مدعا علیہ پر اگر وہ منکر ہو [illegible] علیہ وسلم کو ان صورتوں میں سے کسی صورت سے صحیح واقعہ کا علم ہو جاتا تو آپؐ فیصلہ فرما دیتے، آپ فرمایا کرتے "میں ظاہری ثبوت و شواہد سے فیصلہ کے لئے مامور ہوں، بھیدوں سے صرف خدا واقف ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدعی اور مدعا علیہ کسی کی رو رعایت نہ فرماتے، آپ صحابہؓ کو ہدایت فرماتے "جب مدعی، مدعا علیہ تمہارے سامنے حاضر ہوں، تو اس وقت تک فیصلہ نہ کرو جبتک دوسرے فریق کی باتیں بھی نہ سُن لو، دونوں فریق کی باتیں سننے کے بعد واقعہ کی اصلی حقیقت تمہارے سامنے آجائے گی۔" مسلم کی روایت ہے " آپؐ نے فرمایا " اگر حاکم اجتہاد کرے اور صحیح کرے تو اس کے لئے دو اجر ہیں، ورنہ ایک"

اسلام کی دعوت و تبلیغ کا دامن جب زیادہ وسیع ہوا تو آپؐ نے بعض صحابہؓ کو قرآن و حدیث اور اجتہاد کے مطابق لوگوں کے جھگڑے، قضیے طے کرنے کی اجازت دیدی اسی طرح چند صحابہؓ کو فتویٰ دینے کی اجازت بھی دیدی تھی، اس دور کے مشہور مفتیوں کی تعداد جن میں مرد اور عورت دونوں شامل تھے ایک سو اکتیس تھی، ان میں ممتاز حضرات سات تھے

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

حضرت عمرؓ، حضرت علی، حضرت عائشہ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت زید بن ثابت حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں عہد جدید کی نوعیت کے جیل خانوں کا وجود نہ تھا، سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے اس قسم کے جیل خانے تعمیر کرائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اتنا کافی خیال کیا جاتا تھا کہ مجرم کو کچھ مدت کے لئے لوگوں سے ملنے اور معاشرتی تعلقات قائم نہ رکھنے دیئے جائیں۔ اسکی صورت یہ ہوتی تھی کہ مجرم کو ایک گھر یا مسجد میں بند کر دیا جاتا تھا اور اس کے مخالف کو اس پر متعین کر دیا جاتا تھا کہ وہ مجرم کو لوگوں سے ملنے جلنے نہ دے، عہد رسالت میں کوئی قید خانہ مجرموں کو محبوس کرنے کے لئے نہ تھا، اس کا رواج حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہوا اور پھر برابر ہر دور میں [illegible]

UNREGISTERED VERSION

خلافتِ راشدہ میں

www.avs4you.com

حضرت ابوبکرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں حضرت عمرؓ کو قضاء کے عہدہ پر مامور کیا۔ لیکن آپ کی سخت گیری اور حزم و تدبر سے لوگ واقف تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دو برس تک آپ کی خدمت میں کوئی مدعی، مدعا علیہ حاضر نہ ہوا۔ اسی لئے خلافتِ ابوبکرؓ کے قاضی کی حیثیت سے آپ کی شہرت نہیں ہے۔

حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں جب اسلام کا میدانِ عمل اور زیادہ وسیع ہوا اور غیر اقوام کے ساتھ ربط و ضبط میں ترقی ہوئی اس وقت ایک ایسے نظامِ عدالت کی ضرورت محسوس ہوئی جو عربوں اور غیر عربوں کے لئے نافذ کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے قاضیوں کا تقرر کیا گیا جن کا فرض تھا کہ قرآن و حدیث اور قیاس (مشترک علت) کے مطابق فیصلہ کریں۔

حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے عالمِ اسلامی میں قاضیوں کا تقرر فرمایا تھا، اس کے بعد یہ رواج قائم ہو گیا تھا کہ قاضیوں کا تقرر "تاج خلافت" کی طرف سے کیا جاتا، اپنے صوبہ میں اس والی (گورنر) کو بھی اس کا اختیار حاصل تھا جس کے حیطۂ اختیار و اقتدار میں جملہ امور انتظام

واحترام دیدیے گئے ہوں دوسرے لفظوں میں خراج و نماز دونوں کی ذمہ داریاں جس کے سپرد کردی گئی ہوں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوالدرداءؓ کو مدینہ، شریح بن حارثؒ کندی کو کوفہ، ابوموسیٰ اشعریؓ کو بصرہ اور عثمان بن قیس بن ابی عاصؓ کو مصر کا قاضی مقرر کیا تھا۔ بلادِ شام کی عدالت مستقل تھی اور وہ کسی دوسرے صوبہ کی عدالت کے ماتحت نہ تھی۔

حضرت عمرؓ نے ان قاضیوں کے لئے ایک لائحہ عمل مقرر کیا تھا جس پر وہ عمل درآمد کرتے تھے، یہ لائحہ عمل مستقبل میں مرافعہ یا اپیل کی بنیاد قرار دیا گیا، یہ لائحہ عمل آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری اور دوسرے قاضیوں کو روانہ کیا تھا، اس کا اقتباس بے محل نہ ہوگا۔

"عدالت میں مدعی، مدعا علیہ کو ایک نظر سے دیکھو، ان کی نشست گاہ میں کسی قسم کا امتیاز نہ کیا جائے، عدل وانصاف میں کسی کی رعایت نہ کرو، کسی "بڑے آدمی" کو کوئی ناجائز توقع پیدا نہ ہوسکے اور کمزور کو عدل وانصاف سے مایوسی نہ ہو، مدعی کے ذمہ ثبوت اور گواہ پیش کرنا اور منکر مدعا علیہ پر قسم ضروری ہے، فریقین کو آپس میں راضی نامہ کی اجازت ہے، اگر اس سے شرعی حلال و حرام [illegible] تردد پیدا ہوا ان میں عقل و درایت سے کام لو، پچھلے نظائر اور امثال کی روشنی میں غور کرو، مدعی کو اتنی مہلت دو کہ وہ گواہ اور ثبوت آسانی سے پیش کرسکے، مسلمان ایک دوسرے کے لئے عادل گواہ کی حیثیت سے پیش ہوسکتے ہیں۔ بجز ان مسلمانوں کے جن پر شرعی حد جاری ہوچکی ہو، ان کی جھوٹی گواہی کا تجربہ ہوچکا ہو، یا ان کا فریق مخالف کے ساتھ ذاتی تعلق یا قرابت داری ہو، دیکھو! قلق واضطراب اور اذیت رسانی کی روش سے ہمیشہ بچنا۔

خلافتِ راشدہ میں "عدالت" حکومت کا ایک شعبہ تھا، اور اس کا انتہائی احترام کیا جاتا تھا، قاضی کے انتخاب میں غیر معمولی علمیت، تقویٰ وطہارت اور منصفانہ فطرت کا خیال رکھا جاتا تھا۔

اس دور میں جن جدید امور کے بارے میں "نص صریح" نہ ملتی ان میں قاضی اپنے "اجتہاد" سے کام لیتا تھا، اس اجتہاد کی بنیاد قرآن وحدیث پر قائم ہوتی تھی، مستقبل میں اسلاف کے مجتہدانہ فکر ونظر سے عدالتی امور میں بہت کام لیا گیا اور بہت سے احکام کی بنیاد

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

انہی پر قائم تھی۔

خلافتِ راشدہ میں قاضی کا کوئی پیشکار یا کاتب نہ تھا، قاضی کے فیصلہ کے اندراج کے لئے عدالت کی کوئی فائل بھی نہ تھی۔ وجہ یہ تھی کہ فیصلہ کے بعد فوراً ان کا انفاذ قاضی بذاتِ خود کر دیتا تھا۔ اس لئے اس کی ضرورت بھی نہ ہوتی تھی۔

اس عہد میں قاضی پہلے اپنے مکان میں عدالت کا اجلاس کیا کرتے تھے۔ پھر وہ مسجد میں کرنے لگے تھے۔

عہدِ بنی اُمیہ میں

اس عہد کی دو امتیازی خصوصیات ہیں:۔

۱۔ قضاۃ اپنے فیصلے اپنے "اجتہاد" اور عقل و درایت کی روشنی میں کرتے تھے اس اجتہاد کی [illegible] کی، وجود نہ تھا، اس لئے قاضی فصلِ مقدمات کے وقت صرف کتاب و سنت پر بھروسہ کرتا تھا دوسرے اس وقت "حدیث" فقہا محدثین و ناقدین حدیث کے درمیان جنگ و جدال کا مرکز تھی، اس لئے صحیح اور غیر صحیح حدیث کا امتیاز بہت دشوار تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت عربوں کی اکثریت نوشت و خواند سے ناواقف تھی، مشہور تاریخی واقعات اور احادیث کی زبانی روایت ایک دوسرے سے کرتے تھے، اس لئے ماحول اور مختلف فرقوں کے ذاتی رجحانات سے احادیث محفوظ نہ رہی تھی، اور ہر فرقہ اپنے اشخاص کی حمایت ان کی شخصیت کو نمایاں کرنا اور دوسرے فرقہ پہ لعن و طعن اور اس کی حیثیت کو پست ثابت کرنا اپنا مقصد زندگی سمجھتا تھا اور اس مقصد کے ماتحت اپنی من گھڑت روایتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیتا تھا چنانچہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے اسی فروغِ کذب اور سیاسی اختلاف کے ظہور کے اندیشہ سے حدیث بیان کرنے کی ممانعت کر دی تھی۔

۲۔ اس دور کی دوسری خصوصیت یہ تھی کہ عدالت کا محکمہ اپنے اختیارات و فرائض

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

میں اموی فرمانرواؤں کے اثر و اقتدار سے بالکل آزاد تھا، ان کے ذاتی رجحانات کا اس پر کوئی اثر نہ تھا، اس زمانہ میں عدالت کے فیصلے گورنروں اور خراج کے افسروں تک پر بلا رو رعایت نافذ کئے جاتے تھے۔

عہدِ اموی میں قاضی کے انتخاب کے لئے ضروری تھا کہ وہ بلند سیرت، پاکباز، پرہیزگار، عالم، مجتہد اور عیوب سے مبرا ہو، اور عدل و انصاف کے مقابلہ میں دنیا کی کسی طاقت کی اسے پرواہ نہ ہو۔

عباسیہ کے دورِ عروج میں

عہدِ عباسیہ میں عدالتی نظام میں زبردست انقلاب پیدا ہوا، اس دور میں "مذاہب اربعہ" کے ظہور کی وجہ سے اجتہادی روح میں ضعف آگیا تھا۔ اور قاضی کے فکر و نظر کا دائرہ انہی مذاہب میں سے کسی ایک تک محدود ہو گیا، اس دور میں عراق کے قاضی امام ابو حنیفہ رح کے مذہب کے مطابق [illegible] کے قاضی امام مالک رح کے مذہب کے مطابق اور مصر کے قاضی امام شافعی رح کے مذہب کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔ اگر مدعی، مدعا علیہ ایسے مذہب سے تعلق رکھتے ہوتے جو عام طور پر اس شہر میں رائج نہ ہوتا تو اس وقت ان کے مقدمہ کے فیصلے کے لئے قاضی کسی ایسے شخص کو اپنا نائب بنا دیتا جو انہی کے مذہب کا پیرو ہوتا تھا۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

اس دور کے قاضی خلیفہ کے اثر و اقتدار سے آزاد نہ تھے، بات یہ تھی کہ عباسی فرمانروا اپنے تمام اعمال و افعال کو مذہبی رنگ میں پیش کرنا چاہتے تھے، اس غرض کے لئے وہ قاضیوں کو اپنا آلۂ کار بناتے تھے اور قاضی کے انتخاب میں اس کا لحاظ رہتا تھا کہ وہ ان کے رجحانات اور خواہشات سے انحراف تو نہیں کریگا اسی کا اثر تھا کہ بہت سے فقہاء قضأ کے منصب سے دامن بچاتے تھے، انہیں احساس تھا کہ شریعت اسلامی ان کے فرائضِ منصبی اور ضمیر کے خلاف فتویٰ دینے پر ان کو آمادہ کیا جائیگا۔ حضرت امام ابو حنیفہ رض سے منصور عباسی نے منصبِ قضأ کے قبول کرنے کی استدعاء کی تو آپ نے معذرت کرتے ہوئے جواب

۱ے التمدن الاسلامی۔ ج ۲ ص ۱۸۵، ۱۸۶۔

دیا" مجھے اپنے اوپر یہ اعتماد نہیں ہے کہ آپ کی رضامندی اور خواہشات کا لحاظ رکھوں گا پھر آپ کے غیظ و غضب سے بچنے کی صورت ؟" اس واقعہ کے بعد امام ابو حنیفہؒ اور منصور کے ایک قاضی محمد بن عبدالرحمٰن میں کچھ کشیدگی پیدا ہوگئی تھی۔ کشیدگی کی وجہ یہ تھی کہ امام ابو حنیفہؒ نے باوجود عمر میں چھوٹے ہونے کے ابن عبدالرحمٰن کے فیصلوں پر نکتہ چینی کی تھی۔ ابن عبدالرحمٰن نے منصور سے شکایت کر دی، نتیجہ یہ ہوا کہ خلافت کی طرف سے حکم "زبان بندی" نافذ ہو گیا، اور انہیں فتویٰ دینے کی ممانعت کر دی گئی۔ اس زمانہ کے خلفاء نے بہت سے جنرلوں اور علویوں وغیرہ سے امن و امان کا وعدہ کیا، اس کے بعد قاضیوں کے فتووں کی آڑ لی اور اپنے وعدوں کی صریح خلاف ورزی کی، سفاح نے ابن ہبیرہ، منصور نے محمد بن عبداللہ (معروف بہ نفس زکیہ) اور ہارون نے یحییٰ بن عبداللہ کے سا[illegible]

UNREGISTERED VERSION

ابن ہبیرہ کو سفاح کی طرف سے "امان" دیدی گئی تھی، لیکن چند روز کے بعد اسے قتل کر دیا گیا، منصور نے اپنے چچا عبد[illegible] کے ساتھ بھی یہی برتاؤ کیا تھا۔ اسی واقعہ کی طرف محمد بن عبداللہ بن الحسن بن علی بن ابی طالب نے منصور کے ایک خط کے جواب میں اشارہ کیا تھا "مجھے کونسی "امان" دیجئے گا؟ ابن ہبیرہ کی طرح، اپنے چچا عبداللہ بن علی کی طرح یا ابو مسلم خراسانی کی طرح؟" محمد نفس زکیہ کے بھائی یحییٰ بن عبداللہ نے بلادِ دیلم میں ہارون رشید کے خلاف بغاوت کی، ہارون نے فضل بن یحییٰ برمکی کو اس کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ فضل بن یحییٰ نے اپنے غیر معمولی تدبر سے اسے اس شرط پر مصالحت کے لئے آمادہ کر لیا کہ ہارون اپنے قلم سے "امان" لکھ دے اور اس پر فقہاء قضاۃ اور بنی ہاشم کے ممتاز افراد کی گواہیاں ثبت ہوں، ہارون نے اس شرط کو قبول کر لیا اور اس کی حسب خواہش تحریر لکھ دی، اس کاروائی کے بعد جب یحییٰ فضل کے ساتھ بغداد آیا تو ہارون نے نہایت عزت و احترام کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا لیکن ابھی بغداد آئے ہوئے چند روز بھی نہیں گذرے تھے کہ ہارون نے اسے نظر بند کر دیا اور فقہائے سے "امان" کے متعلق فتویٰ طلب کیا کچھ فقہائے نے اس کو برقرار

www.avs4you.com

رکھا لیکن بعض فقہائے "نقضِ امان" کے جواز کا فتویٰ دے دیا اور ہارون نے اس، گروہ کے فتوے پر عمل کیا۔

عباسیوں نے اپنے عہد میں "قاضی القضاۃ" کا منصب قائم کیا، جو عہد جدید کے وزیر عدل وانصاف کے ہم پلہ تھا اس کا تقرر خلیفہ کی طرف سے کیا جاتا تھا، قاضی القضاۃ دارالسلطنت میں قیام کرتا تھا اور وہ تمام عالمِ اسلامی میں قاضیوں کا تقرر کرتا تھا جو اس کے نائب کی حیثیت سے عدالت کے فرائض انجام دیتے تھے، پہلے اس عہدہ پر امام ابو یوسف رح مامور ہوئے، یہ ہارون رشید کے عہد کا واقعہ ہے، ہارون ان کا بے حد لحاظ واحترام کرتا تھا اندلس میں قاضی القضاۃ کو "قاضی الجماعۃ" کہا جاتا تھا۔ دونوں کے اختیارات وفرائض ایک تھے، ان میں صرف نام کا فرق تھا۔

عباسیہ کے دورِ عروج میں قاضی القضاۃ کے اختیارات وفرائض اور زیادہ وسیع ہوگئے تھے اور دیوانی و فوجداری کے علاوہ [illegible]، قصاص احتساب، دارالضرب، ڈاک [illegible] کے شعبے بھی اسی کے ماتحت تھے، اس دور میں حضرت امام ابو یوسف رح کے ماسوا دوسرے ممتاز قاضی القضاۃ یحییٰ بن اکثم رح دگر میوں میں جنگ کرنے والی فوج کے جنرل بھی تھے، اور احمد بن دواد تھے۔ ابن اکثم رح عہد مامون میں قاضی القضاۃ اور ابن ابی دواد ان کے شاگرد اور عہد واثق کے قاضی القضاۃ تھے۔

امویوں کے عہد میں ہر صوبہ میں ایک قاضی مقرر کیا جاتا تھا، لیکن عہد عباسیہ میں ہر صوبہ میں "مذاہب اربعہ" کی نمائندگی کے لئے چار قاضی مقرر کئے جاتے تھے تاکہ ہر مذہب کا مقلد اپنے قاضی کے پاس مقدمہ پیش کرے اور اپنے مذہب کے مطابق اسے طے کرا سکے۔

ائمۂ مذاہب کا دور

اس دور کی ابتداء دولتِ عباسیہ کے قیام ۱۳۲ھ سے ہوئی اور سقوطِ بغداد ۶۵۶ھ کے بعد اس کا خاتمہ ہوگیا، اس دور ان میں اصولِ فقہ وضع کئے گئے اور ارباب رائے اور

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

اصحابِ حدیث کے اختلافات کا دامن بہت وسیع ہو گیا۔ اس دور میں جن مذاہب نے جنم لیا ان میں مذہب امام ابو حنیفہ رح (م ۱۵۰ھ) مذہب امام مالک رح (م ۱۷۹ھ) مذہب امام شافعی رح (م ۲۰۵ھ) اور مذہب امام احمد بن حنبل رح (م ۲۴۱ھ) امتیازی درجہ رکھتے ہیں امام ابو حنیفہ رح اہل رائے کے پیشوا خیال کئے جاتے تھے۔ امام مالک رح اور امام احمد بن حنبل رح معمولاً حدیث پر اعتماد کرتے تھے، اور حضرت امام شافعی حدیث و رائے میں تطبیق کی کوشش فرماتے تھے۔

امام احمد بن حنبل رح سے فقہاء اسلام کی ایک جماعت نے حدیث کی تعلیم پائی تھی ان میں ممتاز حضرات امام بخاری، امام مسلم رح تھے، یہ مذاہب اربعہ اس وقت تک فقہ اسلامی اور قانونِ اسلامی کے سرچشمہ خیال کئے جاتے ہیں، ان مذاہب اربعہ کے ماسوا اُس دور میں اور بھی مذاہب تھے، مثلاً یمن کا مذہب زیدیہ (امام زین العابدین رح کی طرف انتساب تھا) ایران [illegible] صادق رح سے انتساب تھا) نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ اس زمانہ میں جو مذاہب مٹ گئے ان میں خوارج، مرجیہ اور معتزلہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان میں علامہ محمد بن جریر طبری (م ۳۱۰ھ) کے مذہب کی طرف اشارہ بے محل نہ ہو گا۔

سچ پوچھئے تو یہ مذہب امام شافعی رح کے مذہب کا چربہ تھا، اس کے بنیادی عناصر میں شافعی مذہب کے اصول و قوانین داخل تھے۔ محمد بن جریر طبری رح رائے و قیاس کے قائل تھے، اسی لئے حنابلہ ان کو اچھا نہیں سمجھتے تھے، غالباً اجتہاد کے قائل یہ آخری شخص تھے۔

اسی دور میں "صحاح ستہ" کی تدوین ہوئی جن کے متعلق مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ وہ قرآن کریم کے بعد صحیح ترین کتابیں ہیں، صحاح ستہ کے مصنف امام بخاری رح (م ۲۵۶ھ) امام مسلم (م ۲۶۱ھ) امام ابن ماجہ (م ۲۷۳ھ) امام ابو داؤد اور امام ترمذی رح (م ۲۷۳ھ) اور امام نسائی تھے۔

تقلید کا میلان اور ذہنیت حضرت ابو الحسن اشعری کے ظہور کے بعد مسلمانوں میں خصوصیت کے ساتھ پیدا ہوئی۔ پروفیسر براؤن، ڈوزی سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

معتزلہ کی موشگافیوں نے اہل سنت کے مذہب کو کبھی پنپنے نہ دیا، متوکل کی وفات

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

(۲۴۷ھ) کے قریبًا بارہ برس بعد اہل سنت کی ایک عظیم شخصیت ۲۶۰ھ ۸۷۳ء میں پیدا ہوئی۔ جس نے معتزلہ کی آغوش میں نشوونما پائی اور چالیس سال کی عمر تک ان سے تعلیمات حاصل کیں، اور جب منطق و فلسفہ کے اسلحہ سے اچھی طرح مسلح ہو گئی تو اہل سنت کی طرف سے ان کا مقابلہ کیا اور نہایت کامیاب مقابلہ کیا، اور اپنی پوری زندگی اسی میں صرف کر دی یہ بلند پایہ شخصیت ابوالحسن الاشعریؒ کی تھی، جو حضرت ابوموسیٰ اشعری کی اولاد سے تھے۔ ابوالحسن نے اپنے معتزلی استاذ جبائی سے اختلاف پیدا ہو جانے کے بعد بہت سی کتابیں فلسفیانہ نقطۂ نظر سے توحید وغیرہ پر لکھیں، جن کی تعداد تین سو سے زیادہ تھی، ان کتابوں نے معتزلہ کے اثر و اقتدار پر ضرب کاری لگائی اور مستقبل میں پھر انہیں کبھی سر اٹھانے کا موقع نہ ملا۔ گیارھویں صدی عیسوی (پانچویں صدی ہجری) کے بعد قریبًا معتزلہ کے مذہب کا خاتمہ ہو گیا، اور امام اشعریؒ کی تعلیمات اس پر حاوی ہو گئیں۔[۱]

UNREGISTERED VERSION

نظام عدالت عباسیہ کے دورِ انحطاط میں

www.avs4you.com

عباسیہ کے دورِ انحطاط میں مدنی اور فوجی معاملات ہی تک فساد و بدنظمی کا دائرہ محدود نہ تھا بلکہ اس کا دامن عدالت تک وسیع تھا، نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ اس مہتم بالشان منصب کے حصول کے لئے ایک خطیر رقم سالانہ رشوت میں ادا کی جاتی تھی، علامہ سیوطیؒ نے ۳۵۰ھ کے واقعات میں ذکر کیا ہے کہ ابوالعباس عبداللہ بن شوارب نے معزالدولہ سے قضا کا منصب دو لاکھ درہم سالانہ کے بدلہ میں حاصل کیا تھا اور اسکا قبالہ لکھ کر اسے دیدیا تھا۔[۲] اس دور میں عدالت کا محکمہ سیاسی اثر سے آزاد نہ تھا، اسلئے ارباب زہد و ورع، اہل علم اس منصب کو قبول کرنے سے گریز کرتے تھے، سیوطیؒ نے ۳۶۳ھ کے واقعات کے ذیل میں بیان کیا ہے، کہ جب خلیفہ مطیع نے ابوالحسن محمد بن شعبان کو قضا کا منصب پیش کیا تو آپ نے پہلے انکار کیا، بعد میں ان شرطوں پر راضی ہوئے کہ عدالت کو تاج خلافت کی طرف سے آلۂ کار نہ بنایا جائیگا، معزول نہیں کیا جائیگا، شریعت[۳]

---

[۱] Library History of Persia Vol-1. P. 291.

[۲] تاریخ الخلفاء ص ۲۶۵ - ۲۶۶ - [۳] ایضاً ص ۲۷۴

کیخلاف کسی امر کیلئے سفارش نہیں کیجائیگی۔ خلیفہ مطیع نے جب یہ شرطیں مان لیں اور باقاعدہ اقرار نامہ لکھدیا تو آپ نے اس عہدہ کو قبول کر لیا، آپ تمام عباسی قلمرو کے قاضی تھے۔

بنی بویہ کے دورِ اقتدار میں "عدالت" کی حالت نہایت ابتر تھی اور اُسے بالکل استقلال حاصل نہ تھا۔ ۳۹۴ھ میں بہاء الدولہ نے ابو احمد حسین بن موسیٰ علوی کو قاضی القضاۃ کے منصب پر مامور کیا اور حج، مظالم اور نقابت طالبیین کے فرائض بھی اس کے سپرد کئے اور اس تقرر کے متعلق شیراز سے اُسے باقاعدہ ایک تحریر بھی لکھ کر بھیجدی، لیکن خلیفہ قادر نے اس کے اس تقرر کی تصدیق نہیں کی، اس کا بظاہر سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ وہ علوی تھا خلیفہ کے انکار کی وجہ سے وہ اس منصب پر فائز نہ ہوسکا[1]

ان واقعات سے یہ اندازہ بہ آسانی ہوسکتا ہے کہ اس منصب پر تقرر کے وقت خلفا اور ان طاقتوں میں رسّا کشی ہوتی تھی جو وقتاً فوقتاً اس دور میں بغداد کی سیاسی طاقت پر حاوی رہیں، [illegible] اس ذہنیت اور کشمکش کی حالت میں نیک و بد اور مستحق اور غیر مستحق کی تمیز نہیں رہتی اس لئے لازمی طور پر "عدالت" کی وقعت اور دیانت داری کی روح کا خاتمہ ہوگیا تھا، یہ بیان کرنا غالباً ضروری ہے کہ منصب قضاء پر تقرر کرنے کا حق دستوری اور رواجی طور پر خلیفہ کو ہر دور میں حاصل رہا ہے۔ غاصب سیاسی طاقتیں رائے عامہ کے برانگیختہ ہونے کیوجہ سے خلافت کے اس حق کو سلب کرنے سے جھجکتی تھیں۔

نظام عدالت مصر میں

عربوں کی تسخیر سے عہد فاطمی تک

حضرت عمرو بن عاص رضؓ نے مصر کی تسخیر کے بعد ذمی قاضیوں کو اپنے منصب پر برقرار رہنے دیا، اس زمانہ میں حضرت عمر رضؓ نے قاضی القضاۃ کے منصب پر قیس ابن ابی العاص رضؓ کو مامور فرمایا تھا، جو اپنی وفات ربیع الاوّل ۲۳ھ تک اس عہدہ پر فائز رہے ان کی وفات کے بعد ان کی جگہ عثمان بن ابی العاص رضؓ کو مقرر کیا گیا یہ بھی اپنی وفات تک اس عہدہ پر متمکن رہے، ان کی وفات حضرت علی رضؓ

[1] کندی۔ص ۲۲۲

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

کے دورِ خلافت میں ہوئی۔ آپ کی وفات کے بعد یہ منصب کچھ عرصہ تک کس مپرسی کے عالم میں رہا۔ جب امیر معاویہؓ خلیفہ ہوئے تو آپ نے سلیم بن عشر تجیبی کو اس عہدہ پر مامور کیا۔ یہ ۴۰ھ کا واقعہ ہے۔

عدالت کا اجلاس جامع عمرو بن عاص میں ہوا کرتا تھا، اس وقت بحث و جرح زبانی ہوتی تھی اور وہ قلمبند نہیں کی جاتی تھی اور نہ ان کی باقاعدہ مثل مرتب کی جاتی تھی۔ بلکہ قاضی زبانی فیصلہ سناتا اور خود ہی اُسے نافذ کر دیتا تھا۔

بنی اُمیہ کے دور میں خلافتِ راشدہ کا طریقۂ کار باقی رہا اور اس کے لائحہ عمل میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی قاضی کے اختیارات و فرائض کا دائرہ ضرور وسیع ہو گیا، اور اب اسے دیوانی، مذہبی اور فوجداری اور پولیس سے متعلق مقدمات کی سماعت کے اختیارات[1] حاصل ہو گئے اس دور کے بعض قاضیوں نے مفید اصلاحات جاری کیں۔ مثلاً عبدالعزیز بن مروان (۸۶ھ) کے گورنر [illegible] یتیموں کے مال کے تحفظ کے لئے سرکاری انتظام کیا تھا۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

توبہ بن نمر حضرمی (۱۱۵ھ۔ ۱۲۰ھ) استقامت اور سلامت روی میں امتیازی درجہ رکھتا ہے، وہ اپنی تمام آمدنی و ملکیت اپنے بھائیوں کو دیدیا کرتا تھا، اس لئے لوگ اس کو مسرف کہا کرتے تھے۔ اس کا قابلِ قدر کارنامہ یہ تھا کہ اس نے اوقاف کے لئے باقاعدہ ایک محکمہ قائم کیا اور وقف کی دولت کو تباہی اور توارث کے خطرہ سے مامون کر دیا تھا۔

عہدِ بنی اُمیہ کے قاضیوں کے مبلغ اجتہاد اور آزاد منصبی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ انہیں گواہوں کی شہادت ان کی مادری زبان میں سننے میں کوئی تامل نہ تھا، چنانچہ خیر بن نعیم حضرمی (۱۲۰ھ۔ ۱۲۷ھ) قبطیوں کی گواہی قبطی زبان میں سُنا کرتے تھے۔

اموی خلفاء قاضیوں کی کڑی نگرانی رکھتے تھے، اگر انہیں ان کی کسی کمزوری یا بے انصافی کا علم ہو جاتا تھا تو کبھی اس سے چشم پوشی نہ کرتے تھے۔ ایک دفعہ ہشام بن عبدالملک کو خبر پہنچی کہ قاضی مصر یحییٰ بن میمون حضرمی (۱۰۵ھ۔ ۱۱۴ھ) نے ایک یتیم کے معاملہ میں غیر منصفانہ فیصلہ کیا ہے تو ہشام کے لئے یہ ناقابلِ برداشت ثابت ہوا اور اس نے

[1] کندی۔ ص ۳۲۲

اپنے گورنر مصر کو لکھا "یحییٰ کو کان پکڑ کر نکال دو اور اس کی جگہ کسی پاکیزہ سیرت، پرہیزگار، انسانی کمزوریوں سے مبرا شخص کو قاضی بنا دو جسے حق و صداقت کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی طاقت متزلزل نہ کر سکے[1]۔

مصر میں عباسی عہد کے قاضیوں نے عدالت کے نظام میں بہت سی مفید اصلاحات کی تھیں، قاضی غوث (۱۳۵ھ تا ۱۴۰ھ) نے محکمہ عدلیہ کو ان تمام برائیوں سے جو اس میں سرایت کر گئی تھیں، دور کیا، ان معائب میں سرفہرست جھوٹی شہادت کا رواج تھا، قاضی غوث جھوٹی اور سچی گواہی میں امتیاز کرنے کے لئے پہلے گواہوں کے کردار اور چال چلن کے متعلق نہایت خفیہ طور پر معلومات حاصل کرتا اور جب ان کی سلامت روی و نیک کرداری کا یقین ہو جاتا تھا تو ان کی گواہی قبول کر لی جاتی تھی۔ کندی کے الفاظ ہیں "یہ قانونی نکات اور ان کی پیچیدگیاں سلجھانے کی غیر معمولی قابلیت رکھتا تھا" اور عدل و انصاف اور اعتدال پسندی میں مشہور تھا۔ قاضی غوث کی عدل پروری کا یہ [illegible] ایک دفعہ خلیفہ عباسی مہدی (۱۵۸ھ تا ۱۶۹ھ) پر ایک عورت نے [illegible] دائر کیا۔ آپ نے عدالت کے اندر عورت اور خلیفہ کے نمائندہ میں کوئی امتیاز گوارا نہ کیا اور دونوں کو ایک صف میں کھڑا کیا۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

قاضی ابو خزیمہ (۱۴۴ھ تا ۱۵۴ھ) کے زہد و تقویٰ کا یہ حال تھا کہ اگر اپنے کپڑے دھونے یا کسی جنازہ کی شرکت کی وجہ سے عدالت کے اجلاس کرنے کا موقع نہیں ملتا تو وہ اس روز کی تنخواہ نہ لیتے، اس واقعہ سے اس دور کے قاضیوں کی خاکساری اور تواضع کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس زندگی سے "آپ اپنے اکثر کام اپنے ہاتھ سے خود کر لیتے تھے" ان کی زندگی کتنی قریب تھی۔

مفضل بن فضالہ (۱۶۸ھ تا ۱۶۹ھ، ۱۷۴ھ تا ۱۷۷ھ) نے عدالت کے نظام میں بہت سی اصلاحات کیں، وہ سب سے پہلا شخص تھا جس نے عدالتی کارروائیوں کی مثلوں کے فائل مرتب کرائے، اور وصایا و دیون کے متعلق تمام امور ان میں مندرج کیے گئے۔

[1] کتاب القضاۃ ص ۴۲۳، ۴۲۴

اس کا ایک کارنامہ یہ تھا کہ اس نے گواہوں کی "عدالت" اور صداقت کی جانچ کے لئے ایک شخص کا تقرر کیا تھا، جسے "صاحب مسائل" کہا جاتا تھا، لیکن یہ اصلاح صرف ظاہری تھی، اس میں کوئی معنوی خوبی پیدا نہ ہو سکی۔ یہ عہدہ دار رشوتیں لے کر جھوٹے گواہوں کی عدالت و صداقت کی تصدیق قاضی کے سامنے کر دیا کرتا تھا۔ مفضل نے اس عہدہ کے مضر اثرات کو بہت جلد محسوس کر لیا۔ لیکن جھوٹی شہادت کے عام رواج کے سامنے وہ بے بس بھی تھا۔ اس لئے شہادت کے فرائض انجام دینے کے لئے اس نے دس اشخاص کو متعین کر دیا، لیکن جمہور نے دو وجہوں سے قاضی کی اس اصلاح کو پسند نہ کیا۔ اولاً شہادت صرف چند اشخاص میں محدود ہو کر رہ جاتی تھی۔ دوسرے یہ ایک ایسا نیا طریقہ تھا۔ جسے اس سے پہلے کسی اور قاضی نے اختیار نہ کیا تھا۔

لہیعہ بن عیسیٰ (۱۹۶ھ تا سنہ ۱۹۸ھ، سنہ ۱۹۹ھ تا سنہ ۲۰۴ھ) نے "اوقاف" کے نظام کی طرف خصوصی [illegible] اصلاحات میں سب سے پہلے اوقاف کے مال و دولت کی باقاعدہ تنظیم کی گئی، اس کا ایک حصہ [illegible] مخصوص [illegible] اوقاف سے اُن رضاکاروں کے وظائف مقرر کر دیے جو سرحدی مقامات پر رضاکارانہ مسلمانوں کی خدمات انجام دیتے تھے۔ لہیعہ سب سے پہلے قاضی تھے جنہوں نے قاضیوں کے فرائض و اختیارات کا خاکہ بنایا تھا، جس پر ان کے مابعد کے جانشینوں نے عمل کیا۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

اس زمانہ کا نظام عدالت اپنی خوبیوں کے ساتھ عیوب و نقائص سے بھی خالی نہ تھا۔ اس کی وجہ سیاسی نظام کی وہ پراگندگی تھی جس نے دنیائے اسلام کی مرکزیت کا قریب قریب خاتمہ کر دیا تھا، اس وقت قاضی رشوتیں لینے سے نہ جھجکتے تھے، اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ عدالت کے وقار اور ہیبت کا خاتمہ ہو گیا۔ عبدالرحمٰن بن عبداللہ عمری کے متعلق مشہور ہے کہ اس نے ایک لاکھ دینار کی رشوت سے حاصل کئے تھے، مزید برآں شراب نوشی اور رقص و سرود کی محفلوں سے بھی کوئی احتراز نہ تھا، ان باتوں نے اسے نظروں سے گرا دیا تھا لیکن اخلاقی برائیوں کے باوجود ایک کام اس نے یہ کیا تھا کہ گواہوں کی ایک فہرست مدون کرائی تھی، شہادت دینا صرف ان گواہوں کا کام تھا۔

اس دور کے قاضیوں میں ابن مسروق کندی (۱۷۷-۱۸۴ھ) سب سے مشہور قاضی گزرا ہے۔ اس کا امتیازی کارنامہ یہ ہے کہ اس نے عدالت کے اعزاز و احترام کی سطح بہت بلند کر دی تھی اور گورنر مصر کے اثر و اقتدار سے "عدالت" کو آزاد کر دیا تھا۔ وہ کبھی گورنر کے پاس نہ جاتا تھا، حالانکہ اس کے پیش رو قاضی، گورنروں کی بارگاہ میں جبیں سائی فخر خیال کرتے تھے اس کی اس جرأت کا یہ اثر ہوا کہ اس کے بعد قضاۃ نے دربارِ حکومت کی حاضری ترک کر دی، علاوہ ازیں اس محکمۂ عدالت میں یہ زبردست اصلاح کی کہ ایک محفوظ الماری بنوائی، جس میں عدالت کے کاغذات مہر شدہ حالت میں رکھ دیے جاتے تھے۔ جب وہ عدالت کا اجلاس کرتا تھا اس وقت ان مہروں کو توڑ کر انہیں کھولا جاتا تھا۔

سٹانلی لین پول نے اپنی کتاب A History of Egypt in the Middle ages. میں ان الفاظ میں عہد اموی اور عہد عباسی کے ابتدائی دور کے قاضیوں پر تبصرہ کیا ہے

UNREGISTERED VERSION

"وفقہ اسلامی میں انہماک کی وجہ سے وہ غیر معمولی اہمیت رکھتے تھے، اور رائے عامہ

www.avs4you.com

کی نظر میں استقامت اور بلندی اخلاق کے لحاظ سے مشہور تھے، ان کے مرتبہ و عہدہ کو بڑی اہمیت حاصل تھی اور اثر و نفوذ کے اعتبار سے ان کی شخصیت نمایاں درجہ رکھتی تھی۔ اس لئے ان کے ساتھ وہ برتاؤ نہ تھا جو اور سرکاری عہدہ داروں کے ساتھ روا رکھا جاتا تھا، چنانچہ قاضی عموماً متعدد گورنروں کے زمانہ میں اپنے عہدہ پر مامور رہتا تھا، نیا گورنر اپنے پیش رو کے زمانہ کے عہدہ داروں میں تغیر و تبدل کر دیتا تھا لیکن قاضی کو اس کے منصب سے علیحدہ نہ کر سکتا تھا، اگر قاضی کی کارروائیوں میں کوئی بالادست اقتدار دخل دیتا تو وہ فوراً اپنے عہدہ سے استعفا دے دیتا۔ قاضیوں کے ساتھ جمہور کی غیر معمولی محبت کا یہ عالم تھا کہ گورنر اگر کسی قاضی کو معزول کرنے کا ارادہ کرتے تو مدت تک انہیں پس و پیش رہتا اور عموماً وہ جمہور میں ہیجان پیدا ہو جانے کے خطرہ سے اس اقدام کی جرأت نہ کرتے تھے عباسی عہد میں قاضیوں کو معزول کرنے کا اختیار گورنر کو حاصل نہ تھا، بلکہ معمولاً مرکزِ خلافت سے اس کا تعلق تھا اور براہِ راست وہیں سے ان کا تقرر بھی ہوتا تھا، اسی طرح ان کی تنخواہ

کی تحدید اور اس کی ادائیگی کا تعلق بھی "بابِ خلافت" ہی سے تھا۔[1]

طولونیوں (۲۵۴-۲۹۲ھ) اور اخشیدیوں (۳۲۳-۳۵۸ھ) کے دور میں کسی خاص مذہبی فرقہ کے پیرو قاضی مقرر نہ کئے جاتے تھے، بلکہ ہر فرقہ کے لوگ اپنی صلاحیت کی بنا پر اس عہدہ پر فائز ہو سکتے تھے، وہ اس کے بھی پابند نہ تھے کہ فریقین کے مذاہب کے مطابق فیصلہ کریں، بلکہ خود جس مذہب سے تعلق رکھتے تھے، اسی کے قوانین کے ماتحت فیصلہ کرتے تھے، اس دور کے قاضی پاکیزگی اخلاق، استقامت اور نڈر ہونے میں ممتاز تھے۔

طولونیوں کے زمانہ کی ایک ممتاز شخصیت قاضی بکار بن قتیبہ کی ہے یہ مسلمانوں کا ممتاز ترین اور فقہ اسلامی میں غیر معمولی تجر رکھنے والا قاضی گذرا ہے، اس کا ایک واقعہ قابلِ ذکر ہے جو ابنِ طولون کے ساتھ پیش آیا تھا، واقعہ یہ تھا کہ خلیفہ عباسی معتمد کو جب اس کے بھائی موفق نے نظر بند کر دیا تو ابنِ طولون نے اسے نقضِ عہد بیعت اور خلافت کی بہت بڑی [illegible] کام کر رہی تھیں، موفق نے اس کے پاس اس کی معزولی کا فرمان بھیج دیا تھا، اس نے وہاں سے فوراً ایک خط اہلِ مصر کے نام لکھا، جس میں تحریر تھا "ابو احمد موفق نے معتمد کی بیعت توڑ دی، اُسے گرفتار کر لیا، اور غیر مہذبانہ سلوک کیا، معتمد کی حالت ناگفتہ بہ ہے وہ بے حد گریہ وزاری کر رہا ہے"، خطیب نے جمعہ کے روز مصر میں اپنے خطبہ میں معتمد کے مصائب کا ذکر کیا اور آخر میں یہ دعا کی "اے اللہ! جس نے خلیفہ کو محصور کر رکھا ہے اور اس پر ظلم و ستم توڑے ہیں اس کے شر سے تو مظلوم خلیفہ کو نجات دے۔

ابن طولون نے دمشق میں ایک دربار منعقد کیا، جس میں قاضیوں، فقیہوں اور شام اور سرحدوں اور مصر کے سر بر آوردہ لوگوں کو بلایا اور تمام لوگوں سے ایک محضر نامہ پر دستخط کرائے جس میں موفق کو شرعی نقطۂ نظر سے خلافت کے لئے غیر مستحق قرار دیا گیا کیونکہ اس نے معتمد کو نظر بند کیا تھا اس محضر نامہ پر صرف مصر کے تین اشخاص قاضی بکار بن قتیبہ، محمد بن ابراہیم اسکندرانی اور محمد بن موسیٰ نے دستخط نہیں کئے تھے، قاضی بکار نے موفق کی معزولی کی تصدیق کرنے سے صاف صاف انکار کر دیا تھا، یہ ۱۲۔ ذیقعدہ ۲۶۹ھ کا

[1] کندی ص ۲۲۶

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

واقعہ ہے، لیکن کندی کا بیان ذرا اس سے مختلف ہے وہ لکھتا ہے کہ قاضی بکار موفق کو نقضِ عہد بیعت کا مجرم قرار دینے اور اس بناء پر حقِ خلافت سے محروم ہونے میں ابنِ طولون کا ہم نوا تھا، لیکن موفق پر لعنت بھیجنے کا قائل نہ تھا۔ اس کی عبارت یہ ہے "قاضی بکار نے موفق کو "نقضِ عہد" کا مجرم قرار دیا اور اس کی تصدیق کی۔ اس میں شام کے اور سرحدوں کے قاضی بھی ان کے ہمنوا تھے، احمد بن طولون نے ان لوگوں سے ان لوگوں سے موفق پر لعنت کرنے کی خواہش کی، قاضی بکار نے انکار کیا، ابنِ طولون نے بار بار اصرار کیا۔ قاضی نے برابر انکار کیا۔ اس پر ابنِ طولون سخت غضبناک ہوا اس سے پہلے وہ ان کا بہت ادب اور احترام کرتا تھا اور سالانہ ایک ہزار دینار ہدیۃً بھیجتا تھا، جب اس کا عتاب ان پر نازل ہوا تو اس نے کہلا بھیجا "میرے عطایا کہاں ہیں؟" اس کے جواب میں قاضی بکار نے سولہ تھیلیاں جوں کی توں [illegible] ابن طولون کے گھر بھیجدیں جنہیں [illegible] واقعہ سے عدالت کے ہر قسم کے اثر اور دباؤ سے آزاد ہونے اور قاضیوں کے دنیا سے زہد و بے نیازی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔[1]

فاطمیوں اور ایوبیوں کے عہد فاطمیوں کی تسخیر مصر کے وقت ابوطاہر محمد بن احمد قاضی القضاۃ تھے، جو سنی تھے اور ربیع الاول ۳۴۸ھ سے اس عہدہ پر مامور تھے، جوہر نے اس وقت ان کی جگہ کسی شیعہ کو دینا مصلحت وقت کے خلاف سمجھا، لیکن ان کے اثر و اقتدار کا خاتمہ کرنے کے لئے خفیہ کارروائیاں شروع کر دیں۔

خلیفہ معز فاطمی جب مصر کے قریب پہنچا تو اس وقت شہریوں نے اس کا پُرتپاک خیر مقدم کیا اور احترام میں اپنی سواریوں سے اتر پڑے اور زمین بوس ہوئے، اس وقت صرف ابوطاہر تھے جو سواری سے نہیں اُترے، جب وُہ خلیفہ کے بالکل قریب پہنچے تو سواری سے اترے اور اور زمین بوسی کی بجائے "سلام علیکم" کہا، معز نے اس چیز کو محسوس کیا اور اپنے کسی حاجب سے دریافت کیا، یہ کون صاحب ہیں؟ اس نے جواب دیا، قاضی مصر جب لوگوں نے ابوطاہر کو اس رویہ پر ملامت کی تو آپ نے فرمایا، صرف خدا ہی کو سجدہ کرو، اگر حقیقت میں تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔[2]

---

[1] کتاب الولاۃ والقضاۃ ص ۵۱۲ [2] کندی ص ۵۰۴

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

خلیفہ معز نے بھی ابوطاہر کو اپنی سیاسی پالیسی کے ماتحت منصب قضا سے ہٹانا غیر مناسب سمجھا، ممکن ہے ان کی غیر معمولی ذکاوت اور بدیہہ گوئی کا بھی اس میں داخل ہو مقریزی نے ایک واقعہ لکھا ہے، خلیفہ معز نے ابوطاہر سے دریافت کیا وہ آپ نے کتنے خلیفہ دیکھے ہیں؟ قاضی صاحب نے برجستہ جواب دیا "خلیفہ ایک بھی نہیں دیکھا بجز معز الدین کے" خلیفہ اس جواب سے بہت خوش ہوا۔ اُسے علم تھا، ابوطاہر نے خلیفہ معتضد، مکتفی اور مقتدر وغیرہ کو دیکھا ہے۔

لیکن ابوطاہر کے اقتدار کو گھٹانے کی طرف خلیفہ معز کی توجہ مبذول رہی اور رفتہ رفتہ اسے پابندیوں میں جکڑ دیا گیا۔ پہلے خلیفہ نے اُسے یہ حکم دیا کہ عقائد شیعی کے مطابق فیصلے کئے جائیں[1] مزید برآں ایک مغربی شیعہ ابوسعید عبداللہ بن محمد بن ابی ثوبان کو شوال ۳۶۲ھ میں اس کا [illegible] مغربی شیعوں [illegible] سپرد کر دی گئی[2] شروع میں مغربی شیعوں کی اپیلیں بھی اسی کے متعلق کر دی گئیں، جن کا تعلق مغربی شیعوں اور مصریوں سے تھا، پھر اس کا اثر [illegible] بڑھ گیا [illegible] اس کی عدالت سے متعلق ہو گئیں اور اُسے قاضی مصر و اسکندریہ کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔

۳۶۲ھ میں خلیفہ معز الدین نے ابوسعید کی جگہ ایک دوسرا مغربی شیعہ قاضی علی بن نعمان کو مقرر کیا اور عدالتی امور قاضی ابوطاہر اور اس میں تقسیم کر دیے۔ ابن نعمان جامع عمرو بن عاصؓ اور قاضی ابوطاہر جامع ازہر میں عدالت کا اجلاس کرتے تھے۔ ۳۶۶ھ میں جب قاضی ابوطاہر کبیر السنی اور ضعف و ناتوانی کی وجہ سے اس عہدہ سے سبکدوش ہوئے تو ان کی جگہ مستقل طور سے ابن نعمان کو مقرر کیا گیا۔

نعمان کا خاندان ۳۹۰ھ تک منصب قضا پر فائز رہا۔ صفر ۳۸۹ھ[1] میں حسین بن علی بن نعمان مصر اور اس کے صوبوں پر قاضی مقرر کیا گیا، اسے دعوت و تبلیغ کا منصب بھی تفویض کیا گیا۔ یہ شیعی دعوت تبلیغ کا اقتدار اعلیٰ تھا، یہ سب سے پہلا واقعہ تھا کہ قاضی القضاۃ کو دعوت و تبلیغ کے فرائض بھی سونپے گئے، اسے قاضی القضاۃ کو دعوت و

[1] ابن بسام ص ۸۴ - [2] مقریزی۔ الفاظ الحنفا ص ۹۲ [3] کتاب جوہر صقلی (علی ابراہیم حسن) ص ۸۷، ۱۰۰

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

تبلیغ کے فرائض بھی سونپے گئے۔ اُسے "قاضی القضاۃ اور داعی الدعاۃ" دونوں کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔

فاطمیوں کے آخر دور میں کبھی کبھی سنیوں کو بھی منصب قضا دے دیا جاتا تھا۔ اس زمانہ میں منصب قضا پر صرف شیعوں کے تقرر کی پالیسی کو تھوڑا بہت بدل گیا تھا، چنانچہ حاکم نے ایک سنی ابو العباس بن عوام سنبلی کو قاضی مقرر کیا تھا جو اپنی وفات تک اس عہدے پر مامور رہے تھے، آپ مصر، برقہ، صقلیہ، شام اور حرمین کے قاضی تھے۔ ابو العباس کے ماتحت دار الضرب، معیار اور وزن وغیرہ کی دیکھ بھال، نماز، میراث، مساجد اور جامع مسجدوں کے انتظامات کے محکمے بھی تھے۔ اس جگہ یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ ابو العباس کے ساتھ مجلس عدالت میں خلیفہ کے شیعی نمائندے موجود رہتے تھے اور فیصلہ صادر ہونے سے قبل خلیفہ کو عدالت کی کارروائی دکھا دینا ضروری تھا۔ اس لیے غیر شیعہ قاضی کا اقتدار صرف رسمی تھا۔ ورنہ سچ پوچھیے تو اسے کوئی اختیار حاصل نہ تھا۔

UNREGISTERED VERSION

ابو علی بن افضل [illegible] ۵۲۴ھ) نے یہ پابندی اٹھا دی کہ عدالت کے فیصلے شیعی قانون کے ماتحت صادر ہوں، یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ ابو علی بن افضل مذہب اثنا عشری سے تعلق رکھتا تھا۔ ابو علی نے ۵۲۵ھ میں چار قاضیوں کا تقرر کیا تھا، ان میں دو شیعہ، دو سنی تھے۔ شیعہ قاضیوں میں ایک قاضی اسمٰعیلیہ فرقہ اور دوسرا امامیہ فرقہ کا پیرو تھا۔ سنی قاضیوں میں ایک قاضی شافعی اور دوسرا مالکی تھا۔ ان قاضیوں کو اپنے اپنے مذہب کے مطابق احکام صادر کرنے میں پوری آزادی حاصل تھی۔ اس وزیر کے قتل کے بعد امامیہ قاضی کے فرائض و اختیارات اسماعیلیہ قاضی کے سپرد کر دیے گئے تھے۔ یہ نظام ۵۶۴ھ تک برابر جاری رہا۔ ۵۶۴ھ میں صلاح الدین ایوبی نے فاطمیوں کی خلافت کا خاتمہ کر دیا اور فقہ کی تعلیم کے لیے وہاں دو مدرسے قائم کیے، ان میں ایک مدرسہ شافعی اور دوسرا مالکی تھا، تھوڑے عرصہ بعد صدر الدین عبد الملک بن درباس قاضی القضاۃ کے مشورہ سے تمام شیعہ قاضیوں کو معزول کر دیا گیا اور ان کی جگہ ان سنی قاضیوں کو دیدی گئی جو شافعی مذہب کے پیرو تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سنی مذہب پھیلنے لگا (سنی مذہب فاطمیوں سے

www.avs4you.com

پہلے عام طور پر مصر میں رائج تھا) اور مذہب شیعہ کے دونوں فرقوں اسماعیلیہ اور امامیہ کا اثر برابر گھٹتا گیا اور آخر کار وہاں سے قریب قریب اس کا خاتمہ ہو گیا۔[1]

مملوکوں کے عہد میں

مملوکوں کے عہد میں عدالت کا نظام اوج کمال پر تھا، مملوک سلاطین میں سب سے پہلے بیبرس نے مرافعہ یا اپیل کے لئے "عدالتِ عظمیٰ" قائم کی اور اس کے اختیارات خود اپنے ہاتھ میں رکھے اور ہر ہفتہ دو شنبہ، پنجشنبہ کو اس کا اجلاس کرتا تھا۔ اس وقت اس کے پاس مذاہب اربعہ کے قاضی، صاحب دیوانِ انشا اور مالیات اور سول محکموں کے بڑے افسر موجود ہوتے تھے۔[2]

مملوک[illegible] تھے ان کے جانشین تاج الدین

UNREGISTERED VERSION

عبدالوہاب ہوئے تھے (جن کی ماہانہ تنخواہ سو روپیہ تھی) اس وقت عدالت کے فرائض تاج الدین

www.avs4you.com

اور برہان الدین سنجاری[illegible] اور ساحلی آبادیوں کے قاضی تھے اور تاج الدین مصر اور سمندر کے محاذی علاقوں کے قاضی تھے ۶۶۰ھ میں برہان الدین معزول کر دیے گئے اور تمام مصر کی عدالت کے فرائض تاج الدین کو سونپ دیے گئے ۶۶۳ھ (۱۲۶۵ء) میں بیبرس نے عدالت کے نظام میں اصلاحات کیں۔ اس کے بعد سلطان کی طرف سے مذاہب اربعہ کے چار قاضی مقرر کر دیے گئے، اس سے قبل پوری قلمرو کے لئے صرف ایک قاضی تھا اور وہ تاج الدین تھے، نظام عدالت میں اس تبدیلی کی وجہ تاج الدین کا تمرد اور اس کی متعصبانہ ذہنیت تھی۔ اس وقت سے تاج الدین کی حیثیت صرف شافعی مذہب کے قاضی کی رہ گئی تھی۔ شیخ شرف الدین ابو حفص عمر بن صالح مالکی مذہب، قاضی بدر الدین بن سلیمان حنفی مذہب اور قاضی شمس الدین محمد بن شیخ عماد الدین حنبلی مذہب کے قاضی مقرر ہوئے ان میں سے ہر ایک کے اختیارات و فرائض متعین کر دیے گئے۔ انہیں اکنافِ مصر میں اپنے ماتحت قاضی مقرر کرنے کا اختیار تھا، تاج الدین کے ماتحت اوقاف، اموالِ یتامیٰ اور وراثت کا

---

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین ج ۱ ص ۶۱ - والفاطمیون فی مصر ص ۲۳۰ - ۲۳۱ [2] الخطط ج ۲ ص ۲۰۸ - ۲۰۹ -

محکمہ بھی تھا، ان قاضیوں کے علاوہ فوج کا ایک قاضی ہوتا تھا، جو قضاۃ اربعہ کیساتھ "عدالت گاہ سلطانی" میں موجود رہتا تھا اور عدالت گاہ سلطانی میں سلطان کے قریب بیٹھتا تھا، قضاۃ اربعہ کو یہ اعزاز حاصل نہ تھا۔[1]

عدالت کا یہ نظام مملوکوں کی حکومت کے خاتمہ تک برابر قائم رہا۔ مملوکوں کے عہد کے سب سے مشہور قاضی القضاۃ تاج الدین بنت اعز گزرے ہیں، انہی کو ظاہر بیبرس نے امام احمد بن خلیفہ ظاہر بامر اللہ کے نسب کی تحقیق کے لئے مامور کیا تھا۔ جب دوسرے قاضیوں اور فقیہوں نے امام احمد کے نسب نامہ کو صحیح بتایا تو قاضی القضاۃ نے ان کی شہادت کو قبول کر لیا اور صحتِ نسب کا فیصلہ کر دیا، اس وقت امام احمد کی بیعتِ خلافت کر لی گئی قاضی القضاۃ کے بعد سلطان بیبرس اٹھا اور اُس نے بھی امام احمد کی بیعت کر لی۔ اس واقعہ سے اس زمانہ کے قاضی القضاۃ کی اہم حیثیت کا اندازہ ہوتا ہے، اس دور کے دوسرے مشہور قاضی عزالدین بن جماعہ تھے، قاضی عزالدین نے بتایا تھا کہ خلیفہ [illegible] اپنی جانشینی کے لئے اپنے بیٹے احمد [illegible] چنانچہ ان کے کہنے پر عمل کیا گیا تھا اور احمد کی بیعت خلافت کر لی گئی تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قاضیوں کی زبان پر کتنا اعتماد کیا جاتا تھا۔

قاضیوں کی تنخواہیں

حضرت عمرؓ نے کوفہ کے قاضی حضرت شریح کی تنخواہ ۱۰۰ سو درہم مقرر کی تھی، اس کے علاوہ گندم کی کچھ مقدار بھی دی جاتی تھی، بنی اُمیہ کے زمانہ میں وسائل آمدنی کی زیادتی کے ساتھ تنخواہوں میں بھی اضافہ کر دیا گیا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانہ میں قاضیوں کو بالکل تنخواہ نہیں دی جاتی تھی، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ قاضیوں کی تنخواہ کو جائز نہ سمجھتے تھے اُن کا خیال تھا کہ یہ مذہبی خدمت ہے اس کا معاوضہ نہ لینا چاہیئے۔ امویوں کے آخری فرمانروا مروان بن محمد کے زمانہ میں قاضی کی تنخواہ دس دینار تھی، اس کا علم اس سرکاری کاغذ سے ہوا جس میں مروان نے بیت المال کے خزانچی کو لکھا تھا کہ قاضی عبدالرحمن بن سالم کو دس

دینار ماہانہ تنخواہ دی جائے اس سرکاری دستاویز پر ۱۰ ربیع الاول ۱۳۱ھ کی مہر ہے۔

دورِ عباسیہ میں قاضیِ مصر کی ماہانہ تنخواہ تیس دینار تھی، ابن لہیعہ کو یہی تنخواہ ملتی تھی مامون کے زمانہ میں عیسیٰ بن منکدر قاضی مصر کی تنخواہ دو سو ستر دینار ماہانہ تھی۔ عہد عباسیہ میں یہ سب سے بڑی تنخواہ تھی۔ اس سے زیادہ تنخواہ کسی قاضی کو نہیں دی گئی۔ احمد بن طولون کے زمانہ میں قاضی بکار کی تنخواہ ایک ہزار دینار ماہانہ تھی، فاطمیوں کے عہد میں یہ تنخواہ بارہ سو دینار ماہانہ تھی، غلہ وغیرہ اس میں داخل نہ تھا۔

دورِ عباسیہ میں جاگیرداروں کو جاگیروں کے بدلہ میں رقم کی ایک معین مقدار بیت المال میں داخل کرنا پڑتی تھی حکومت کو اس سے غرض نہ تھی کہ کم وصول ہوا یا زیادہ، اسے اپنی اپنی معین مقدار سے کام تھا۔ عہد عباسیہ کے آخر زمانہ میں یہ نظام محکمہ عدلیہ تک متعدی ہو گیا تھا اور قاضی ایک خاص مقدار رقم کی ادا کر دینے کا وعدہ کرتا تھا اور وہ اس رقم کو محکمہ عدالت سے وصول کرتا تھا اور معین مقدار حکومت کو بھیج دیتا تھا اور باقی رکھ لیتا تھا۔ عبداللہ بن شوارب د[illegible] درہم سالانہ بغداد کی قضا کے بدلہ ادا کرنے کا وعدہ کیا تھا۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

۲۔ عدالتِ عظمیٰ

"عدالتِ عظمیٰ" میں ماتحت عدالت کے فیصلے اس وقت بھیج دیئے جاتے تھے جب وہ انہیں نافذ کرنے کی طاقت نہیں رکھتی تھی یا جب فریقین کو اس کے فیصلے سے اطمینان نہ ہوتا۔ اس وقت وہ "عدالتِ عظمیٰ" میں اپیل دائر کر سکتے تھے۔ اس محکمہ کے قیام کی اساسی غرض اربابِ اقتدار کے جبر و استبداد کا استیصال تھا، اس منصب پر صاحبِ جاہ و جلال، حد درجہ پرہیزگار اور نہایت طاقتور شخص کو مامور کیا جاتا تھا، اسے "قاضی مظالم" کہا جاتا تھا اور عدالتِ عظمیٰ "محکمہ مظالم" کے نام سے موسوم تھی۔

[illegible] "عدالتِ عظمیٰ" [illegible] کے فرائض [illegible] تھے لیکن آپ نے اس کے لئے کوئی دن یا کوئی وقت مقرر نہیں کیا تھا، بلکہ شب و روز میں جس وقت بھی کوئی مظلوم [illegible] کر دیتے تھے، عبدالملک بن مروان سب سے پہلا فرمانروا گذرا ہے جو باقاعدہ اس کے لئے اجلاس کیا کرتا تھا۔ عبدالملک نے ایک دن مقرر کر دیا تھا، جس میں وہ مظلوموں اور غیر منصفانہ فیصلوں پر غور و خوض کرتا اور ان کا عادلانہ فیصلہ کرتا تھا، عبدالملک نے اپنی امداد کے لئے قاضی ابن ادریس ازدی کو اپنا شریک کار بنا لیا تھا۔ قاضی ابن ادریس پیچیدہ معاملات کو سلجھانے میں مدد کرتے اور عبدالملک "اقتدارِ اعلیٰ" کی حیثیت سے فیصلہ کرتا تھا۔

"عدالتِ عظمیٰ" خلیفہ اور خود مختار گورنروں کے ماتحت ہوتی تھی، یہ عہدہ اگر ضمناً کسی بڑے عہدہ دار کے سپرد کیا جاتا تھا تو وہ ایک دن اس کے فرائض ادا کرنے کے لئے مخصوص کر لیتا تھا۔ اور اگر مستقل اس عہدہ پر کسی شخص کا تقرر کیا جاتا تھا تو وہ روزانہ اس کے فرائض انجام دیتا تھا۔

"عدالتِ عظمیٰ" کا اجلاس مسجد میں ہوتا تھا، اس وقت "قاضی مظالم" کے ارد گرد پانچ گروہ موجود ہوتے تھے۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

۱- مسلح پولس اور فوج۔ مقصد یہ تھا کہ مجرموں کو سرکشی کی جرأت نہ ہو اور عدالت کے فیصلے سے سرتابی نہ کر سکیں۔

۲- حکام۔ یہ فریقین کے بارے میں واقعات کی تحقیقات پیش کرتے تھے۔ اور قاضی مظالم ان کی تحقیقاتی رپورٹ سے استفادہ کرتا تھا۔

۳- فقہاء۔ ان سے "صاحب مظالم" شرعی مسائل دریافت کر لیتا تھا۔ جب کسی مسئلہ میں اسے تامل یا شبہ ہوتا تھا۔

۴- محرر۔ یہ فریقین کے بیانات اور قاضی مظالم کے فیصلے قلم بند کرتے تھے۔

۵- گواہ۔ ان کا کام ماتحت عدالت کے فیصلہ کے بارے میں تائید یا تردید تھی۔

"قاضی مظالم" کے فرائض میں حسب ذیل چیزیں داخل تھیں۔

۱- [illegible] کے افسروں اور حکموں کے محرروں کے خلاف دائر کئے جاتے تھے۔

۲- تنخواہوں میں تخفیف [illegible]

۳- ان احکامات کا نافذ کرنا جو محتسب اور قاضی نہ کر سکے تھے۔

۱- حج۔ عیدین، جمعہ اور جہاد اور دوسری عبادات کا قیام اور تحفظ۔

اس سرسری جائزہ سے اس عہدہ کی اہمیت اور اقتدار کا اندازہ آسانی سے ہو جاتا ہے۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

Dr. HAFIZ GHULAM YOUSUF
Chairman/DDO
Department of Shari'ah and Law
AIOU Islamabad

ے الاحکام السلطانیہ ص ۷۳-۸۱

ے دیکھیے فجر الاسلام ص ۲۷۰-۳۰۱ و ضحی الاسلام ص ۱۵۱، ۲۴۲۔

۳۔ احتساب

عہد جدید کی طرح، قاضی یا جج کے اختیارات و فرائض قاضی، محتسب اور قاضی مظالم کے درمیان منقسم تھے۔ قاضی کا کام ان مقدمات اور قضیوں کا فیصلہ تھا۔ جو عام طور پر مذہبی معاملات سے تعلق رکھتے تھے، محتسب کے اختیارات و فرائض کا دائرہ عمل امن عامہ کے تحفظ کی عملی کارروائیوں تک محدود تھا اسے بسا اوقات شہری امن و امان کی حفاظت کے لیے فوری تدابیر اختیار کرنا پڑتی تھیں۔ قاضی مظالم کا کام ان مقدمات کے فیصلے اور ان کا نفاذ تھا جو قاضی اور محتسب کے امکان یا اختیارات سے خارج تھے۔

عدالت اور احتساب کے فرائض و اختیارات بعض دفعہ ایک ہی شخص کے سپرد کر دیئے جاتے تھے۔ اس [illegible] باوقار اور [illegible] موثر [illegible] السلطان کا انتخاب عمل میں آتا تھا یہ بیان کرنے کی غالباً [illegible] تحقیقات اور صبر و تدبر کی ضرورت ہے اور محتسب کے فرائض عموماً عجلت کے متقاضی ہیں۔ [1]

محتسب احکام شرعی کا تحفظ کرتا تھا اور ان کی پابندی کراتا تھا، منڈیوں اور بازاروں کے نظم و نسق کی نگرانی کرتا تھا اور ان تمام باتوں کا سدباب کرتا تھا جن کا منڈیوں پر برا اثر پڑنے کا اندیشہ ہوتا تھا۔ محتسب قرضوں کو ادا کراتا تھا، وزنوں اور پیمانوں کی جانچ پڑتال کرتا رہتا تھا اور اس کام کے لئے ایک باقاعدہ آفس تھا[2] جہاں تمام دکانداروں اور خرید و فروخت کرنے والوں کو معین اوقات میں آنا پڑتا تھا اور وہ اپنے وزن اور پیمانے وغیرہ اپنے ساتھ لاتے تھے۔ اس آفس میں باقاعدہ ان کی جانچ کی جاتی تھی۔ یہ آفس فاطمیوں اور ایوبیوں دونوں دوروں میں قائم تھا۔[3]

حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے احتساب کا نظام قائم کیا تھا، اور وہ بذات خود محتسب

---

[1] الاحکام السلطانیہ ص ۲۰۶، ۲۰۷ [2] ایضاً ص ۲۲۷۔ ۲۳۰ [3] مقدمہ ابن خلدون ص ۲۲۵۔ ۲۲۶، الخطط ج ا ص ۴۶۳۔ ۴۶۴۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

کے فرائض انجام دیتے تھے، محتسب کے فرائض کو اختصار کے ساتھ ان الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" اجتماعی زندگی کے آداب کی حفاظت اور نگرانی ناموس و آبرو اور امانت کا تحفظ محتسب کے یہ فرائض تھے۔

فاطمیوں کے عہد میں احتساب کا نظام بہت ترقی یافتہ حالت میں تھا، اس عہد میں محکمۂ احتساب کی طرف سے مختلف عہدہ دار بازاروں اور منڈیوں میں پھرتے رہتے تھے اور خورد و نوش وغیرہ کی اشیاء کی تفتیش اور دیکھ بھال، جانوروں پر ان کی طاقت سے زیادہ سامان لادنے پر سرزنش کرتے اور سقوں کو مشکوں کے ڈھانپنے کی تاکید کرتے تھے، ان کے فرائض میں پائجاموں اور تہبندوں کی نگرانی بھی داخل تھی کہ کہیں آداب عامہ اور تہذیب معاشرت کے خلاف تو نہیں باندھے ہیں، یہ مکتبوں کے ملاؤں کو چھوٹے بچوں کو بدسلوکی سے مارنے سے رو[illegible] لیے اجلاس کیا کرتا تھا۔ اس کے اختیارات عہد فاطمیہ میں اس قدر وسیع تھے کہ پولس کے اس کے احکام کا نفاذ ضروری تھا، محتسب کی ماہانہ تنخواہ اس دور میں تیس دینار (ایک سو پچاس روپے) تھی۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

باب پنجم ۵

نظامِ غلامی

UNREGISTERED VERSION

۱۔ غلامی یونانیوں رومیوں اور یہودیوں میں

www.avs4you.com

۲۔ اسلام سے قبل عربوں میں

۳۔ اسلام میں

غلامی

یونانیوں، رومیوں اور یہودیوں میں

یونان کے فلاسفر نے نوعِ انسانی کو دو قسموں میں تقسیم کیا تھا، پیدائشی آزاد، پیدائشی غلام، ان کے خیال میں دوسری قسم صرف پہلی جنس کی خدمت کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ ارسطو نے غلامی کا رواج سوسائٹی کے لئے ضروری قرار دیا تھا، اس کا زاویہ نگاہ تھا کہ ریاست (State) کے قیام کی حقیقی غرض یہ ہے کہ وہ ہیئت اجتماعی یا سماج کی زندگی کو بہتر سے بہتر بنائے اور اس مقصد کے لئے ناگزیر ہے کہ غلاموں کا وجود بھی ہو، تاکہ ریاست کے شہری [illegible] کام انجام دے سکیں، جنہیں سوسائٹی نہیں کر سکتی یا کرنا نہیں چاہتی۔" اس غرض کے لئے یونانی ان لوگوں کو غلام بنا لیتے تھے جنہیں وہ جنگوں میں گرفتار کرتے تھے اور سوسائٹی کے ذلیل کام ان سے لیتے تھے اور یونانی خود ریاست کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوتے اور دستوری مجلسوں کے فرائضِ رکنیت انجام دیتے تھے۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

رومیوں کا عقیدہ تھا کہ تمام لوگ آزاد پیدا ہوئے ہیں، مگر اس عقیدہ کے باوجود ان کی نظر میں وہ لوگ جو جنگ میں قیدی بنا لئے جائیں یا اُن کے والدین غلام ہوں، یا جو لوگ اپنا قرض ادا نہ کر سکتے ہوں، یا لشکر سے بھاگ گئے ہوں، یہ سب لوگ غلامی کی زندگی کے مستحق تھے۔

یہودیوں میں غلاموں کی دو قسمیں تھیں، ایک تو وہ یہودی تھے جنہیں کسی مذہبی جرم یا قرض کی عدم ادائیگی کی وجہ سے غلام بنا لیا جاتا تھا، دوسرے غیر اقوام کے وہ اشخاص تھے جنہیں جنگوں میں گرفتار کیا جاتا تھا۔ یہ غلام گھروں کا کام، محفلوں کے چھوٹے کام اور کاشتکاری

وغیرہ کیا کرتے تھے، اور ان کی حیثیت میں کاموں کے اختلاف سے کوئی فرق نہ پیدا ہوتا تھا یہ لوگ سوسائٹی میں نہایت ذلت سے اپنی زندگی کے دن پورے کرتے تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے غلامی کا رواج مٹانا تو کجا، اس حیوانیت سے فروتر طبقہ کی سطح زندگی بلند کرنے کے لئے بھی کوئی قدم نہ اٹھایا تھا۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

غلامی

عہدِ جاہلیت میں

دوسری قوموں کی طرح عربوں میں بھی غلامی کا رواج موجود تھا، عربوں میں غلامی جنگ میں اسیری کا نتیجہ ہوتی تھی، اس وقت اپنے اور غیر کا کوئی امتیاز نہ تھا۔ اور کسی عربی نسل کے آدمی کو غلام بنانے میں انہیں کوئی تامل نہ ہوتا تھا۔ لیکن رومیوں میں یہ احساس [illegible] کو غلام بنانا جائز نہ سمجھا جاتا تھا، عربوں کا معمول تھا[1] کہ جب کسی باعزت قیدی کو رہا کرتے تو اس کی پیشانی کے بال تراش لیتے اور ان پر بہت فخر و ناز کرتے تھے۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

عربوں میں غلاموں کی باقاعدہ خرید و فروخت ہوتی تھی۔ عہدِ جاہلیت میں غلاموں کی خرید و فروخت قریش کی غیر معمولی ثروت کا ایک اہم ذریعہ تھی۔ اس دور میں غلاموں کا سب سے مشہور تاجر عبد اللہ بن جدعان تھا، اس کی تجارت کا دائرہ بہت وسیع تھا۔

عربوں میں غلاموں کی اولاد بھی غلام خیال کی جاتی تھی، غلام اس زمانہ میں تمام تمدنی حقوق سے محروم تھے، انہیں اپنی زندگی کی ضروریات کے خرید و فروخت اور دوسرے "تصرفات" کا کوئی اختیار نہ تھا۔

دورِ جاہلیت میں غلامی سے نجات پانے کی چند صورتیں ہوتی تھیں، آقا کسی غلام کے بہت بڑے کارنامے سے خوش ہو کر اس کو آزاد کر دیتا، کسی جنگ میں غیر معمولی شجاعت کا اظہار کرتا۔ اس کی وجہ سے آزاد کر دیا جاتا، یا اپنے آقا کی انتہائی خیر خواہی

---

[1] بلوغ الارب فی احوال العرب ج ۳ ص ۱۴۔

اور محبت کا ثبوت دیتا، اس کے بدلہ میں آزادی مل جاتی۔ اس زمانہ میں غلاموں کی آزادی کی ایک قسم "سائبہ" (بالکل آزاد) ہوتی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ غلام کے آزاد کرنے کے بعد نہ آقا کو غلام کے کسی دیت اور تاوان سے واسطہ رہتا، نہ آقا غلام کے مرنے کے بعد اس کے ترکہ کا وارث ہوتا۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

غلامی

اسلام میں

اسلام نے غلاموں کی حیثیت صرف جنگی قیدیوں کی قرار دی، اور ان سے منصفانہ برتاؤ اور شفقت اور مہربانی سے پیش آنے کی ہدایت کی، قرآن کی بہت سی آیات اس دعوے کی دلیل ہیں :- **مثلاً**

"اور [illegible] اللہ کی بندگی کرو، اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ، اور چاہیئے کہ [illegible] ماں باپ کے ساتھ، قرابت داروں کے ساتھ [illegible] پڑوسی ہوں، خواہ اجنبی [illegible] پاس اٹھنے بیٹھنے والوں کے ساتھ اور ان لوگوں کیساتھ جو مسافر ہوں یا (لونڈی غلام ہونے کی وجہ سے) تمہارے قبضہ میں ہوں، احسان وسلوک سے پیش آؤ۔ (سورۂ نساء آیت ۴۰)

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

اسلام میں غلامی کی سب سے اہم وجہ جنگ میں اسیری تھا، گرفتاری کے بعد ان غیر مسلم قیدیوں کا انجام قتل، فدیہ کی رقم دے کر رہائی حاصل کرنا، بلا فدیہ آزاد کر دیا جاتا یا غلام بنا لینے کی صورت میں ظاہر ہوتا تھا۔ تاریخ کے صفحات میں کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ کسی امیر نے جنگ کے قیدیوں کو قتل کرا دیا ہو، ہاں اس صورت میں جب کسی قیدی کا خطرہ مسلمانوں کی اجتماعی ہیئت پر پڑنے کا اندیشہ ہوتا تھا اور شدید ہوتا تھا۔ اس وقت ضرور اس قسم کے ایک آدھ خطرناک قیدی کو ختم کیا جاتا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نضر بن حارث کے قتل کا حکم دیا تھا، جس نے آنحضرتؐ کی ایذا رسانی، مسلمانوں کی ہجو، مسلمانوں کی ماں بہنوں کی شان میں عشقیہ اشعار اور انہیں بدنام کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا، پھر بھی آنحضرتؐ نے ایک بار اُسے امان دے

دی تھی اور حدودِ مدینہ چھوڑ دینے کے لئے چند روز مہلت بھی دیدی گئی تھی، مگر اس کی موت اُسے وہیں چکر دیتی رہی لیکن جب میعاد گزرنے کے بعد بھی مدینہ کے حدود میں پایا گیا تو اُسے قتل کر دیا گیا، دوسری صورت فدیہ کی ہے، امیر اُسے قبول کرنے کے بعد رہا کر سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسیرانِ بدر کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا تھا اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمانوں کے قبضہ میں اس کثرت سے قیدی غلام تھے کہ ایک ایک مسلمان کے پاس سینکڑوں کی تعداد میں موجود تھے۔

اسلام اور غلامی

اسلام نے غلاموں کی حیثیت جنگی قیدیوں کی قرار دی، امام کو اختیار دیا گیا کہ بلا کسی قسم کی شرط اور قید کے انہیں چھوڑ دے یا مال کا فدیہ لے لے۔ یا اُس شخص کے حوالہ کر دے جس نے اُسے قید کیا تھا۔

UNREGISTERED VERSION

جنگ کے بعد کفار کو خوب مضبوط باندھ لو پھر اس کے بعد انہیں یا تو بلا معاوضہ چھوڑ دینا یا معاوضہ لے کر چھوڑ دینا۔ (سورۂ محمدؐ۔ آیت ۴)

www.avs4you.com

اسلام نے نوعِ انسانی کے امتیازاتِ باطل کو مٹا دیا، سیاہ و سفید، بدوی، شہری، حاکم و محکوم اور مرد و زن میں کوئی آئینی حدِ فاصل قائم نہ کی، اسلام نے حلیف یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں کے درمیان بھی آئینی مساوات قائم کر دی اور کسی تفاوت کو گوارا نہ کیا۔ قرآن نے ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کا بھائی قرار دیا۔ ان میں اگر کوئی فرد دوسرے سے ممتاز ہے تو اس کی وجہ صرف ایمان کی کمی بیشی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے یادگارِ عالم خطبۂ حجۃ الوداع میں صاف صاف الفاظ میں فرما دیا تھا۔ "لوگو! مسلمان آپس میں حقیقی بھائیوں کی طرح ہیں۔ تمہارا خُدا ایک، تمہارا مورثِ اعلیٰ ایک، یعنی تم سب آدم کی اولاد سے ہو، آدم کا خمیر مٹی سے اُٹھا تھا، خدا کے نزدیک تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اس سے سب سے زیادہ ڈرتا ہے۔ عربی نسل کے انسان پر کوئی فوقیت نہیں فوقیت ہے تو صرف تقویٰ کی وجہ سے"۔

اسلام میں ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کو اسیر کرنا اور اُسے غلام بنانا مطلق جائز نہ تھا لیکن غیر مسلم جب جنگوں میں گرفتار کئے جائیں تو انہیں غلام بنانے میں کوئی مضائقہ نہ تھا، اس وقت عربی النسل اور غیر عربی النسل میں بھی کوئی امتیاز نہ تھا۔

شریعت اسلامی میں کسی مسلمان کو کسی حالت میں بھی غلام بنانا جائز نہیں ہے، صرف جہاد کے (جو خدا کے نام اور دین کی سربلندی کے لئے کیا گیا ہو) اسیرانِ جنگ غلام بنائے جاسکتے ہیں۔ اس وقت یہ ضروری تھا کہ غیر مسلموں نے مسلمانوں پر حملہ کرنے میں پیش قدمی کی ہو، لیکن جو غیر مسلم قومیں مسلمانوں سے برسرپیکار نہ ہوں، انہیں امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ (ایک روایت میں) کے نزدیک غلام بنانا بالکل ناجائز ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کی تحقیر اور ان کی اہانت کی ممانعت فرمائی۔ ایک آزاد کردہ غلام نے شرفاء عرب کے ایک ممتاز خاندان "بنی بیاضہ" میں نکاح کا پیغام دیا، آنحضرت نے اس کی سفارش کی، اس خاندان کے لوگوں نے کہا "رسول اللہ! کیا ہم اپنی بیٹیاں اپنے غلاموں [illegible] ناگوار گزرا۔ اسوقت خدا کا یہ حکم نازل ہوا۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

لوگو! ہم نے تمہیں ایک ماں باپ سے پیدا کیا۔ گروہ اور قبائل تو باہمی شناخت کے لئے کر دیے، خدا کے نزدیک سب سے بہتر وہ ہے جو اس سے سب سے زیادہ ڈرتا ہے۱؎

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ بن زیدؓ کو جو ایک نوعمر غلام تھے، مسلمانوں کے اس لشکر کا جنرل بنایا تھا، جس میں ممتاز اور تجربہ کار صحابہ موجود تھے، اس موقع پر حضرت ابوبکرؓ جیسی شخصیت انہیں رخصت کرنے نکلی تھی، اس وقت حضرت اسامہؓ سوار تھے اور حضرت ابوبکرؓ پیدل چل رہے تھے، اگرچہ حضرت اسامہؓ نے متعدد بار کہا "خلیفہ رسول اللہ آپ کو بھی سوار ہونا پڑے گا ورنہ میں بھی اُتر پڑوں گا۔" آپ نے فرمایا، "نہ تم اُترو گے نہ میں سوار ہوں گا۔"۲؎ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ بنت جحش کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہؓ سے کر دیا تھا، اس سے بھی زیادہ مساوات

۱؎ سورۂ حجرات، آیت ۲۔ ۲؎ طبری ج ۳۔ ص ۲۱۲

کا اعلیٰ نمونہ یہ تھا کہ پھر اُن سے خود آپؐ نے نکاح کر لیا تھا، دراں حالیکہ وہ آپؐ کے ایک غلام کی بیوی رہ چکی تھیں، تاریخِ اسلام کا یہ ایک اہم واقعہ ہے۔

اسلام نے غلاموں کی سطحِ زندگی بلند کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا، اسلام نے غلاموں کو آزادی کے راستہ پر لا کھڑا کیا اور آقا و غلام میں کھانے پینے، تعلیم و تہذیب اور بہت سے تمدنی حقوق میں مساوات قائم کر دی، آنحضرتؐ نے غلاموں کے ساتھ حسنِ معاشرت پر برانگیختہ کیا اور بدسلوکی سے بہت سختی کے ساتھ روکا، اگر آپ کو معلوم ہو جاتا کہ کوئی مسلمان اپنے کسی غلام سے بدسلوکی سے پیش آتا ہے تو آپؐ اُسے آزاد کرنے پر مجبور کرتے غلاموں کی آزادی کے لئے شریعتِ اسلامی نے اسباب اور ماحول پیدا کر دیا، چنانچہ قسم کے کفارہ میں، ایفاءِ نذر میں اور "محض ثواب کی خاطر" اُنہیں آزاد کر دیا جاتا تھا۔

اسلام نے غلامی کو ایک عارضی چیز قرار دیا اور غلاموں کے لئے اپنی آزادی کو حاصل کرنے کے لئے بہت وسیع میدان پیدا کر دیا۔

UNREGISTERED VERSION

اگر تمہارے لونڈی غلام تم سے مکاتبت کی خواہش کریں تو تم انہیں مکاتب بنا دو۔

www.avs4you.com

(آیت ۳۳۔ سورۂ توبہ)

مکاتبت

مکاتبت کا مفہوم یہ ہے کہ آقا سے غلام ایک معین مقدار، محدود مدت میں ادا کرنے کا معاہدہ کر لے، یہ رقم ادا کر دینے کے بعد وہ آزاد خیال کیا جاتا تھا، ادائیگی کی اس مدت میں غلام تجارت، خرید و فروخت اور دوسرے تصرفات کر سکتا تھا جن سے وہ مال فراہم کر سکے۔

حضرت جویریہؓ بنت حارث جو بنی المصطلق کے اسیرانِ جنگ میں تھیں اور اپنی قوم کے سردار کی صاحبزادی تھیں، لڑائی کے بعد باندی کی حیثیت سے ثابت بن قیسؓ کے حصہ میں آئی تھیں، یہ ان کی خودداری کے لئے بہت بڑا حادثہ تھا، انہوں نے ابنِ قیس سے مکاتبت کی درخواست کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مالی امداد کے

لئے حاضر ہوئیں۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دل سے اسلام سے بغض و نفرت دور کرنے کیلئے بہت مناسب موقع خیال کیا اور انہیں مکاتبت کے مال کی معین مقدار دے دی اور مزید تالیف قلب کے لئے ان سے نکاح کی درخوست کی جسے انہوں نے بصد عزت قبول کیا۔[1]

فقہائے اسلام کا اتفاق ہے کہ مکاتبت مستحب ہے، امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک یہ واجب ہے، جب غلام آقا سے اپنی خرید کردہ قیمت یا کچھ زیادہ کے عوض آزاد ہونے کی درخواست کرے۔

مکاتب اگر درمیان میں مکاتب بننے سے انکار کر دے اور اس کے پاس اتنی رقم ہو جو آقا اور غلام میں طے ہوئی تھی، اس وقت مذہب حنفی کے مطابق اسے رقم ادا کرنے پر مجبور کیا جائے گا، تاکہ وہ غلامی کی لعنت سے آزاد ہو جائے، اگر اتنی رقم نہ ہو، لیکن وہ کمانے کی استعداد رکھتا ہے تو امام مالک کے نزدیک [illegible] کمانے پر مجبور کیا جائے گا فقہا مکاتبت کے وقت غلام کی حالت اور حیثیت کا لحاظ کرتے ہیں اور اسی کے مطابق رقم معین کرنے کی اجازت دیتے ہیں، ان کے نزدیک محض آزاد کرنے کے معمولی سے وعدہ بلکہ ہلکے سے اشارہ سے بھی آقا پر آزاد کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔[2] قرآن نے ان الفاظ میں غلاموں کو آزاد کرنے کے لئے آمادہ کیا ہے۔

"آپ کو معلوم ہے زندگی کی تاریک گھاٹی سے نجات دینے کا کیا مفہوم ہے؟
کسی گردن کا غلامی سے چھڑا دینا۔" (سورہ بلد۔ پ ۳۰)

تدبیر

مدبر بنانے کا مفہوم یہ تھا کہ آقا اپنے غلام کی آزادی کے مرنے سے قبل وصیت کر دے۔ آقا کے مرنے کے بعد یہ غلام آزاد ہو جاتا تھا، ائمہ کا اجماع ہے اگر ایک شخص کے قبضہ میں عاقل بالغ غلام ہو اور وہ دعویٰ کرے کہ یہ میرا غلام ہے اور غلام کو اس سے انکار

[1] سیرۃ ابن ہشام۔ غزوہ بنی المصطلق۔ [2] الاسلام دین الفطرۃ۔ ص ۸۱۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

ہو، ایسی حالت میں قسم کے بعد غلام کا قول معتبر ہوگا اور اُسے آزاد خیال کیا جائے گا اس جگہ اسلام کے مشہور قانون "شہادت مدعی پر اور قسم مدعا علیہ پر ضروری ہے" کے مطابق یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اسلامی زاویہ نگاہ سے غلامی ایک عارضی چیز ہے" اس لئے مدعی کو شہادت پیش کرنے کی "تکلیف" دی گئی اور مدعا علیہ کی قسم پر اکتفا کیا گیا

اسلام کا قانون ہے، ایک پڑا ہوا بچہ اگر دو شخصوں کے درمیان وجہ نزاع ہو، ایک شخص مسلمان ہو دوسرا غیر مسلم، مسلمان کا دعویٰ ہو کہ یہ میرا غلام ہے اور کافر کہتا ہو یہ میرا بچہ ہے اس وقت قاضی کافر کے حق میں فیصلہ کرے گا تاکہ اُسے آزادی حاصل ہو سکے اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسلام نے انسانی آزادی کا کتنا احترام کیا ہے۔

اسلام کے ابتدائی دور میں غلامی کا ایک اور راستہ تھا اور وہ جزیہ کا تھا، مسلم حکومتوں کی ماتحت حکومتوں [illegible] کے ساتھ بعض اوقات غلاموں کی ایک محدود تعداد بھی بھیجنا پڑتی تھی، مثلاً حضرت عمرو بن عاص اور [illegible] کے معاہدہ میں غلام [illegible] کی بھی تصریح کر دی گئی تھی۔ [illegible] رواج ہو گیا تھا بات یہ تھی کہ قیدیوں کی کثرت کی وجہ سے غلاموں کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی اور آقا اُن کے اخراجات برداشت نہ کر سکتے تھے، غلاموں کے تاجروں کی آمد و رفت فرانس، اٹلی، بلقان اور حبشہ وغیرہ کے ساحلوں سے کثرت سے جاری تھی۔

اسلام نے غلاموں کی آزادی کے لئے متذکرہ صدر وسائل کے علاوہ اور اسباب بھی پیدا کر دیے (مثلاً مصرفِ زکوٰۃ میں مکاتبت غلام کی مالی امداد کرنا بھی داخل ہے اور صدقات کے مال سے غلام خرید کر آزاد کئے جا سکتے تھے۔

غلاموں سے مسلمانوں کا برتاؤ

ایک بار ابن سوید نے حضرت ابوذر غفاریؓ اور اُن کے غلام کو ایک ہی قسم کا لباس پہنے دیکھا، تو حیرت سے دریافت کیا، حضرت ابوذرؓ نے جواب دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: تمہارے غلام تمہارے بھائیوں کی حیثیت رکھتے ہیں، تمہیں

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

چاہیئے کہ جو تم کھاؤ وہی انہیں کھلاؤ، جو تم خود پہنو وہی انہیں پہناؤ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار دور سے ابن مسعودؓ کو اپنے غلام کو کوڑے مارتے دیکھ لیا، آپ نے وہیں سے انہیں ڈانٹا اور قریب آکر نہایت غصہ سے فرمایا۔ "خدا اس سے زیادہ تم پر اقتدار رکھتا ہے، جتنا تم اس غلام پر رکھتے ہو" ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ سوار ہے اور اس کا غلام پیچھے پیچھے دوڑتا جا رہا ہے، آپ نے فرمایا: خدا کے بندے! اسے بھی اپنے ساتھ بٹھا لے، یہ تیرا بھائی ہے تیری طرح اس میں بھی جان ہے۔"

غلاموں پر یہ لطف و کرم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تک محدود نہ تھا بلکہ صحابہ بھی آنحضرتؐ کے صحیح نمونہ تھے، حضرت علیؓ فرمایا کرتے، مجھے ایسے شخص کو غلام خیال کرتے [illegible] اپنے غلام کو کچھ دام دیے اور فرمایا کہ دو مختلف قیمت کے کپڑے خرید لاؤ۔ جب وہ خرید لایا تو آپ نے قیمتی کپڑا اُسے [illegible] تم جوان ہو، تمہیں زیب و زینت کی خواہش ہونا چاہیئے، میرا کیا میں اب عمر رسیدہ ہوں۔[1]

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

اسلام نے غلاموں کے دل سے احساس کمتری دور کرنے کی ہر امکانی کوشش کی خدا نے غلاموں کی ڈھارس بندھائی اور مغفرت اور حسن جزا کا اُن سے وعدہ فرمایا۔

"اے پیغمبر! لڑائی کے قیدیوں میں سے جو تمہارے قبضہ میں ہیں۔ اُن سے کہہ دو، اگر اللہ نے تمہارے دلوں میں کچھ نیکی پائی، تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے، اس سے کہیں بہتر تمہیں عطا فرمائے گا اور تمہیں بخش دے گا وہ بڑا بخشنے والا اور رحمت والا ہے۔

(سورۂ انفال - آیت ۷۰)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر غلام اپنے آقا کی خیر خواہی کرے اور خدا کی عبادت کرے تو اُسے دُگنا اجر اس کے ہر نیک کام کے بدلہ میں ملے گا" آپؐ کی اس بشارت کی وجہ سے بہت سے غلام اس کی تمنا کرتے تھے کہ ہم عمر بھر غلامی میں بسر کریں تاکہ ہمیں

[1] عینی (شرح بخاری) ج ۱۳ ص ۲۷ - احیاء العلوم - غزالی ج ۲، باب حقوق المملوک۔

دوہرا اجر ملے۔

فان برنگ نے غلاموں کے ساتھ مسلمانوں کے برتاؤ کا خاکہ ان الفاظ میں پیش کیا ہے "اسلام نے غلاموں کے لئے اس قسم کے قوانین بنادیے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اُن کے پیروکاروں کو انسانی احترام کا کتنا احساس اور شعور تھا ان قوانین میں، اُن قوانین کے مقابلہ میں صدہا خوبیاں نظر آتی ہیں جو تہذیب وتمدن کی علمبردار قوموں نے اپنی ماتحت قوموں کے لئے بنائے ہیں۔ اسلام نے غلامی کے نظام کو اگرچہ باطل نہیں کیا، لیکن اس میں غیر معمولی اصلاحات کیں اور غلاموں کی حیثیت محض قیدیوں کی رہ گئی، جن سے رفق ونرمی کے برتاؤ کا حکم دیا گیا۔[1] بدر کی جنگ کے بعد جب مسلمان اسیرانِ جنگ کو لے کر روانہ ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو حکم دیا، "دیکھو ان سے اچھا برتاؤ کرنا"۔ ابو عزیز جو حضرت مصعب بن عمیر کے بھائی تھے اور جنگ بدر میں مشرکین کا جھنڈا اٹھاتا تھا، کا بیان ہے کہ میں انصار کے ایک قافلہ میں اسیری کی حالت میں روانہ ہوا۔ اس قافلہ کے لوگ کھانے کے وقت مجھے اپنی روٹیاں [illegible] اور [illegible] کر [illegible] تھے۔

موالی

صدرِ اسلام میں "موالی" تین اقسام کے نفوس شمار ہوتے تھے، پناہ دیا ہوا ہمسایہ، حلیف (Allies) اور آزاد کردہ غلام۔

۱۔ ہمسایہ، کوئی قبیلہ جب اپنے کسی فرد سے معاشرتی تعلقات منقطع کرلیتا، تو مجبوراً وہ کسی دوسرے قبیلہ میں پناہ لیتا، اسے ہمسائیگی یا جوار کہا جاتا تھا، یہ شخص جس کی پناہ لیتا تھا اس کا فرض تھا کہ وہ اس کی حمایت کرے اور قبیلہ میں اس کی حیثیت اور ناموس وعزت کا خیال رکھے اور کسی کو اُن کی طرف بری نظر سے دیکھنے کی جرأت نہ پیدا ہونے دے۔

۲۔ حلیف، اس کی حیثیت سدا مقیم ہمسایہ کی تھی، اس کے حقوق بھی پناہ گزین ہمسایہ

[1] الاسلام روح المدنیۃ۔ ص ۴۲۱

کے برابر تھے۔ قبیلہ میں یہ حلیف اگر کوئی نامناسب حرکت کرتا تھا تو اس کی جگہ اس شخص سے کہا جاتا تھا جس کا وُہ حلیف ہوتا تھا۔

۳۔ آزاد کردہ غلام، آقا اپنے آزاد کردہ غلام کی حمایت اپنا فرض خیال کرتا تھا۔ مرنے کے بعد اس غلام کا ترکہ آقا کو ملتا تھا۔

اسلام کے ابتدائی زمانہ میں موالی کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی، ان میں اکثریت ان ایرانیوں کی تھی جنہیں جنگوں میں گرفتار کیا گیا تھا اور وُہ غلام تھے، یا انہوں نے عربوں سے دوستانہ معاہدہ کر لیا تھا اور ان کے حلیف بن گئے تھے، مقصد یہ ہوتا تھا کہ عربوں کی حمایت حاصل کی جائے اور ان کے شرف و جاہ سے فائدہ اٹھایا جائے۔

اس دور کے عربوں کو تین طبقوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ موالی، خالص عرب، اور غلام۔ خالص عربوں سے مراد وہ عرب تھے جن کا نسب غیر اقوام کے اختلاط سے محفوظ تھا اور ان کی [illegible] زی حقوق حاصل تھے، یہ قبیلہ کا تحفظ اور دفاع، قومی روایات کی حفاظت اور قبیلہ کے کسی مرد مقتول کا انتقام لینا اپنا فرض خیال کرتے تھے، تیسرا طبقہ غلاموں کا تھا، جو بہت سے شہری حقوق سے محروم تھا۔ یہ گروہ صنعت و حرفت کے کاموں میں مصروف رہتا تھا۔ اس زمانہ میں ان کاموں کو ہاتھ لگانا خالص عربی النسل طبقہ اپنی کسر شان سمجھتا تھا۔ اجتماعی زندگی میں غلاموں کا طبقہ عربی عنصر سے بہت پست خیال کیا جاتا تھا، عربوں کا اعتقاد تھا کہ اس طبقہ نے کفر و شرک سے نجات پائی ہے لیکن وہ اسیری کی بندشوں سے ابھی آزاد نہیں ہُوا ہے۔ عرب اپنی لڑکیوں کی شادی کسی "مولی" کے ساتھ کرنا کبھی گوارا نہ کرتے تھے۔ مولی کو کنیت سے بھی خطاب نہیں کیا جاتا تھا۔ کنیت سے خطاب کرنا اُن کے ہاں شرف و عزت کی علامت تھا اور مولی اس شرف و عزت کا مستحق نہیں خیال کیا جاتا تھا۔

ایران کے موالی اس امتیازی حقوق اور تمدنی اور سیاسی زندگی میں اپنی تحقیر کی وجہ سے غیظ و غضب میں پیچ و تاب کھاتے تھے، انہیں اپنی ذلت کا حد درجہ احساس تھا اور وُہ عربوں کے خلاف آمادہ سازش ہو گئے۔ حضرت عمرؓ کی شہادت ایک "مولی" ابو لولو

مغیرہ بن شعبہؓ کا آزاد کردہ غلام) کے ہاتھ سے واقع ہوئی۔ یہ شہادت اس غلام کے غیر معمولی احساس ذلت کا عملی مظاہرہ تھا، حضرت علیؓ کے تخت خلافت پر جلوہ فرما ہونے کے بعد موالیوں نے ان کے خلاف سر اٹھایا تھا اور غارت گری میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا، سر ولیم میور کے الفاظ میں اس کی وجہ بیت المال کے وظائف سے ان کی محرومی[1] تھی۔ اس محرومی نے انہیں ڈاکہ زنی اور سلب و نہب کیلئے مجبور کر دیا تھا۔

اموی فرمانروا بھی اسی پالیسی پر قائم تھے جو خلافت راشدہ میں اختیار کی گئی تھی۔ اور انہوں نے بھی عربوں اور موالیوں میں امتیازی حد قائم رکھی، گورنروں نے موالیوں کے مسلمان ہونیکے بعد بھی ان پر جزیہ معاف نہیں کیا، حالانکہ یہ قانونِ شریعت کے خلاف تھا۔ موالیوں کو انتظامی اور سیاسی عہدوں سے محروم رکھا گیا، فوجی خدمات کے عوض عربوں کی طرح انکے وظائف [illegible]، یہ "شرف" "صرف" "عربوں" کو حاصل تھا، ان امتیازات کے علاوہ اور بہت سی امتیازی حدیں قائم کر رکھی تھیں۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

بنی امیہ میں صرف حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان موالیوں کے حالِ زار کی طرف توجہ فرمائی اور نو مسلموں سے جزیہ اٹھا دیا، چاہے وہ عرب ہوں یا موالی اور فوجی خدمات انجام دینے کے بدلے عربوں کی طرح موالیوں کے وظائف بھی حکومت کی طرف سے مقرر کر دیئے گئے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی وفات کے بعد یہ موالی پھر اپنی قدیم سطح پر آ گئے، اس وقت ان کا احساس ذلت اور ابھر گیا اور امتیازی برتاؤ کی وجہ سے امویوں کے خلاف دانت پیسنے لگے اور وقت کے منتظر رہے اور بنی امیہ کا تختہ الٹ دینے کے لئے آمادہ رہا کرتے تھے، چنانچہ امیر معاویہؓ کے زمانہ میں مختار بن ابی عبید کے طرفدار بن کر اپنی اذیت کوشی کا اظہار کر چکے تھے، پھر وہ خوارج کے ہم آہنگ بن گئے تھے اور عبدالرحمٰن بن اشعث کی بغاوت میں عملی حصّہ لیا تھا، اس کے بعد جب یزید بن مہلب نے اموی حکومت

---

[1] The Kaliphate. P. 251 لے

کے خلاف شورش اٹھائی اُس وقت یہ موالی اس کے پشت پناہ تھے۔ ان تمام واقعات سے موالیوں کے جوشِ عداوت اور احساسِ ذلت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

اس سیاسی ماحول اور خلفشار کا یہ اثر ہُوا کہ تھوڑی ہی مدت میں امویوں کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور عباسیوں کی حکومت نے جنم لیا، صدرِ اسلام میں عربوں کی انتظامی، سیاسی اور فوجی عہدوں کے لئے تخصیص اور موالیوں کی ان سے محرومی کا نتیجہ یہ ہُوا کہ موالی علوم و فنون کی تحصیل میں لگ گئے اور اس دور میں ان میں صدہا ممتاز ادیب، قانون دان اور محدث اور مؤرخ پیدا ہُوئے۔

تیسری صدی ہجری میں جنوبی عراق میں غلاموں نے ایک شورش اٹھائی، ان کی اس شورش کو "زنگی تحریک" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، واقعہ یہ تھا، ایک شخص جس کا دعویٰ تھا کہ وہ امام زین العابدین کا صاحبزادہ ہے، مدت سے عباسیوں کے ضعف و انحطاط کا منتظر بیٹھا تھا۔ جب تیسری صدی میں سیاسی کمزوریوں [illegible] زوال شروع ہُوا تو یہ شخص [illegible] اور کاشتکاری میں مصروف تھے، یہ غلام وہاں کے تاجروں کے تھے، اس شخص نے ان غلاموں کو ورغلایا اور ان کی موجودہ پستی کی زندگی سے نجات کی بہت سی اُمیدیں دلائیں، یہ غلام بھڑک اُٹھے تھے اور انہوں نے دولتِ عباسیہ کے خلاف بغاوت کر دی، جو پندرہ سال تک جاری رہی تھی۔

مشرق میں مغرب کے اعتبار سے غلاموں کی حالت بہت بہتر تھی، مشرق میں غلامی کی زندگی ایک خاص عمر تک پہنچنے کے بعد ختم ہو جاتی تھی، پھر وہ آقا کے خاندان کا ایک ممبر شمار کیا جاتا تھا اور اس میں اور خاندان کے افراد میں کوئی امتیاز نہ ہوتا تھا، یہ اسلام کی تعلیمات کا اثر تھا، یہی وجہ تھی کہ مشرق کی قلمرو یعنی عباسی سلطنت میں غلاموں کی طرف سے کوئی اجتماعی تحریک حکومت کے خلاف کبھی نہیں اٹھی، اس کے مقابلہ میں مغرب میں غلاموں کی متعدد اجتماعی شورشیں اُٹھی تھیں۔ مشرق میں ایک "زنگی تحریک" ضرور اُٹھی تھی مگر وہ صرف ایک مقامی تحریک تھی، جسے مذہبی رنگ دیا گیا تھا، اس کا دائرۂ عمل بلادِ عراق تک وسیع نہ تھا۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

عباسی فرمانرواؤں نے غلاموں کو کبھی نفرت اور حقارت کی نظر سے نہیں دیکھا۔ اسکی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ بہت سے عباسی خلفا باندیوں کے بطن سے تھے۔ جنہیں ان کے آبا نے خریدا تھا۔ اس دور میں باندیوں سے عالمگیر شیفتگی کا سبب باندیوں کا حسن و جمال میں عرب عورتوں سے ممتاز ہوتا تھا، کشش کی ایک اور اہم وجہ یہ تھی کہ باندیوں کو شادی سے قبل اچھی طرح سے دیکھ بھال سکتے تھے، ان کی عادات، ان کے مزاج اور اُن کے اخلاق کا جائزہ لیا جا سکتا تھا، لیکن شریف عورتوں سے نکاح میں یہ آسانیاں میسر نہ تھیں، دوسرے تجربات نے ثابت کر دیا تھا کہ باندیوں کے بچے اپنے باپ سے شریف عورتوں کے بطن سے پیدا ہونے والے بچوں سے زیادہ محبت کرتے ہیں، اس دور میں باندی زادوں اور شریف زادوں میں کسی قسم کا امتیاز نہ کیا جاتا تھا، وراثت میں بھی دونوں برابر کے شر[illegible]

UNREGISTERED VERSION

اکثر عباسی فرمانروا باندیوں کے بطن سے پیدا ہوئے تھے، مثلاً مامون رشید کی ماں

www.avs4you.com

ایک ایرانی لونڈی تھی۔ [illegible] کی ماں "شجاع" رومی (یا خوارزمی) لونڈی تھی۔ مقتدر کی ماں "سیّدہ" اور مستکفی کی ماں دونوں رومی باندیاں تھیں۔ مطیع کی ماں ایک صقلبی باندی تھی جو سیٹی بجانے اور خوش آواز پرندوں کی بولیاں بولنے میں غیر معمولی کمال رکھتی تھی[1]

یہ طرز عمل صرف عباسی فرمانرواؤں کے ساتھ مخصوص نہ تھا، فاطمیوں نے بھی انکی تقلید کی تھی، مستنصر کی ماں ایک سوڈانی باندی تھی، جسے ایک یہودی ابوسعید تستری نے خلیفہ ظاہر (مستنصر کا باپ) کی خدمت میں ہدیہ میں پیش کیا تھا۔ مستنصر کے زمانہ میں سوڈانی نسل کے غلاموں کی تعداد کوئی پچاس ہزار تھی۔ ناصر خسرو کے بیان کے مطابق خلیفہ مستنصر نے بحر خلیج پر جو عظیم الشان دربار کیا تھا، اس میں تیس ہزار سوڈانی نسل کے دوسرے غلام تھے[2]

---

[1] کتاب التنبیہ والاشراف (مسعودی) ص ۳۹۸

[2] الفاطمیون فی مصر (ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن) ص ۲۱۰-۲۴۹-۲۵۰

مصر اور غلام

مصر کے گورنروں اور بادشاہوں نے غلاموں سے فوجی خدمات لی تھیں اور وہ ان کے قابلِ اعتماد سپاہی تھے، فوج میں سوڈانی، ترکی، رومی، صقالبی غلاموں کی کثرت تھی، خلیفہ عزیز باللہ نے سب سے پہلے غلاموں کا فوجی اعزاز بڑھایا اور انہیں مصر آنے کا موقع دیا، فاطمیوں کے بعد ایوبی مصر کے تخت وتاج کے وارث ہوئے، انہیں بھی "دیارِ غیر" میں قدم جمانے کے لئے غلاموں کی ایک عظیم الشان فوج جمع کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی جو عربوں اور مصریوں کے مقابلہ میں وقت پر کام دے، اس مقصد کے لئے کثرت سے غلام فوج میں بھرتی کیئے گئے اور ان پر اعتماد کیا گیا، سلطان نجم الدین ایوب نے کثرت سے غلاموں کو خریدا تھا، اس کے زمانہ میں ان کی تعداد بارہ ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ اس دور میں غلام [illegible] بے اعتدالیاں حد سے بڑھ گئیں تو شہریوں کی طرف سے عام احتجاج کیا گیا اور جزیرہ روضہ میں ان کے قیام کیلئے بارگیں تعمیر کروا دیں۔ ایوبیوں نے ان کی تعلیم وتربیت کی طرف خصوصی توجہ کی تھی اس کا اثر یہ ہوا کہ ان میں ایک بہت بڑی تعداد فقہ اور دوسرے علوم وفنون کے ماہرین کی پیدا ہوگئی۔ اس زمانہ میں غلام شہ سواری اور فنونِ جنگ میں غیر معمولی قابلیت کے مالک تھے اور اپنی اس اعلیٰ تعلیم وتربیت کی طرف خصوصی توجہ کی تھی، اس کا اثر یہ ہوا کہ ان میں ایک بہت بڑی تعداد فقہ اور دوسرے علوم وفنون کے ماہرین کی پیدا ہوگئی۔ اس زمانہ میں غلام شہ سواری اور فنونِ جنگ میں غیر معمولی قابلیت کے مالک تھے اور اپنی اس اعلیٰ تعلیم وتربیت کی وجہ سے بڑے بڑے عہدوں کے فرائض بحسن وخوبی انجام دے سکتے تھے، مصر میں غلاموں کی قدر ومنزلت اور ثروت ودولت کی خبریں جب بلادِ ترکستان پہنچیں تو لوگوں نے غلاموں کے بچوں کو اس خیال سے فروخت کرنا شروع کر دیا کہ وہ سلطانی قرب اور اعتماد حاصل کر سکیں جو مستقبل میں اُن کے لئے سود مند ثابت ہو۔ اس وقت غلاموں کا دائرہ عمل صرف

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

جنگی قیدیوں تک محدود نہ تھا، بلکہ کثرت سے مشرقی قبائل، سلاطین اور امرا کے ہاتھ کو فروخت کرنے مصر آنے لگے۔ شجرۃ الدرؒ سلطان نجم الدین کی بیوی جو ۶۴۸ھ ۱۲۵۰ء میں مصر کے تخت پر جلوہ فرما ہوئی تھی، انہی قبائل مشرقیہ کے بچوں سے تعلق رکھتی تھی، اس نے اپنی ہشتاد روزہ ایام حکومت میں ثابت کر دیا تھا کہ وہ نظم و نسق اور حکومت کرنے کی کتنی غیر معمولی صلاحیت رکھتی ہے۔ اسی روز کے بعد اس نے عز الدین ترکمان کمانڈر انچیف سے شادی کر لی تھی اور حکومت کے فرائض اپنے شوہر کے سپرد کر دیئے تھے۔

اسپین میں غلاموں کی حیثیت

جے، بی ٹرنڈ (J.B.Trend) اسپین اور پرتگال کے مسلمانوں کے بارے میں بیان کرتا ہے۔

عبدالعزیز بن موسیٰ بن نصیر اور دوسرے مسلمان جرنیلوں نے [illegible] اسپین کے سلاطین قوط کا آخری تاجدار کے خاندان میں شادیاں کی تھیں، ان کے علاوہ اور بہت سے مسلمانوں کی بیویاں اسپینی تھیں اس زمانہ میں مسلمان خاندان [illegible] سے شادیاں کرتے تھے۔

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

پروفیسر ریبرا نے قرطبہ کے بازار (جہاں باندی غلاموں کی خرید و فروخت ہوتی تھی) کے بہت سے فائل اور ریکارڈ کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ رائے ظاہر کی ہے کہ مسلمانانِ اندلس کے دورِ حکومت میں باندیوں کی خرید و فروخت کوئی آسان چیز نہ تھی، جیسا کہ عام طور پر یورپ میں پھیلا ہوا ہے، بلکہ خریدار کو اسوقت ان اسباب کی وضاحت کرنا پڑتی تھی جن کی وجہ سے وہ خریدنا چاہتا تھا اور یہ پوری کاروائی ریکارڈ کے طور پر محفوظ رکھی جاتی تھی، بنی اندلس کے دور میں آزادی کے لحاظ سے باندیوں کی حیثیت عہد عباسیہ سے زیادہ مرتفع تھی، نسب میں یہ مسلمان اپنے آباء و اجداد کا اعتبار کرتے تھے اس لئے اپنا سلسلہ نسب اپنے اجداد سے ملاتے تھے اور اپنی ماؤں کے نسب اور حیثیت کو در خور التفات نہ سمجھتے تھے۔

سر ٹامس آرنلڈ کا بیان ہے" اسپین کے عیسائیوں نے جن پر کیتھولک فرمانرواؤں کے زمانہ میں نکبت اور فقر و شدت کی حکومت تھی، مسلمانوں کی حکومت میں جو مذہبی رواداری میں مشہور تھے بہت سے تمدنی حقوق حاصل کر لئے تھے، اسلام کی عالمگیر مساوات رواداری اور انسانی آزادی کے احترام کیوجہ سے سب سے پہلے ان غلاموں نے اس کا خیر مقدم کیا صدیوں سے پستی کی حالت میں تھے اسکے بعد بہت سے بت پرستوں نے انکی تقلید کی اور کثرت سے مسلمان ہو گئے۔

ماخذ

ذیل میں چند اہم ماخذوں کی ایک فہرست دی جاتی ہے مصنفین کے ناموں میں حروفِ تہجی کا لحاظ کیا گیا ہے۔

(۱) ابن الاثیر (۶۳۰ھ ؛ ۱۲۳۲ء) علی بن احمد بن ابی الکرم (الکامل فی التاریخ ۱۲ جلدیں (بولاق ۱۲۷۴ھ)

(۲) استاد احمد ابراہیم بک (طرق القضاء فی الشریعۃ الاسلامیہ) (قاہرہ ۱۳۴۷ھ)

(۳، ۴) احمد امین : استاد۔ ۱۔ کتاب فجر الاسلام (قاہرہ ۱۹۲۰ء) ۲۔ کتاب ضحی الاسلام (قاہرہ ۱۹۳۵ء)

(۵، ۶) آرنلڈ سر ٹامس Arnold, Prof. Sir Thomas.

(1) "The Preaching of Islam" 3rd. ed. (London. 1935)

(2) The Caliphate (Oxford 1924)

(۷) اصفہانی ([illegible]) : ابو الفرج (کتاب الاغانی [illegible]

(۸) امیر علی سید Amir Ali Syed

"A Short History of the Saracens" (London 1921)

(۹) ابن ایاس (م ۹۳۰ھ ؛ ۱۵۲۳ء) ابو البرکات محمد بن احمد۔ (کتاب تاریخ مصر المعروف بائع الزہور ۳ جلدیں (بولاق ۱۳۱۱ھ ؛ ۱۳۱۲ھ)

(۱۰-۱۱) براؤن۔ ایڈورڈ۔ جی۔ Browne, Edward. G.

(1) Literary History of Persia-From the Eastist Times until Firdausi (London, 1900)

(2) Literary History of Persia-From Firdausi to saidi (London, 1906)

(۱۲) بٹلر۔ اے۔ جے۔ Butler, Alfred. J.

"The Arab Conquest of Egypt" (Oxford, 1902.)

عربی ترجمہ از پروفیسر محمد فرید ابو حدید (قاہرہ ۱۳۵۱ھ ؛ ۱۹۳۳ء)

(۱۳) بغدادی (+ ۴۲۹ھ - ۱۰۳۷ء) ابو منصور عبد القادر بن طاہر۔ الفرق بین الفرق
(قاہرہ ۱۳۲۸ھ - ۱۹۱۰ء)

(۱۴) البکری (+ ۴۸۷ھ - ۱۰۹۴ء) ابو عبید عبد اللہ بن عبد العزیز (کتاب المغرب فی ذکر بلاد افریقہ و
المغرب) دوسرا ایڈیشن (پیرس ۱۹۱۱ء)

(۱۵) بلاذری (+ ۲۷۹ھ - ۸۹۲ء) احمد بن یحییٰ بن جابر "فتوح البلدان" (قاہرہ ۱۳۱۹ھ)

(۱۶) ٹرنڈ، جے، بی
Trend, J.B.
"The Legacy of Islam" (Oxford 1931) ترجمہ لجنۃ الجامعین لنشر العلم (قاہرہ ۱۹۳۶ء)

(۱۷) جاحظ، ابو عثمان عمرو بن المعروف بالجاحظ "البیان والتبیین" (طبع مصر)

(۱۸) گبن ایڈورڈ
Gibbon, Edword,
"[illegible] Fall of the Roman-
UNREGISTERED VERSION
Empire" 7 vol. ed by Prof. G. B. Bury.

(۱۹) گروہمان: ڈاکٹر اڈولف
Grohmann, Adolf
www.avs4you.com
(۲۰) اوراق البردی العربیہ بدار الکتب المصریہ (قاہرہ ۱۹۲۵ء) جزء اول، مترجمہ ڈاکٹر حسن
ابراہیم حسن، اور ترجمہ جزء ثانی زیر طبع۔

(۲۱) جہشیاری (+ ۳۳۱ھ) ابو عبد اللہ محمد بن عبدوس "کتاب الوزراء والکتاب" شائع
کردہ اساتذہ مصطفیٰ السقا اور ابراہیم الابیاری اور عبد الحفیظ شلبی (قاہرہ ۱۹۳۸ء)

(۲۱) جرجی زیدان "تاریخ التمدن الاسلامی" پانچ جلدیں (قاہرہ ۱۹۰۲-۱۹۰۶ء)

(۲۲) ابن جماعۃ، بدر الدین "تحریر الاحکام فی تدبیر اہل الاسلام۔ مجلۃ Islamica ۱۹۳۴ء

(۲۳) جمیل نخلہ المدور "حضارۃ الاسلام فی دار الاسلام" (قاہرہ ۱۹۳۲ء)

(۲۴، ۲۵) ابن حجر عسقلانی (+ ۸۵۲ھ - ۱۴۴۹ء) شہاب الدین بن علی (ا) الاصابۃ فی تمییز
الصحابہ (مصر ۱۹۲۳ء) (ب) رفع الاصر عن قضاۃ مصر، (مصری لائبریری کا قلمی نسخہ نمبر ۲۱۱۵)

(۲۶) ابن حزم (+ ۴۵۶ھ - ۱۰۶۳ء) ابو محمد علی بن احمد "الفصل فی الملل والاہواء والنحل"
۱۵ جلدیں (قاہرہ ۱۳۱۷ھ)

(۲۷-۳۲) حسن ابراہیم حسن۔ ڈاکٹر (ا) تاریخ عمرو بن العاصؓ، دوسرا ایڈیشن (قاہرہ سنہ ۱۹۲۶ء) (ب) الفاطمیون فی مصر (ترجمہ انگریزی) مطبع امیریہ سنہ ۱۹۳۲ء) (ج) السیادۃ العربیہ والشیعہ والاسرائیلیات فی عہد بنی امیہ۔ ترجمہ فرانسیسی سے، تالیف از فان فلوتن۔

(قاہرہ سنہ ۱۹۳۳ء) (د) اوراق البردی العربیہ (ترجمہ انگریزی) تالیف از ڈاکٹر اڈولف جروہمان جلد اول (قاہرہ سنہ ۱۹۳۴ء) (و) تاریخ العصور الوسطیٰ فی الشرق والمغرب۔ پروفیسر احمد صادق الطنطاوی کی شرکت سے (قاہرہ سنہ ۱۹۳۴ء)

(۳۳) الخطیب البغدادی (+ سنہ ۴۶۳ھ) الحافظ ابوبکر احمد بن علی "تاریخ بغداد او مدینۃ الاسلام" ۱۴ جلدیں (قاہرہ سنہ ۱۳۴۹ھ، ۱۹۳۱ء)

(۳۴، ۳۵) ابن خلدون (+ ۸۰۸ھ = ۱۴۰۵، ۱۴۰۶ء) عبد الرحمٰن بن محمد (ا) مقدمہ ابن خلدون (بیروت سنہ ۱۹۰۰ء) (ب) "العبر ودیوان المبتدا والخبر" ۷ جلدیں (قاہرہ ۱۲۸۴ھ)

(۳۶) ابن خلکان (+ ۶۸۱ھ = ۱۲۸۲ء) شمس الدین ابو العباس احمد بن ابراہیم بن ابی بکر الشافعی "وفیات الاعیان" دو جلدیں (بولاق ۱۲۸۳ھ، مصر ۱۳۱۰ھ)

(۳۷) ابن دقماق (۸۰۹ھ = ۱۴۰۶-۱۴۰۷ء) ابراہیم بن محمد المصری "الانتصار لواسطۃ عقد الامصار" (جلد ۴، ۵) (قاہرہ سنہ ۱۳۰۹ھ، سنہ ۱۸۹۳ء)

(۳۸) ابن سعید المغربی (+ ۶۷۳ھ = ۱۲۷۵ء) علی بن موسیٰ المغربی "سیرۃ ابن طولون" لابن الدایہ (برلن سنہ ۱۸۹۴ء)

(۳۹) ابن سلام (۲۲۴ھ) الحافظ ابو عبید القاسم "کتاب الاموال" (قاہرہ سنہ ۱۳۵۳ھ)

(۴۰) السنہوری: پروفیسر ڈاکٹر عبد الرزاق بک "Le Caliphate" (Paris 1926)

(۴۱-۴۲) السیوطی (+ ۹۱۱ھ = ۱۵۰۵ء) عبد الرحمٰن بن ابی بکر جمال الدین (ا) تاریخ الخلفاء امراء والمومنین القائمین بامر اللہ (قاہرہ سنہ ۱۳۵۱ھ) (ب) حسن المحاضرۃ فی اخبار مصر والقاہرۃ، دو جلدیں (قاہرہ سنہ ۱۳۲۷ھ)

(۴۳) شہرستانی (سنہ ۵۴۸ھ سنہ ۱۱۵۳ء) ابو الفتح محمد بن عبد الکریم "الملل والنحل" ۵ جلدیں (قاہرہ سنہ ۱۳۱۷ھ)

(۴۴) صولی (سنہ ۳۳۵ھ) ابوبکر محمد بن یحییٰ۔ "اخبار الراضی باللہ والمتقی للہ" یا تاریخ الدولۃ

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

العباسیہ از ۲۲۲ھ تا ۳۳۳ھ از کتاب الاوراق (قاہرہ ۱۹۳۵ء)

(۴۵) ابن طباطبا: محمد بن علی المعروف بابن الطقطقی "الفخری فی الاداب السلطانیہ والدول الاسلامیۃ" (قاہرہ ۱۳۱۹ھ)

(۴۶، ۴۷) الطبری (۳۱۰ھ، ۹۲۲ء) ابو جعفر محمد بن جریر (ا) "تاریخ الامم والملوک" طبع (ڈی، گوجی، لیڈن ۱۸۸۱ء) (قاہرہ مطبع حسینیہ) (ب) کتاب الجہاد و کتاب الجزیہ و احکام المحاربین من کتاب اختلاف الفقہاء" شائع کردہ ڈاکٹر یوسف شخت (لیڈن ۱۹۳۳ء)

(۴۸) ابن عابدین: ردالمحتار علی الدرالمختار (بولاق ۱۲۹۱ھ)

(۴۹) ابن عبدالحکیم (۲۵۷ھ) "فتوح مصر" شائع کردہ مجلس معارف فرانسیسی مخصوص بہ آثار قدیمیہ شرقیہ (قاہرہ ۱۹۱۴ء)

(۵۰) ابن عبد ربہ (۳۴۹ھ، ۹۶۰ء) شہاب الدین احمد "العقد الفرید" ۳ جلدیں (قاہرہ [illegible])

UNREGISTERED VERSION

(۵۱) علی ابراہیم حسن: [illegible]

www.avs4you.com

(۵۲) عمارالیمنی (۵۶۹ھ، ۱۱۷۴ء) ابوالحسن نجم الدین الیمنی "کتاب العصریہ فی اخبار الوزارۃ المصریہ" شائع کردہ ہارٹونج ڈیرنبورج (پیرس ۱۸۹۷ء)

(۵۳) امیر عمر طوسون۔ کتاب مالیہ مصر از عہد الفراعنہ تا عہد حاضر اسکندریہ ۱۹۳۱ء)

(۵۴) ابوالفداء (۷۳۲ھ، ۱۳۳۱ء) اسماعیل بن علی عمادالدین صاحب حماہ۔ "المختصر فی اخبار البشر" ۴ جلدیں (قسطنطنیہ ۱۲۸۶ھ)

(۵۵) قدامہ (۳۳۷ھ) ابوالفرج بن جعفر الکاتب البغدادی۔ کتاب الخراج (ڈی۔ گوجی، لیڈن ۱۸۸۹ء)

(۵۶) قلقشندی (۸۲۱ھ، ۱۴۱۸ء) ابوالعباس احمد "صبح الاعشیٰ فی صناعۃ الانشاء" ۱۴ جلدیں (قاہرہ ۱۹۱۳ء، ۱۹۱۷ء)

(۵۷) قرطبی (۶۷۱ھ) ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری "الجامع الاحکام القرآن" دو جلدیں (مطبع دارالکتب ۱۹۳۳ء، ۱۹۱۷ء)

(۵۸) کرد علی، پروفیسر محمد بکت "الادارۃ الاسلامیہ فی عز العرب" (قاہرہ ۱۹۳۴ء)
(۵۹) کریمر، الفرڈ فون
Kremer, Alfred, Von
Culturgeschichte des Orients enter der Chalifen. 2 vols
(Vienna 1875) translated by Khuda Bukhsh.
(Calcutta 1920-1927)

(۶۰) کندی (۳۵۰ھ، ۹۶۱ء) ابو عمر محمد بن یوسف "کتاب الولاۃ وکتاب القضاۃ"
(طبع روفن جسٹ
(Rlm von Guest

(۶۱) ماوردی (۴۵۰ھ، ۱۰۵۸ء) ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب البصری۔
"الاحکام السلطانیہ" (قاہرہ ۱۲۹۸ھ)

(۶۲) میز، آدم
Mez. Adam.
"The Renaissance of Islam" trans. into English by
Salahuddin Khuda Bukhsh and D.S. Margoliouth (London 1939)
(۶۳) ابوالمحاسن (۸۷۴ھ، ۱۴۶۹ء) جمال الدین یوسف بن تغری بردی۔ "النجوم الزاہرہ فی ملوک مصر والقاہرہ"، ۷ جلدیں (مطبع دار الکتب المصریہ)
(۶۴) محمد جمال الدین سرور "الظاہر بیبرس وحضارۃ مصر فی عہدہ" قاہرہ ۱۳۶۰ء
(۶۵) مارگولیتھ، ڈی، ایس
Margoliouth Pro. D.S.
"Mohammed and the Rise of Islam" 3rd ed. (London 1923)
(۶۶) محمد حسین ہیکل پاشا، ڈاکٹر "حیات محمد" (صلعم) تیسرا ایڈیشن قاہرہ ۱۳۵۸ھ
(۶۷) مسکویہ (۴۲۱ھ، ۹۵۶ء) ابوالحسن علی بن الحسین بن علی۔ (ا) "کتاب التنبیہ والاشراف (طبع ڈی گوجی۔ لیڈن ۱۸۹۳ء) (ب) مروج الذہب ومعادن الجوہر" ۲ جلدیں (قاہرہ ۱۳۰۳ھ و ۱۸۸۵ء)
(۷۰) مسلم (۲۶۱ھ، ۸۷۵ء) ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیری۔ جامع الصحیح (قاہرہ ۱۳۲۹ھ، ۱۳۳۲ھ)
(۷۱، ۷۲) مقریزی (۸۴۵ھ، ۱۴۴۱ء) تقی احمد بن علی۔ (ا) المواعظ والاعتبار فی ذکر الخطط و

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

الآثار ۲ جلدیں (بولاق سنہ ۱۲۷۰ھ) ب) "اتعاظ الحنفاء باخبار الخلفاء" (بیت المقدس سنہ ۱۹۰۸ء)

(۷۳) ملن: جے گرافٹن۔ Milne, J. Grafton.

A History of Egypt under Roman Rule (London 1913)

(۷۴) ابن مماتی: القاضی الوزیر شرف الدین ابو المکارم بن ابی سعید "کتاب قوانین الدواوین" قاہرہ ۱۲۹۹ھ)

(۷۵) ابن منجب (سنہ ۵۴۲ھ، سنہ ۱۱۴۷ء) امین الدین تاج الریاسۃ ابو القاسم علی نیز مسمی بہ الصیرفی المصری "الاشارۃ الی من نال الوزارۃ" (قاہرہ سنہ ۱۹۲۴ء)

(۷۶) ابن میسر (سنہ ۶۷۷ھ، سنہ ۱۲۷۸ء) محمد بن علی بن یوسف بن حلب "تاریخ مصر" طبع منہری ماسیہ Henri Masse قاہرہ سنہ ۱۹۱۹ء)

(۷۷) میور، ولیم [illegible] M[illegible] Sir Willi[illegible]

(a) The Caliphate, its Rise, Decline and fall (Oxford, 1902)

(b) The Mam[illegible]" (London, 1396)

(۷۹) ناصر خسرو (سنہ ۴۸۱ھ، سنہ ۱۰۸۸ء) "سفر نامہ"

Relation davoyage de Nasir Khosrou en Syria, en Palestine en Egypt en Arabie et en Perse, Persian Text and Translation by Charles Schefer (Paris 1881.)

(۸۰) ابن الندیم (سنہ ۳۸۳ھ، سنہ ۹۹۳ء) محمد بن اسحاق "کتاب الفہرست" ۲ جلدیں (لائپزگ سنہ ۱۸۷۱ء)

(۸۱) نکلسن جان Nicholson, Jahn

A Aceount of the Etablishment of the Fatemite Dynesty in Africa," (Tubingen. 1840)

(۸۲) نویری (۷۳۲ھ، سنہ ۱۳۳۲ء) شہاب الدین احمد بن عبد الوہاب "نہایۃ الارب فی فنون الادب" (مصری لائبریری کا قلمی نسخہ، نمبر ۱۵۷۶)

(۸۳) نکلسن اے، رینلڈ۔ Nicholson, Prof. Reynold, A.

UNREGISTERED VERSION
www.avs4you.com

"Literary History of the Arabs. (London. 1914)

(۸۴) ابن ہشام (۲۱۸ھ، ۸۳۳ء) ابو محمد عبدالملک بن ہشام بن ایوب المعافری الحمیری

"کتاب سیرۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" ۳ جلدیں۔ (قاہرہ ۱۳۳۲ھ)

(۸۵، ۸۶) ہلال الصابی (۴۴۸ھ، ۱۰۵۶ء) ابو الحسن بن المحسن بن ابی اسحٰق ابراہیم الکاتب

(ا) تحفۃ الامرا فی تاریخ الوزرا" مرتبہ ایچ الیف امڈروز (ب) امڈروز کی تاریخ کا حصہ ہشتم (۳۶۹-۳۹۳ھ) (قاہرہ ۱۹۱۹ء)

(۸۷) وسٹنفلڈ۔ الیف۔ فان۔ Wustenfeld, F. Von.

(a) "Geschichte der Fatemiden Chalifen" (Gottingen, 1881)

(b) Geschichtschrslber der Araber and ibre werke."

UNREGISTERED VERSION

(۸۸) یاقوت (۶۲۶ھ، ۱۲۲۹ء) شہاب الدین ابو عبداللہ الحموی الرومی۔ "معجم البلدان"

www.avs4you.com

۱۰ جلدیں (قاہرہ [illegible]

(۸۹) یحیٰی بن سعید الانطاکی (۴۵۸ھ، ۱۰۶۶ء)

"تاریخ المجموع علی التحقیق والتصدیق" (بیروت ۱۹۰۹ء)

(۹۰-۹۱) یعقوبی (۲۸۲ھ، ۸۹۰ء) احمد بن یعقوب بن جعفر بن وہب بن واضح۔

(ا) "تاریخ یعقوبی" ۲ جلدیں۔ طبع ہوتسما (M. Sh. Hortosma.) (لیڈن ۱۸۸۳ء)

(ب) "کتاب البلدان" طبع ڈی، گوجی (لیڈن ۱۸۹۲ء)

(۹۲) ابو یوسفؒ (۱۹۲ھ) یعقوب بن ابراہیم صاحب ابی حنیفہؒ

"کتاب الخراج" (بولاق ۱۳۰۲ھ)

(۹۳) کتاب "الفقہ علی المذاہب الاربعہ" طبع دار الکتب ۱۳۴۹ھ، ۱۹۳۱ء)